رجسٹرڈ نمبر اے ۲۱۱



مرتبہ دیا نراین نگم بی اے۔

| جلد ۴۳ | جولائی ۱۹۲۴ء | نمبر ۱ |
|---|---|---|

# فہرست مضامین

تصویر۔ بازبہادر و روپ متی (رنگین)



زمانہ پریس کانپور سے شایع ہُوا

قیمت سالانہ ۱۲
قسم اعلیٰ ۶ عہ

معمولی ایڈیشن

قیمت:۔ ممالک غیر سے سے ۶ عہ سالانہ ششماہی ۶ عہ معہ ہندوستان کے لیے سے ۶ عہ

مہاتما گاندھی کی گرفتاری کے بعد سے ہندوستان کی پالٹکس نے جو صورت اختیار کر رکھی ہے اسپر غور کرکے کون شخص بغیر آنسو بہائے رہ سکتا ہے۔ کانگریس کی تحقیقاتی کمیٹی نے جو بظاہر سول نافرمانی کو کامیاب بنانیکے ذرائع تجویز کرنے کے لیے مقرر کی گئی تھی ایک ایسا گل کھلایا کہ قومی یکجہتی نااتفاقی مین اور قومی کام زبانی شعبدون مین مبدل ہوگیا۔ لیڈران قوم داخلہ کونسل کے مسئلہ کی تائید و تردید مین اپنی تمام دماغی و زبانی قوتین صرف کرنے لگے۔ سنہ ۱۹۲۲ء کے آخری چند ماہ اس بحث و مباحثہ مین گذرے۔ لیڈران قوم مضبوط سے مضبوط دلائل سوچنے مین مصروف تھے۔ عوام کو بھی اس معاملہ مین ایک عجیب دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔ اخبارون مین ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اسی مسئلہ کے متعلق مضامین پڑھے جاتے تھے۔ سنہ ۱۹۲۲ء کی گیا کانگریس کے بعد ہی سوراج پارٹی کے قائم ہونے کا اعلان قدیم طرز کے ماننے والے لیڈرون کیلیے ایک زبردست چیلنج تھا۔ اور ثبوت تھا اس امر کا کہ اہل ملک عام طور پر ان قربانیون کے لیے تیار نہین ہین جنکو مہاتما گاندھی نے سوراج حاصل کرنیکی کنجی قرار دیا ہے۔ گو مہاتما گاندھی کی ادنیٰ

کا اثر اس درجہ عوام الناس کے دلون مین گھر کر گیا تھا کہ انکے اصولون کے خلاف کوئی خیال پیدا ہونا مشکل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سی۔ آر۔ داس۔ پنڈت موتی لعل نہرو اور حکیم اجمل خان کی پُرزور کوششون کے باوجود گیا کانگریس نے داخلہ کونسل کے خلاف فرمان جاری رکھا۔ لیکن مہاتما جی اسوقت قیدخانہ کے گوشۂ تنہائی مین سوراج کے لیے ریاضت کر رہے تھے۔ انکی شخصیت کا مقناطیسی اثر اب اہل وطن کے دلون کو ہلا نہ سکتا تھا۔ مہاتما جی اور اہل وطن کے درمیان پردہ جیل کی دیوار حائل تھی۔ مسٹر راج گوپال آچاری کو ابھی اہل ہند کے دلون پر اسقدر قبضہ حاصل نہ ہوا تھا کہ وہ داس اور نہرو کی کونسلون کے ذریعہ سوراج حاصل کرنے والی نو ایجاد مشین کے مقابلہ مین چرخے کو مفید تر ثابت کر دکھاتے۔

نان کوآپریشن کے عملی طریقون سے لوگ ایک حد تک عاجز بھی ہو چکے تھے۔ روزمرہ کی ہڑتالون نے ناک مین دم کر رکھا تھا۔ متواتر سوراج دینے والے وعدون اور انکی عدم ایفا نے بھی دلون مین شکوک پیدا کر دیے تھے۔ چنانچہ عام طور پر یہ خواہش پیدا ہو چکی تھی کہ سوراج کی معراج پر پہونچنے کے لیے کوئی دوسری سیڑھی ہم پہونچنا چاہیے۔ سوراج پارٹی نے ایک ایسی سیڑھی ہم پہونچانیکا وعدہ کیا جسمین پریشانی کم ہو اور نفع زیادہ۔ لہذا اسکی آمد آمد مین خوش آمدید کی صدائین بلند ہونے لگین۔ سوراج پارٹی مین وہ عناصر کثرت سے موجود تھے جو موجودہ واقعات کا لحاظ کرتے ہوے کسی پولیٹکل جماعت کو عوام مین مقبول بنانے کے لیے ضروری ہوتے ہین۔ اسنے خدمت قومی کو بہت زیادہ آسان بنا دیا۔ محض شور وغل مچانیوالے لوگ جنکو ملکی بہبودی سے دراصل کوئی تعلق بھی نہ تھا سچے فدایانِ وطن کے مقابلہ مین زیادہ تر عزت و احترام کے قابل ہو گئے۔ وہ لوگ جنھون نے اپنے قیمتی ولایتی کپڑون مین آگ لگا کر کھدر زیب تن کیا تھا پیچھے پڑ گئے اور اب قومی فوج کے سپہ سالار اور افسر وہ لوگ ہین جنکے قبضہ مین ووٹرون کی کثرت ہو۔ موسم گرما مین موٹے کھدر کی پوشاک سے تکلیف کیون اُٹھائین۔ سوراج پارٹی مین شامل ہو کر باریک سے باریک ولایتی تنزیب پہنین انگریزی ہوٹلون مین دعوتین بھی کھائین اور ملکی لیڈر بھی کہلائین۔ جو عملی پروگرام مہاتما گاندھی نے ملک کے سامنے پیش کر رکھا تھا اسمین کوئی دلچسپی کا سامان نہ تھا۔ چرخہ چلانا اور باریک

سے باریک سوت کاتنا کوئی خالہ جی کا گھر تو تھا نہین۔ اسمین صبر و مشقت کا امتحان تھا یہ ایسی قومی خدمت نہ تھی کہ جسمین مرحبا اور آفرین کی صدائین بلند ہوتین، خواہ تعریفی مضامین اخبارون اور رسالون مین چھپتے۔ قومی خدمت کی یہ ایک کسوٹی تھی جس سے نان کواپریشن کے ظاہر و باطن مین تمیز ہونے لگی تھی۔ چنانچہ نان کوآپریٹرون کی ایک کثیر التعداد جماعت اس کشمکش مین تھی کہ کسطرح چرخہ کی مصیبت سے چھٹکارا نصیب ہو اور اسی کے ساتھ بات بھی قائم رہے۔ سوراج پارٹی نے اس مسئلہ کو آسانی کیساتھ حل کر دیا۔ چرخہ اور جیل سے رہائی ہوئی اور لیڈری کی کرسی بھی قبضہ مین رہی۔

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی!

سوراج پارٹی کی کشش نے صرف انھین نان کوآپریٹرون کو اپنی طرف نہین کھینچا جو عملی پروگرام کی مصیبتون سے عاجز تھے، بلکہ اسنے دائین بائین۔ آگے پیچھے ہر چہار طرف چھاپا مارنا شروع کر دیا۔ ان وکلا صاحبان کے لیے جو لبرل پارٹی مین اسوجہ سے شریک نہ ہو سکتے تھے کہ پبلک کی نگاہون مین ذلیل ہونگے اور اسوجہ سے نان کوآپریٹر نہین ہو سکتے تھے کہ وکالت چھوڑنے مین نقصان تھا اور کھدر پہننا ناقابل برداشت سوراج پارٹی انکے لیے لیڈران ملک کی فہرست مین داخل ہونے کا آسان ذریعہ ثابت ہوئی۔ کونسل الکشن کے لیے نام دینا ہی شہرت کا ایک ذریعہ تھا۔ نہ کہ جب سوراجسٹ بنکر کامیابی یقینی ہو، پس سوراج پارٹی مین لوگ کثرت سے شریک ہونے لگے۔ حتیٰ کہ مئی ۱۹۲۳ء مین اس روز افزون سیلاب نے وہ ہولناک شکل اختیار کر لی کہ کونسل بائیکاٹ کی کشتی ڈگمگاتی ہوئی نظر آنے لگی۔ اب خیال پیدا ہونے لگا کہ مقابلہ کی صورت مین داخلہ کونسل کے مخالفین کو شکست نصیب ہوگی۔ اگست ۲۳ء مین مولینا محمد علی کی رہائی نے نان کوآپریٹرون کو کسیقدر ڈھارس کا کام دیا تھا لیکن اس امڈے ہوئے طوفان کے سامنے مولانا صاحب کے قدم بھی اکھڑ گئے۔ دہلی کے خاص اجلاس کانگریس مین آپ نے بآواز بلند یہ اعلان کیا کہ انکو یرودا جیل سے مہاتماجی کا ایک بے تار پیغام موصول ہوا ہے، کہ کانگریس کو داخلہ کونسل کا مسئلہ پاس کرنا چاہیے۔ گو یہ محض زبان کی صنعت تھی،

جسکو مولانا صاحب نے فن تقریر مین اس خوبی سے استعمال کیا کہ مخالفین کی زبان بند ہوگئی۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ مہاتما گاندھی کی ذات پر جو بھروسہ اہل قوم کو تھا اس کا بیجا استعمال اس تجویز کے پاس کرانے مین کیا گیا۔ یہ خیال کرکے کہ مہاتما گاندھی داخلہ کونسل کو اب پسند کرتے ہین۔ کانگریس مین کون شخص اس مسئلہ کے خلاف آواز بلند کر سکتا تھا۔

بالآخر کانگریس نے کونسل کے دلدادہ لوگون کو اجازت دیدی کہ کونسلون مین جاکر اُن کی بیخ کنی کرین۔ کانگریس اور مہاتما گاندھی کے نام پر جو کامیابی سوراج پارٹی نے الکشن مین حاصل کی وہ کسی سے پوشیدہ نہین ہے۔ لبرل پارٹی کے سربرآوردہ لیڈرون نے الیکشن کے میدان مین شکست کھائی۔ کانگریس سے لبرل پارٹی بالارادہ کنارہ کش ہوئی تھی مگر کونسلون سے انکو ایک ایک انچہ لڑکر مجبوراً علیحدہ ہونا پڑا۔ اور جدید روش کے محبان وطن زہرآلود شربت کونسل کی تلخی سے مسرور ہونیلگے۔

اپنے الکٹران سے ان صاحبان نے یہ عہد و پیمان کیا تھا کہ ہر صورت اور ہر حالت مین وہ حکومت کی خالص و پرزور مخالفت کرنا ہی اپنا ایمان سمجھین گے اور گورنمنٹ کو نظام حکومت مین ایک شمہ بھر بھی مدد دینا باعث نفرین سمجھتے رہین گے۔ جہان انکی کثرت ہوگی وہان عملی مخالفت کی آگ جلائین گے اور جہان قلت ہوگی وہان اپنی اپنی کرسیان چلتے ہوئے چراغون کی طرح خالی چھوڑ دین گے۔ دعویٰ یہ تھا کہ جبتک حکومت مطلق العنان بیوروکریسی سے عوام الناس کی طرف منتقل نہو جائیگی چھوٹی چھوٹی اصلاحون اور رعایتون کے لیے گورنمنٹ کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائین گے یہانتک کہ اگر کوئی تجویز مہاتما گاندھی کی رہائی کے لیے بھی پیش ہوگی تو اسکی تائید بھی مجوزہ پروگرام کے لحاظ سے نہ کرینگے، اس دلچسپ پروگرام کا تماشہ ہم دیکھ چکے۔ اور سوراج پارٹی کے اس اعلان جنگ کا لطف بھی جی بھر کر اُٹھا چکے۔ خدا جانے اس پروگرام مین قدرت نے کس حد تک تبدیلی کا مادّہ بھر دیا تھا کہ متواتر گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا رہا۔ اور یہانتک نوبت پہونچی کہ ہر تجویز کی مخالفت کرنا تو درکنار، اب سوراجسٹ ممبران کونسل رفاہ خلایق کے لیے خود تجاویز پیش کرسکتے ہین۔ کمیٹیون مین شریک ہونا اور ہر ایک منتخبہ عہدہ کا حاصل کرنا۔ غرض اُن تمام طریقون پر عمل کرنا جنکے لیے لبرل پارٹی اب تک مجرم قرار دیجاتی تھی۔ اب سوراجی بھی

کا حق ہے۔ صرف بجٹ البتہ منظور نہ کرین گے تاوقتیکہ طرز حکومت مین اہل ملک کی راے کے
مطابق تبدیلی نہ کیجاے۔

غرض جو خیال اہل ملک کے دلون مین پیدا ہو گیا تھا کہ سوراج پارٹی ہندوستان کے
لیے ایک نئی زمین اور نیا آسمان پیدا کردے گی۔ باطل ثابت ہوا اور مہاتما گاندھی کا قول صادق
آیا کہ کونسلون مین ایسا تازہ زہریلا مادہ موجود ہے کہ اسکے اثر سے محفوظ رہنا غیر ممکن ہے۔
سوراجسٹ پروگرام کی نت نئی تبدیلیان دیکھکر اور یہ خیال کرکے کہ فی الحال اسکی نشو و نما کیلئے
آب و ہوا ابھی ناموافق ہے، یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ سوراج پارٹی اپنی موجودہ حالت پر کافی
عرصہ تک قائم نہین رہ سکتی۔ مگر یہ بھی کہنا مشکل ہے کہ اسکا مستقبل کیا ہوگا۔ یہ بہت ممکن
ہے کہ بجٹ کی مخالفت کو بیکار سمجھکر اس مد کو بھی اپنے پروگرام سے حرف غلط کی طرح مٹا دین،
اور لبرل پارٹی سے "من تو شدم تو من شدی" کی گفتگو شروع کردیجاے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے
کہ کونسلون کے دو ایک مزید اجلاس کا خوشگوار تجربہ حاصل کرکے کونسل چھوڑنے اور سول
نافرمانی کی طیاری کرنے پر مجبور ہو جائین۔ بہر حال جیسا کہ انکا موجودہ پروگرام ہے اس سے بظاہر
کوئی فوری نتیجہ برآمد ہونے کی امید نہین معلوم ہوتی۔

لبرل پارٹی بیشک اپنے اصول پر قائم ہے۔ وہ ہمیشہ سے اصلاحات پر عمل کرنے کا
راگ الاپتی رہی۔ آئینی ترقی کی ضرورت محسوس کرتی تھی لیکن اسکی ساری قوت اصلاحات کے
مخالفین پر نفرین بھیجنے مین صرف ہوا کی۔ نان کوآپریشن کی اسکیم اُسکے خیال سے ملک و قوم
کے لیے بیحد نقصان دہ تھی۔ پس اسکے موجد اور مصنف کو لعنت و ملامت کرنا اسکا فرض منصبی
ہو گیا۔ مہاتما گاندھی کی تحریک سے قومی بیداری مین دن دونی اور رات چوگنی ترقی تو ہو گئی۔
اُسی تحریک کا نتیجہ ہے کہ اب سوراج کے منور اور مقدس چہرے کا تصور ہندوستان کے بچہ بچہ
کے دلمین موجود ہے۔ اہل ہند سوراج کی شاہراہ پر منزلون آگے بڑھ گئے، مگر لبرل پارٹی
اپنی جگہ سے نہ ہلی۔ وہ اب بھی اصلاحات کی دُھن مین مست ہے۔ لبرل پارٹیون کی نگاہ اب
بھی برطانوی پارلیمنٹ کی غربا پروری کیطرف لگی ہوئی ہے۔ وہ اُس روحانی انقلاب سے
فائدہ اُٹھاتے جو گذشتہ چند سال کے عرصہ مین پیدا ہو گیا ہے۔ قدم پھونک پھونک کر رکھنے

کے وہ اسقدر عادی ہوگئے ہین کہ رہنمائی برطرف اب وہ قافلہ کیساتھ بھی نہین مل سکتے۔ آہستہ روی نے انکو قوم سے پیچھے کر دیا۔ اب اپنے کارنامون کا ذکر انکی زبان پر کم آتا ہے۔ سوراج پارٹی کی بے اصولی پر بحث کرنا اور مہاتما گاندھی کے پروگرام کو ناقابل عمل ثابت کر دکھانا ہی لبرل پارٹی کی تفریح طبع کا ذریعہ رہگیا ہے

مہاتما گاندھی کی رہائی کے بعد سے اہل وطن ملکی پروگرام پر مہاتماجی کے پیغام کے لیئے بیچین تھے۔ لبرل پارٹی اپنے دستور کے موافق آنیوالے پیغام پر نکتہ چینی کے لیے طیار ہو رہی تھی غیر تبدیل شدہ نان کوآپریٹر خوش تھے کہ سوراج پارٹی کے ڈھول کا پول کھلنے والا ہے۔ سوراج پارٹی اس کشمکش مین تھی کہ اگر مہاتما گاندھی کی رائے انکے خلاف ہوئی تو قوم کو کیا منھ دکھائینگے غرض ہر ایک پارٹی اپنے اپنے اعتقاد کے لحاظ سے اپنے خیال مین مست تھی۔ مہاتما گاندھی نے جسمانی کلفت سے نجات پاکر جدید واقعات کو نظر غور سے دیکھنا شروع کیا۔ انکو آسانی سے یقین نہ آتا ہوگا کہ انکی عدم موجودگی مین داس اور نہرو جیل کے پھاٹک سے منھ موڑکر کونسل کے عظیم الشان چیمبر مین داخل ہوگئے۔ ہندو اور مسلمان آپسمین خانہ جنگیون پر آمادہ ہین، اہل وطن خود غرضی اور بدطینتی کا شکار ہو رہے ہین۔ قومی تحریکون سے عدم تشدد کا نور کسطرح اڑگیا۔ اب چرخہ اپنی چرخ چون کی سُریلی آواز سے محبان وطن کے دلون کو مست نہین کرتا۔ اب کھدر کا وہ وقار قائم نہین رہا جو انکے جیل جانے سے پہلے تھا۔ ضعیف الاعتقادی دلون مین گھر کرگئی ہے۔ یہ واقعات تھے جنپر ٹھنڈے دل سے مہاتماجی کو غور کرنا پڑا۔ آخر نوبت یہانتک پہونچی کہ وہ لوگ جو نان کوآپریشن کی کامیابی کیوقت مہاتماجی کے معین و مددگار تھے اور اونکی اونگلی کے اشارون پر چلتے تھے خود مہاتماجی کو سبق دینے کے لیے طیار ہوگئے اور کونسلون کے سب سے بڑے مخالف کے سامنے کونسلون کے اوصاف بیان کرنے لگے۔ سوراج پارٹی کے سرغنہ لیڈرون نے مہاتماجی کو اپنی جگہ سے ہٹنے کے لیے مجبور کرنے کی حتی الامکان کوشش کی۔ مگر مہاتماجی اپنی راسخ الاعتقادی کے اس امتحان مین اُسی طرح کامیاب ہوئے جسطرح کہ اپنی زندگی مین اکثر مرتبہ انکو اتفاق پڑچکا تھا۔ کانفرنس کے بعد بھی اُنھون نے اپنا اعتقاد انھیں اصولون پر قائم رکھا جنکی بنا پر اُنھون نے انوکھی جدوجہد شروع کی تھی۔ اُنھون نے صاف

الفاظ مین اعلان کردیا کہ انمین اور سوراج پارٹی مین محض طریق عمل کا نہین بلکہ اصولی اختلاف ہے۔ انکے خیال سے کونسلون مین داخل ہوکر اہل حکومت کی مخالفت کو نان کوآپریشن کے نام سے موسوم نہین کر سکتے۔ مگر اسکے ساتھ مہاتما گاندھی سوراج پارٹی کو اپنے اعتقاد کے مطابق کام کرنیکا موقعہ دینے مین رکاوٹ نہین پیدا کرنا چاہتے، وہ بظاہر ان سے وہی کام لینا چاہتے ہین جو ابتک لبرل پارٹی کا حق و حصہ رہا ہے۔ یعنی کونسلون کے ذریعہ ملک کے لیے مفید اصلاحات کا حاصل کرنا مثلاً سودیشی کی ترقی اور محکمہ افواج کے اخراجات مین تخفیف۔ اگر معاملہ یہین پر ختم ہوجاتا تو غالباً سوراج پارٹی حرف شکایت بھی زبان پر لاتی مگر مہاتما گاندھی زبانی مکالمون تک قومی خدمت کو محدود نہین کرنا چاہتے۔ کانگریس سے وہ قومی آزادی کا کام لینا چاہتے ہین۔ لہذا اگر اسمین ایسی دو مختلف الاصول جماعتین شامل ہون جو اپنے آپ کو ایک دوسرے سے بہتر ثابت کرنیمین اپنی ساری قوت صرف کرین اور ایک دوسرے کا قلع قمع کرنے پر طیار ہون تو قومی کام آسانی نہین چل سکتا۔ چنانچہ مہاتما گاندھی نے رائے ظاہر کی کہ جو لوگ کونسل بائیکاٹ و نیز چرخہ اور کھدر کے متعلق کانگریس کی پاس کردہ تجاویز پر پورے طور پر عمل پیرا نہین ہین، انکو کانگریس کی کارکن کمیٹیون سے مستعفی ہوجانا چاہیے۔ یہ بات سوراج پارٹی کو کب بھلی معلوم ہوسکتی تھی۔ انکو اپنی قوت کا اس حد تک احساس ہے کہ وہ پولیٹکل میدان مین مہاتما گاندھی کو بھی شکست دینے کا دعویٰ کرتے ہین۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے گذشتہ اجلاس مین دونون پارٹیون مین کسی حد تک زور آزمائی ہوئی، فتح و شکست کے متعلق قطعی رائے دینا تو مشکل ہے لیکن اس اجلاس کی کارروائیون نے مہاتما گاندھی کی آنکھین کھولنے مین کوئی کسر باقی نہین رکھی وہ انکی عظیم جدوجہد کا عزیز ترین جز عدم اشتدراد تھا۔ مگر گوپی ناتھ ساہا کے فعل پر اظہار ملامت کی تجویز کے خلاف قریب قریب نصف ممبران کانگریس کمیٹی کے ہاتھ اُٹھانے پر مہاتما گاندھی کا دل کس حد تک دُکھا ہوگا۔ اس کا کسیقدر اندازہ اس مستقل مزاج لیڈر کے آنسوؤن سے ہوسکتا ہے۔ بہرکیف مہاتما جی کی جدوجہد نے قوم کے پولیٹکل زاویہ نظر مین کتنی ہی تبدیلی کیون نہ پیدا کردی ہو اور موجودہ طرز حکومت کے فطری نقائص اہل قوم کے دلون مین کتنا ہی گہرے طور پر نقش کیون نہ کردیے گئے ہون، اس بات سے انکار نہین ہوسکتا

کہ اپنی جد وجہد مین آپ جس کامیابی کے امیدوار تھے اسکا عشر و عشیر بھی تکمیل کی حد کو نہ پہونچ سکا،
اب دیکھنا یہ ہے کہ مہاتما گاندھی اپنی تحریک کو مقبول عام بنانے اور اسکو عملی جامہ پہنانیکی
اب کون سی صورت اختیار کرتے ہین - یہ تو اُنھون نے ظاہر ہی کر دیا ہے کہ انکی رائے مین
ملک کی موجودہ ضروریات تین مدون مین تقسیم ہو سکتی ہین، اول - کھدر کا رواج - دوم - ہندو
مسلم اتحاد - سوم اچھوتون کا سدہار -

جہانتک کھدر کے رواج کا تعلق ہے موجودہ حالات مین آثار اُسکے خلاف نظر آتے
ہین - سارا ملک مہاتما جی کی طرح دنیاوی عیش وعشرت سے بیزار نہین ہو سکتا - اور نہ استقدر جلد
اس اثر کو اپنے جامہ سے دھو سکتا ہے - جو اس نے مغربی تمدن سے حاصل کر رکھا ہے - اب
مستقل طور پر وہ سادگی ہندوستانیون مین پیدا نہین ہو سکتی جسکا پیش خیمہ کھدر ہے - جن آنکھون
مین مغربی ساخت کی مشینون کا باریک سوت بس گیا ہے ان کو چرخہ کہان تک تسلی دیسکتا ہے
وہ زمانہ اب نہین آ سکتا - جب لوگ ایک ایک مہینہ اس انتظار مین گنتے تھے کہ ایک
سال مین سوراج ملنے والا ہے چند ماہ کھدر کی تکلیف برداشت کرنے کے بعد سوراج ملنے کا یقین
ہو جائے تو چرخہ کاتنے مین بھی کسیکو انکار نہین ہو سکتا - مگر مشکل تو یہ ہے کہ یہ یقین کیسے ہو جب
بڑے بڑے نان کوآپریٹر اس عتقاد سے منحرف ہو گئے تو اورون کے متعلق کیا کہا جا سکتا ہے،

ہندو مسلم اتحاد بھی محض ظاہری تدابیر سے تکمیل کو پہونچتا نظر نہین آتا - ہر دو اقوام کے
نقطۂ خیال مین استقدر اختلاف ہے کہ قومی ترقی کی شاہراہ مین دونون قومین ہم آہنگ و ہمقدم
ہو کر مل نہین ہو سکتین - ہندوؤن کا ہندوستان کے علاوہ نہ کوئی مسکن ہے اور نہ جائے پناہ
ہندوستان کی خاک سے پیدا ہو گئے اور اسی خاک مین انکو ملنا ہے - ہندوستان ہی انکے
مادری محبت کے جوش کو تازہ کرتا ہے - انکے حب وطن کی روشنی کی کرینن ہمالیہ کی چوٹیون
سے ٹکرا کر پھر اسی سرزمین مین واپس آتی ہین اور گنگا جمنا کی لہرون مین ایک لطف تازہ پیدا
کرتی ہین - وہ سمندر جو ہندوستان کو غیر ممالک سے جدا کرتا ہے انکی حدنگاہ ہے - مگر اسلام
ہندوستان سے اپنا رشتہ حقیقی نہین سمجھتا - اس ملک کی خاک اسکے جوش محبت کو قانع نہین کرتی
ٹرکی اور قسطنطنیہ سے مسلمانون نے اپنے آپ کو استقدر وابستہ کر لیا ہے کہ ہندوستانی مسائل

اونکے قلب مین اسقدر حرکت پیدا نہین کرتے جسقدر کہ ہندوون کے دلون مین۔ انکی محبت ہندوستان اور ترکستان کے درمیان تقسیم ہوجاتی ہے انکا دل دونون کے سود وبہبود کا غلبگا ہے۔ وہ اس کشمکش مین پریشان ہین کہ آخر کسطرف رجوع ہون۔ دنیاوی مفاد انکو سوراج کی طرف راغب کرتا ہے۔ مذہبی جوش انکو "خلافت" کیطرف کھینچتا ہے۔ انکا سوراج امین ہے کہ جملہ امور ملکی مین انکو ہندوؤن پر ترجیح ہو۔ مہاتماجی لاکھ چاہین کہ دونون قومون کی متحدہ کوششون سے موجودہ طرز حکومت سے رہائی حاصل ہو مگر انکی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنتی رہے گی۔ سوراج کی جدوجہد مین شریک ہونے کے لیے ہندوؤن سے اپنے مرجح حقوق کا عہد وپیمان کرائین گے۔

اچھوتون کے سُدہار مین البتہ رکاوٹین رفتہ رفتہ کم ہوتی جاتی ہین۔ سوائے کٹر اور قدامت پسند فرقہ کے اور کسی جانب سے اس مسئلہ مین مخالفت نہین معلوم ہوتی۔ لیکن اس مسئلہ مین پوری کامیابی کے لیے ایک مدت درکار ہے۔ جب تک جہالت کی تاریکی تعلیم کی روشنی مین مبدل نہوجاویگی۔ قدامت پسند فرقہ اپنی پُرانی چال پر قائم رہے گا۔

بہرحال مہاتما گاندھی کے لیے اب راستہ ہموار نہین ہی۔ نہ صرف اسلیے کہ ملکی مسائل کے جو صیغہ جات اُنھون نے اپنے ہاتھ مین لے رکھے ہین وہ مشکلات اور پیچیدگیون سے پُر ہین۔ بلکہ اسلیے بھی کہ اہل ملک کو جو بھروسہ آج سے دو سال پہلے مہاتماجی کی ذات پر تھا اسمین کمی واقع ہوگئی ہے۔ باوجود اس امر کے کہ مہاتماجی نے صاف الفاظ مین سوراج پارٹی کے پروگرام سے اختلاف ظاہر کیا ہے اور باوجود اسکے کہ مہاتماجی کو وہ لوگ ایک قابل احترام لیڈر تسلیم کرتے ہین مہاتماجی کو ہر ہر قدم پر سوراج پارٹی کا مخالفت کرنا اور مہاتماجی کے طریقۂ جدوجہد کو بے سود ثابت کرنے کی کوشش کرنا کوئی ایسا ذلیل اور کم وقعت واقعہ نہین ہے جسکا نوٹس مہاتماجی اپنے لشکر کی ترتیب دیتے وقت نہ لین۔ خلافت کی آگ اب بجھ رہی ہے چنانچہ اہل اسلام کو اپنے قومی پروگرام مین اب (ہندوؤن کی عموماً اور مہاتماجی کی خصوصاً) امداد کی ضرورت باقی نہین رہی۔ چنانچہ اب اس امر مین بھی شک کی گنجایش ہے کہ مہاتماجی کا وہ اثر اہل اسلام پر بھی قائم رہ سکے گا یا نہین۔

جو دو سال پیشتر تھا۔ البتہ اگر اہل اسلام کے مطالبہ کے مطابق مہاتما گاندھی انکو ہندوؤن کے مقابلہ مین مرجح پولیٹکل حقوق دلوانیکا وعدہ کرین تو شاید یہ مسئلہ حل ہو جائے مگر زمانہ کی موجودہ حالت دیکھتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ مہاتما گاندھی اس راستہ کو پسند کرینگے، یا انکو اسمین کامیابی نصیب ہو سکتی ہے۔ اہل ہنود نے اس امر کو بخوبی محسوس کر لیا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد اس طریقہ پر نہین ہو سکتا کہ ہندوؤن کے حقوق مین کمی کرکے اسلام کے حقوق مین روز افزون اضافہ کیا جائے بلکہ اصل طریقہ یہ ہے کہ اہل ہنود اپنی جگہ پر اسقدر متحدہ اور مضبوط جماعت بنجائین کہ اسلام کو اپنے مرجح حقوق کی طرف ہندوؤن کی توجہ دلانے کی ہمت نہ پڑے۔ اتفاق اور اتحاد مساوات کے اصول پر ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ہندو سنگھٹن کا قائم ہونا گو چند روز کے لیے اہل اسلام کی نگاہون مین کھٹکیگا لیکن بالآخر ملک کے لیے ایک فال نیک ثابت ہونیوالا ہے۔ بہرحال ایک کثیر التعداد جماعت ہندوؤن کی اِس دُھن مین مست ہے اور مہاتما جی کا اس قسم کی قومی اسپرٹ سے ٹکر کھانا غالبًا بیکار ثابت ہوگا۔ آریہ سماج کو بھی مہاتما گاندھی نے ایک حد تک ناراض کر دیا ہے،

اس پارٹی کو بھی ملکی جدوجہد کی کسی اسکیم مین نظر انداز نہین کیا جا سکتا ہے، یہ ملک کی اُن چند جماعتون مین سے ایک ہے جنھون نے اپنے اپنے زمانہ مین سوتی ہوئی قوم کو جگایا اور اپنے اپنے وقت کی سوشل خامیون کو دور کیا۔ مذہبی اصولون سے قطع نظر تمدنی حالات کے لحاظ سے اس قسم کی اصلاحی جماعتون کی زندگی ایک محدود زمانہ کی ہوا کرتی ہے۔ مگر آریہ سماج کی نسبت یہ خیال کرنا کہ اسکی زندگی کا پیمانہ لبریز ہے شاید ابھی قبل از وقت ہو۔ جبتک ہندوستان مین چھوت اور اچھوت کی تمیز و تفریق قائم ہے۔ اسوقت تک آریہ سماج کے سوشل پہلو کی موجودگی ملک کیلئے لازمی اور ضروری ہے۔ مہاتما جی اسکو اصلاح پر لا سکتے ہین لیکن اسکو معدوم نہین کر سکتے۔ مگر باوجود اس ناراضگی کے آریہ سماج مہاتما جی کے راستہ مین رکاوٹ پیدا کرنے کا اہتمام بھی نہین لگا سکتے۔ کچھ اختلاف رائے

ضرور ہے لیکن دونوں کی وسیع الخیالی اور بلند نظری سے یہ امید کیجا سکتی ہے کہ قومی کام مین ذاتی اختلاف کو ہرگز جگہ نہ ملے گی۔

مہاتما گاندھی کا شمار دنیا کے سب سے بڑے لیڈرون مین ہو چکا ہے۔ آپ کی گذشتہ حالات سے مغربی قومین بھی سبق لیتی ہین۔ پیچیدہ سے پیچیدہ اور نازک سے نازک موقعوں پر مہاتما گاندھی نے کبھی پست ہمتی کا اظہار نہین کیا کیونکہ انکو اہل ملک پر بھروسہ ہے اور اپنی ذات پر اعتقاد کامل ہے۔ قدرت نے بھی انکو روحانی قوت عطا کی ہے۔ وہ بے انتہا مصائب جھیلنے کی طاقت رکھتے ہین۔ سچائی اور نیک نیتی انکے افعال کی بنیاد ہے۔ اسیوجہ سے اہل وطن کے دلون پر مہاتما جی کی روحانی حکومت کا سکہ بیٹھا ہوا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ حالات مین مہاتما گاندھی متذکرہ بالا مشکلات پر کیسے عبور کرتے ہین، اور اب انکی علی اسکیم کیا ہوتی ہے۔

انند پرشاد نگم

## موسم بہار

فرش زمین کو عرش کیا سبزہ زار نے — گل ہنس پڑے اُدھر کی خبر دی بہار نے
برسائی مے بہار مین ابر بہار نے — مجھکو پلائی رحمت پروردگار نے
جس ناتوان کو چھوڑ دیا چشم یار نے — پیسا ہے اُسکو گردش لیل و نہار نے
کی بر زبان کتاب جہان سبزہ زار نے — اُلٹا ورق زمین کا فصل بہار نے
بیہوش بوئے گل سے عنادل نہین ہوئے — بیخود کیا ہے پھول پلا کر بہار نے
وہ خاک راہ ہوں کہ ہو آنکھون مین گھر مرا — مجھکو دیا عروج مرے انکسار نے

قسمت چمک اُٹھی مرے اشعار پر وسیم
ڈالی نظر جو ساحر کیوان سوار نے

# مذہبی جوش
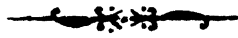
ابتدائے افرینش سے لیکر اسوقت تک دنیا مختلف ارتقائی مدارج طے کرتی جاتی ہے اورعام خیال یہ ہے کہ اب دنیا ترقی یافتہ حالت مین ہے اور روز بروز مزید ترقی کرتی رہی ہے تعلیمی روشنی کی شعاعین ایک امیر سے لیکر غریب کی جھونپڑی تک پہونچ گئی ہین. انسانی زندگی نے بہترین تمدن حاصل کرتی جاتی ہے - آزادی اور مساوات کا دور دورا ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ مذہبی نقطۂ خیال سے دنیا سے انسانیت فنا ہورہی ہے - ست جگ ہوگیا اب کلجگ ہے - نبی کریم کا زمانہ اور تھا اب کچھ اور ہوگیا. جب کوئی اچھا اور صداقت کا کام ایک نیک نفس شخص کرجاتا ہے تو کہاجاتا ہے کہ یہہ توست یوگی آدمی ہے - مسلمان بھی زمانۂ نبی کریم صلعم اور خلفائے کرام کے عہد کی تعریف کرتے ہین اور اوسکو خیرالقرون کہتے ہین - عیسائیون کے متعلق بھی یہی کہاجاسکتا ہے کہ جو رحم دلی تحمل نیک نفسی عہد عیسیٰ مین تھی - اب ان کے پیرؤن سے مفقود ہوتی جاتی ہے - بودھ اور پارسی اور دیگر مذاہب کے اصول کے اعتبار سے موجودہ مقلدین مذاہب کو دیکھکر یہی حکم لگایا جاسکتا ہے کہ عہد ماضی زمانۂ حال سے اچھا تھا

ان دوقسم کے متضاد کے خیالات نے دنیا اور اہل دنیا کو عجیب کشمکش مین مبتلا کردیا ہے - ہمارا خیال ہے کہ یہ دونو باتین بجائے خود درست ہین - ہم ایک مذہبی شخص کو دیکھتے ہین کہ وہ اپنے اصول کو بالائے طاق رکھکر مختلف قسم کے خود غرضیون اور بدکاریون مین مبتلا ہے - کہنے کے لیے وہ ہند ودہرم یا اسلام یا عیسائیت کا نام لیوا ہے - اور ایک ایسا شخص جو مذہب کی کوئی بادرحاجت وقعت اپنے دل مین نہین رکھتا لیکن اس کا قول وعمل مذہبی نظر سے قابل ستائش ہوتا ہے اسی وجہ سے اس خیال کو تقویت پہونچ رہی ہے کہ مذہب ہی خونریزی اور تمام برائی کا باعث ہوگیا ہے - نیکی اور بدی مذہبی احکام کے احاطہ مین محدود نہین. جس طرح ایک پابند

مذہب شخص نیک اعمال کرسکتا ہے (مثلاً: احسان - ہمدردی۔ وہ تمام اخلاقی خوبیان جو دائرہ مذہب مین ہین)
اسی طرح ایسا آدمی بھی کرسکتا ہے۔ جو کسی مذہب کا اپنے کو پابند نہین خیال کرتا جس طرح ایک مسلمان
اسکا دعویٰ کرتا ہے کہ دنیا کے مسلمان سب بھائی۔ بھائی ہین۔ اور باقی کافر۔ اور ایک ہندو دہرم کا مقلد
سوا ہندو کے سب کو ناستک کہتا ہے۔ اسی طرح اس زمانہ کا ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور روشن خیال جو
بہ ظاہر مذہب سے بیگانہ نظر آتا ہے سب اولاد آدم کو بھائی۔ بھائی مانتا ہے اور انکی بہتری کا خواہان ہو

اس حقیقت سے بھی انکار نہین کیا جاسکتا کہ مذہبی جماعت مین بھی ایسے روشن خیال بزرگ
گذرے ہین جنھون نے قانون قدرت کے عام اُصول انصاف وعام اُصول اخلاق کی تعلیم دی ہے۔
اور اپنے ارشادات مین مذہب کی یہ تعبیر کی ہے کہ بنی نوع انسان سے ہمدردی کرنا مذہبی تعلیم کا اعلیٰ
مقصد ہے۔

بنی آدم اعضاے یکدیگر اند — کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوی بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نہ ماند قرار

اسی طرح ہندو مذہب کے برگزیدہ گرنتھ یعنی مقدس گیتا مین تحریر ہے کہ (ترجمہ) عالم باعمل برہمن
گائے۔ ہاتھی۔ کتا۔ اینچ (اچھوت) "विद्या विनय संपन्ने ब्राह्मणे गवि हस्तिनि
शुनि चैव श्वपाके च पंडिताः समदर्शिनः" سے پنڈت مساوات برتتا ہے۔
بیسیون جگہ اس مقدس کتاب مین یہی تعلیم ہے۔ جسقدر ہندو سناتن ویدک دہرم گرنتھون کو دیکھا
جائیگا ان سب کا یہی منشا اور اصول ملیگا کہ प्राणी मात्र समान ہر ذی روح کی روح یکسان ہو

اللہ اللہ کیا شان ہے۔ کہان صرف بنی نوع انسان کی محدود ہمدردی اور کہان ہر ذی روح
کو اپنے آتما کے برابر تصور کرنے کی تعلیم۔ صوفیائے کرام کا بھی یہی اصول رہا ہے۔ حضرت جامی فرماتے ہین کہ

"بخدا جز بخدا در دو جہان چیزے نیست" — "کہ بجز وہم وگمان در دو جہان چیزے نیست"
"بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی" — "کہ درین راہ فلان ابن فلان چیزے نیست"

باینہمہ آجکل انھین مقدس مذہب کے نام پر ایک بدامنی پھیلی ہوئی ہے۔ یہ مذہبی دیوانے
اس خیال مین ہین کہ ہماری تعداد مین اضافہ ہو جائے دنیا کے بھولے بھالے انسان نادار ومفلس انسان

غریب ولاچار انسان چاہے وہ کیسے ہی بداعمال رہین۔ مگر شمار ہماری جماعت مین ہو۔ کاش ان سے کوئی پوچھتا کہ بھائی سچ معنون مین دہرا تما ہندو ۲۵ کروڑ مین اور سچے مسلمان ۷ کروڑ مین کتنے ہین۔ آپ دوسرون کو آدمی بنانا چاہتے ہین۔ لیکن پہلے خود تو کچھ بن جائیے۔ اسوقت لاکھون کروڑون ہندو مسلمان دروغ گو۔ شرابی۔ دغاباز۔ غاصب۔ ڈاکو۔ بلنگے۔ کوئی اپنے اقتدار کا مست ہے تو کوئی دولت کا متوالا کوئی جوانی کا مدھوش ہے تو کوئی عارضی حُسن و خوبی کا دیوانہ۔ کسیکو اپنے علم و دانش پر ناز ہے۔ تو کسی کو اپنے حکمرانی کا گھمنڈ ہے۔ ایسے شاذ و نادر نظر آئینگے جو مذہبی اصول کو اپنی زندگی کا نمونہ سمجھتے ہین، پہلے آپ ان کو مذہبی تعلیم دیجئے۔ پھر دوسرون کی تلقین کے لیے آگے بڑھیے۔ قند کا نام سُننے سے منہ میٹھا نہین ہوتا۔ زبانی دعوے بیکار ہین۔ عمل چاہیے۔ نہ صرف ہندو رہنے سے کوئی سورگ مین جائیگا۔ اور نہ صرف مسلمان کہلانے سے جنت مل سکتی پس ہندوؤن کو سچے ہندو اور مسلمان کو صادق مسلمان بننے کی بہت ضرورت ہے۔ پہلے ہندو اور مسلمان سچے ہندو اور صادق مسلمان بن لین۔ اس کے بعد پھر غور کرین کہ آیا اب کس کی نجات مین شک ہے۔ تب چاہے تبلیغ اور شدھی کا علم بلند کرین۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ اختلافات صوری کوئی معنوی وقعت نہین رکھتے۔

مولانا روم نے حضرت موسیٰ اور چروا ہے کی حکایت مین جس محل پر یہ **شعر** فرمایا ہے کہ

تو برائے وصل کردن آمدی — نے برائے فصل کردن آمدی

اسکو سمجھو دیکھو اسکی تہ مین کتنی سیدھی سادھی سچی تعلیم ہے۔

غور فرمایئے کہ اگر مسلمانون کا خدا یا ہندوؤن اور عیسائیون کا خدا جُدا جُدا ہے تو رب العالمین کون ہے۔ ولشیو شور کون ہے۔ خدا کے لیے خدا کو کسی جماعت کا و قوم کا مخصوص خدا نہ بناؤ بلکہ اسکو پروردگار عالم بننے دو خدا تو خدا ہی ہے۔ آفتاب۔ چاند۔ تارے۔ زمین۔ آسمان۔ آب و ہوا سب ہمارے لیے مشترک ہین۔ اس مین ہمارا سب کا حصہ مساوی ہے۔ یہ برابر ہم سب کو استفادہ پہونچاتے رہتے ہین۔ ہم نے کبھی اسکے لیے اختلاف نہین کیا۔ نہ کبھی سُنا کہ فلان آفتاب ہندوؤن کا اور چاند مسلمانون کا اور ستارے عیسائیونکے ہین یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا اپنے بندون کی ایک جماعت کو چھوڑ دے اور دوسری جماعت کو اپنا بنالے غیر ممکن ہے کہ سچائی سے جو عمل کیا جائے۔ جس عمل سے خدا کی پرستش سچے دل سے مقصود ہو۔ وہ مقبول بارگاہ الٰہی نہ ہو۔

باہمی برخاش کی صرف یہ وجہ ہے کہ ہر مذہب مدعی ہے کہ مین راہ حق پر ہون - مگر ایک وسیع النظر کیلیے یہ یہ باتین طفلانہ حرکات سے زیادہ وقیع نہین ہر مذہب خدا کا ہے اور اسی کی طرف لیجاتا ہے -

ہم نے جس بدامنی کا اشارہ کیا ہے وہ شدھی اور تبلیغ سے متعلق ہے ہم اس واعظ سے خوش ہین جو صداقت اور راست بازی کی تعلیم دے چاہے وہ مسلمان ہو یا ہندو مبارک ہین وہ مسلمان واعظ صاحب جو اپنے پاکیزہ پند و وعظ سے ہندؤن سے شراب نوشی بند کرا دین گو کلمہ طیبہ نہ کہلوا سکین قابل تعظیم ہین وہ پنڈت جی جو اپنے اپدیش سے مسلمانون کو رحم دلی اور صداقت پسندی کی تعلیم دیدین - گو شدہ کرکے جنیو نہ پہنا سکین - متبرک ہین وہ پادری صاحب جو دنیا کے لوگون کو اخلاق مسیح پر کاربند کرا دین چاہے وہ عیسائی نہ بنا سکین - غرضکہ ہر مذہب کے مبلغون کو اپنے مذہب کی اعلیٰ تعلیم دینے کا پورا پورا حق ہے جو دنیا مین سکون اور انسانی جماعتون مین مسرت و شادمانی کا دور دورا پیدا کرسکے - کیا فائدہ اگر چند لاکھ عیسائی یا ہندو یا مسلمان ادہر سے اُدھر جا کر شامل ہو گئے - اور اپدیشک یا مبلغ صاحب خود اپنے مذہب کے پیرؤن کی عادات ذمیمہ کو نہ سدہار سکے - دوستو - ! دنیا سے بدی کو نابود کرو نیکی کی اشاعت کرو - یہی خدا کی قربت اور سچی راحت کی کلید ہے - عمل صالح ہی سے انسان خدا کی رحمتون کا مستحق ٹھہرتا ہے - اس دنیاے دون کے عارضی اقتدار و عیش و راحت کے لیے خدارا اپنے دہرم اور ایمان کو قربان نہ کرو - یاد رکھو کہ حق اللہ کے ساتھ ساتھ حق العباد بڑی چیز ہے - خداوند عالم منتقم ہے - دل کی چھپی ہوئی باتوں سے واقف ہے - بھائیو اصلاح پہلے گھر سے ہوتی ہے - اولاً آپ اپنی گھر کی خبر لیجیے - کتنے مسلمان ایسے ہین جنکو اخلاق محمدی کا نمونہ کہا جا سکتا ہے - کتنے ہندو ایسے ہین جن کو آریہ سنتان کہہ سکتے ہین جو شری رام اور سری کرشن کے سچے پیرو کہے جا سکتے ہین - کتنے عیسائی ایسے ہین جن کو حضرت مسیح کا حقیقی جانشین کہہ سکتے ہین صرف براے نام مسلمان ہندو اور عیسائی ہونے سے دنیا کی بدامنی مین کمی نہ ہوگی نہ عاقبت درست ہوگی اور نہ خدا یا ایشور یا آسمانی باپ دہوکے مین آسکیگا نہ مذہب یا دہرم کی غایت پوری ہوسکے گی - خداوند عالم کو زبان اور صورت سے نہین اوسکو دل اور سیرت سے تعلق ہے - تم اپنے کھوٹے سکون کو صداقت کی آگ مین تپاؤ اوسکو بدی کی آلایش سے پاک کرو اور خدا کی راہ مین چلنے کے قابل بنا دو - پھر جس مذہب کی کسوٹی پر پرکھوگے کھرا پاؤگے - یہ دہوم دہام یا غل و شور ایک عالم کو پریشان و مشوش کرسکتا ہے

اور صرف چند اشخاص کو عارضی طور پر خوش کر سکتا ہے۔ لیکن خداوند عالم اسی سے کبھی خوش نہو گا۔ دل آزاری کسی مذہب مین روا نہین۔ یہ ذرا دیر کے لیے تنہائی مین سوچو اور اپنے ضمیر سے اسکا جواب حاصل کرو۔ یہ قرین دانشمندی نہین ہے کہ علت کے پیچھے اس درجہ پڑو کہ معلول و مقصود بھی معدوم ہو جائے اندھا دُھند تبلیغ اور بیجا پرچار سے بجز بدنفسی اور فساد کے اور کچھ حاصل نہین ہو سکتا۔ بے تنک صداقت کی تبلیغ کرو دست کا پرچار کرو۔ لیکن سب سے پہلے اس راہ مین قدم اوس وقت رکھو جب تم مین نفس پرستی نہ ہو۔ اور تم خود مجسم صداقت و تصویر سداچار ہو۔ تم مین نخوت۔ انانیت۔ تعصب۔ سوارتھ بدھی کی بو نہ آتی ہو۔ خاکساری تمہارا مسلک ہو۔ خودنمائی و خودستائی و خودغرضی سے تمہاری ذات مبرا و منزہ ہو۔ پریم۔ اخلاق۔ خداپرستی اور ایشور بھگتی کا ایسا رنگ چڑھا ہو کہ ہر کس و ناکس تمہارا گرویدہ ہو جائے۔

اے خدائے رب العالمین ہم کو توفیق خیر دے۔ اور اپنے رحم و کرم سے گمراہی سے محفوظ رکھ اور اپنے بے پایان بندہ نوازی سے رحمتین نازل فرما تا کہ ہم اطمینان و شانتی کے ساتھ پاکیزہ زندگی بسر کرسکین

چودھری دگمبر داس وکیل

---

# ترانہ اقبال

(ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ایم اے)

نہ سلیقہ مجھ مین کلیم کا نہ قرینہ تجھ مین خلیل کا — مین ہلاک جادوی سامری تو قتیل شیوہ آزری

مین نوای سوختہ در گلو تو پریدہ رنگ رمیدہ بو — مین حکایت غم آرزو تو حدیث ماتم دلبری

مرا عیش غم، مرا شہد سم، مری بود ہمنفس عدم — ترا دل حرم گرو عجم ترا دین خریدہ کافری

تری راکھ مین ہی اگر شرر، تو خیال فقر و غنا نکر — کہ جہان مین نان شعیر پر ہی مدار قوت حیدری!

کوئی ایسی طرز طواف تو مجھے اے چراغ حرم بتا — کہ ترے پتنگ کو پھر عطا ہو وہی سرشت سمندری

گلۂ جفا و وفانما کہ حرم کو اہل حرم سے ہے — کسی تبکدے مین بیان کرون تو کہے صنم بھی ہری ہری

کرم اے شہ عرب و عجم کہ کھڑے ہین منتظر کرم — وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہی جنھین دماغ سکندری

(معارف)

---

پنڈت برج نرائن صاحب چکبست لکھنوی کا مجموعہ کلام 'صبح وطن' مطبوعہ سنہ ۱۹۱۸ء میرے پیش نظر ہے اور مین اسکی شاعرانہ حلاوت و لطافت سے لطف اندوز ہو رہا ہون، اس مجموعہ مین بیان و معنے کا وہ دریا موجزن ہے جسکے پُرکیف مناظر سے چشم نظارہ کبھی سیر نہین ہو سکتی۔

چکبست صاحب کے کلام مین شاعری کے تمام جواہر اسطرح جگمگا رہے ہین جسطرح اماوس کی رات مین تارے۔ شاعری کا سب سے بڑا جوہر تاثیر ہے اور تاثیر آپ کے کلام کا جزو لاینفک ہے، آپ کا کلام آپ کی کیفیات قلبی کا مرقعہ ہوتا ہے جسکو سنکر اہل دل سر دھننے لگتے ہین۔

آپ کے کلام کی تاثیر کا خاص راز یہ ہے کہ آپ ہندوستانی فضا مین سیر کرتے ہین اور ہر منظر کو ہندوستانی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہین - آپ نے کوہ ہمالیہ، دریائے گنگ، کوئل، پپیہا، بھیم، ارجن، اکبر، رانا، گوتم، چتوڑ، کشمیر سے سروکار رکھا ہے - پس جہان کہین اور جس مقصد سے ان کا ذکر آتا ہے اُسکا اثر فوری ہوتا ہے۔

"تارون کی چھانون منہ اندھیرے" جبوقت نسیم سحری گنگا جمنا اور سرسوتی کی لہرون سے اٹکھیلیان کرتی ہوئی چلتی ہے اور دوشیزہ صبح مسکراتی ہوئی سرور آگین انداز سے گھونگھٹ الٹتی ہے اور شاما قلعے کی پشتے کے ایک پتھر پر بیٹھکر بیخودانہ انداز سے چہچہا کر میٹھی اور مست کر دینے والی نغمہ سحری چھیڑتی ہے، اور ہماری کشتی سطح دریا پر تیرتی ہوتی ہے - اُسوقت جو سرور طبیعت کو حاصل ہوتا ہے وہی سرور آپکے کلام کے مطالعہ سے بھی حاصل ہوتا ہے - اسی کا نام لطافت ہے۔

لطافت کلام کی صوری حیثیت پر بھی بہت کچھ منحصر ہے - یعنی اسکا راز انتخاب الفاظ و بندش الفاظ مین پوشیدہ ہے۔ اُردو مین لطافت پیدا کرنا زیادہ تر خالص اُردو محاورات کے طرز استعمال سے وابستہ ہے - خالص ہندی الفاظ کا استعمال بھی لطافت پیدا کرتا ہے - اگر مناسب طریقہ پر کیا جائے اور مخل فصاحت نہو - اسبات مین سرور مرحوم جہان آبادی کو یدطولیٰ حاصل تھا، چکبست صاحب بھی

کہین کہین اسکو خوب نباہا ہے۔ تیسری بات جو ایک شاعر کو کامل فن ہونے کی سند دلاتی ہے تشبیہون کا استعمال ہے، ممدوح کے کلام مین تشبیہین بھی اس درجہ جامع اور مکمل ہین کہ ذوق سلیم بے اختیار مرحبا کہہ اُٹھتا ہے۔

ان تمام خوبیون کے علاوہ چکبست صاحب نے ایک خاص رنگ سخن ایجاد کیا ہے، اور یہ ایسی خصوصیت ہے جو تنہا ایک شاعر کو نقش بندان سخن کی صف اولین مین جگہ دلانے کے لیے کافی ہے۔ غزل مین فلسفیانہ اخلاقی مضامین لکھنا آپ کا حصہ ہے۔ آپ کی غزلون کے سلسلہ مین اسپر مفصل بحث کیجائیگی۔ یہان یہ لکھنا ضروری ہے کہ چکبست صاحب کی شاعری نئے رنگ کی شاعری کا اعلےٰ نمونہ ہے، تاہم آپنے فن کو کہین ہاتھ سے نہین جانے دیا ہے اور اصول فصاحت و بلاغت سے ابا نہین کیا ہے۔

چند مثالین ملاحظہ ہون۔ "خاک ہند مین فرماتے ہین"

| | |
|---|---|
| گوتم نے آبرو دی اس معبد کہن کو | سرمد نے اس زمین پہ صدقے کیا وطن کو |
| اکبر نے جام الفت بخشا اس انجمن کو | سینچا لہو سے اپنے راناؔ نے اس چمن کو |

سب سور بیر اپنے اس خاک مین نہان ہین
ٹوٹے ہوئے کھنڈر ہین یا ان کی ہڈیان ہین

پہلے چار مصرعے خاک ہند کی عظمت و وقعت کو ذہن نشین کرتے ہین ذرا "معبد کہن" پر تو غور کیجئے کس درجہ عقیدت آفرین ہے اور جس سے ہندوستان کی دینی عظمت و وقعت اتنی ہی دیرینہ ثابت ہو رہی ہے جتنی کہ ہے۔ چوتھا مصرع بھی قابل غور ہے چمن کو لہو سے سینچنا سبحان اللہ مصرعے مین کیا گلکاری کر رہا ہے۔ پھر اس مصرعے کی تاثیر بھی دیکھئے اور ان چارون مصرعون کی روشنی مین بیت کو دیکھئے جسکے مصرعہ ثانی کی تعریف ناممکن ہے کیا بلحاظ تشبیہ اور کیا بلحاظ تاثیر۔ پھر کھنڈر کی تشبیہہ ہڈیون سے کس درجہ جامع اور رقت انگیز ہے اور ہندوستان کی خاک کو کتنا مقدس ثابت کر رہی ہے۔ نظم "وطن کا راگ" بھی خوب ہے، فرماتے ہین،

| | |
|---|---|
| زبان کو بند کیا ہے یہ غافلون کو ہے ناز | ذرا رگون مین لہو کا بھی دیکھہ لین انداز |
| رہے گا جان کے ہمراہ دل کا سوز و گداز | چتا سے آئیگی مرنیکے بعد یہ آواز |
| طلب فضول ہے کانٹے کی پھول کے بدلے | نہ لین بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے |

بلاشبہہ ممدوح کو ترکیب و بندش الفاظ سے معنی کی صورت گڑھنے مین کمال حاصل ہے ہر مصرع کس درجہ دلمین چبھتا ہوا ہے اور ٹیپ کا بند تو تعریف سے بے نیاز ہے۔ "آوازۂ قوم" مین فرماتے ہین۔

یہ خاک ہند سے پیدا ہین جوش کے آثار
ہمالیہ سے اُٹھے جیسے ابر دریا بار
لہو رگون مین دکھاتا ہے برق کی رفتار
ہوئی ہین خاک کے پردے مین ہڈیان بیدار

جوش کے پیدا ہونے کی تشبیہہ دیکھیئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جوش کی گھنگور گھٹا ئین اُترا کھنڈ سے اُمنڈتی چلی آرہی ہین۔ جوش خون کے رفتار کی تشبیہہ برق کی رفتار سے بہتر اور کیا ہو سکتی ہے۔ چوتھے مصرعہ کا لطف حیطۂ تحریر سے باہر ہے۔ خاک کے پردے مین ہڈیون کا بیدار ہونا کیا خوب ہے۔ ہڈیون کو جو تعلق خاک سے ہے ظاہر ہے اسی نظم مین آگے چلکر فرماتے ہین۔

جو دل سے قوم کے نکلی ہے وہ دعا ہے یہی
تھا جسپہ ناز مسیحا کو وہ صدا ہے یہی
دلون کو مست جو کرتی ہے وہ ہوا ہے یہی
غریب ہند کے آزار کی دوا ہے یہی

نہ چین آئے گا بے ہوم رول پائے ہوئے
فقیر قوم کے بیٹھے ہین لو لگائے ہوئے

اس بند مین باشندگان ہندوستان کے لیے ہوم رول کی اہمیت و وقعت و ضرورت ثابت کی گئی ہے۔ اسموقع پر "دعا" کو دیکھیئے "مسیحائی" کی صدا کو دیکھیئے دلون کو مسرت کرنیوالی ہوا کو دیکھیے پھر چوتھے مصرع پر غور کیجیے۔ بیت کے مصرع ثانی مین "لو لگائے ہوئے" کی داد ذوق سلیم ہی دے سکتا ہے۔

مسز بیسنٹ کی خدمت مین جو آپنے قوم کی طرف سے پیغام وفا بھیجا ہے اُسکی ابتدا یون کرتے ہین۔

قوم غافل نہین ماتا تیری غمخواری سے
زلزلہ ملک مین ہے تیری گرفتاری سے
آگ بھڑکی ہے تری آہ کی چنگاری سے
خاک حاصل نہ ہوا تیری دل آزاری سے

دل ترا قوم کے دامن مین دیئے جاتے ہین
ہڈیون کو تری زندان مین لیے جاتے ہین

پہلے مصرع مین ماتا کے لفظ کی افسون طرازی دیکھیے۔ اس لفظ سے فوراً مسز بیسنٹ کی نورانی

تصویر اپنی ماتا کی پوری آب و تاب کے ساتھ آنکھوں کے سامنے آ کھڑی ہوتی ہے اور مصرع پورا ہوتے ہوتے ماتا کی غمخواری کا دریائے جوش رگ رگ میں موجیں مارنے لگتا ہے اور پھر دوسرا مصرع اس جوش میں طوفان پیدا کرتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ بیت کے مصرع ثانی پر پہونچتے پہونچتے یہ جوش یا آہ بنکر ہوا میں شامل ہو جاتا ہے یا اشک ہوکر زمین پر بہہ چلتا ہے۔

مسز بسنٹ نے جو بیداری قوم میں پیدا کی اُس کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

ہند بیدار ہوا یوں تری بیداری سے جیسے برسوں کا مریض اُٹھتا ہے بیماری سے
قوم آزاد ہوئی تیری گرفتاری سے چاندنی پھیل گئی حسن وفاداری سے

تو نظر بند ہے جلوہ ہے ترا ہر گھر میں
شمع فانوس میں ہے نور ہے محفل بھر میں

ایسی شاعری پر اردو ادب جتنا ناز کرے بجا ہے۔ اسی نظم میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔

ہو چکی قوم کے ماتم میں بہت سینہ زنی اب ہو اس رنگ کا سنیاس یہ ہے دل میں ٹھنی
مادر ہند کی تصویر ہو سینہ پہ بنی بیڑیاں پیروں میں ہوں اور گلے میں کفنی

دوسرے مصرع میں سنیاس کے لفظ نے جو معنوی وسعت اور تاثیر پیدا کی ہے وہ کسی دوسرے لفظ سے ہو نہیں سکتی۔ فقیر قوم کی تصویر اس سے بہتر لفظوں میں نہیں کھینچی جا سکتی۔ اسی نظم میں شوق وفا کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

سنتری دیکھکے اس جوش کو شرمائینگے گیت زنجیر کی جھنکار پہ ہم گائیں گے

فریاد قوم کی شان ملاحظہ ہو۔

ہے آج اور ہی کچھ صورت بیان میری تڑپ رہی ہے دہن میں میرے زبان میری
چھید گئے قلب و جگر تیر ہے فغان میری لہو کے رنگ میں ڈوبی ہے داستان میری

مبالغہ نہیں تمہید شاعرانہ نہیں
غریب قوم کا ہے مرثیہ فسانہ نہیں

ایک بند میں ہندوستانی مظلومین کی حالت زار کی یوں مصوری کرتے ہیں۔

لٹے ہیں یوں کہ کسی کی گرہ میں دام نہیں نصیب رات کو پڑ رہنے کا مقام نہیں

یتیم بچون کے کھانے کا انتظام نہین  جو صبح خیر سے گذری اُمید شام نہین
اگر جیے بھی تو کپڑا نہین بدن کے لیے
مرے تو لاش پڑی رہ گئی کفن کے لیے

آگے چلکر ایک مقام پر فرماتے ہین۔

پڑھی نماز تو اُجڑے گھرون کے صحرا مین
اگر نہائے تو اپنی ہو گی گنگا مین ؛؛

دیکھئے توکس غضب کی بیت ہے دل ہلا دینے والی پھران دو مصرعون مین معنی کا کتنا خزانہ بھرا ہوا ہے اسکے آگے قوم کی غیرت کو اُبھارتے ہوئے فرماتے ہین۔

اگر دلون مین نہین اب بھی جوش غیرت کا  تو پڑھ دو فاتحہ قومی وقار و عزّت کا
وفا کو پھونکدو ماتم کرو محبّت کا  جنازہ لیکے چلو قوم و دین و ملّت کا
نشان مٹادو اُمنگون کا اور ارادون کا
لہو مین غرق سفینہ کرو مُرادون کا

آخری بند کا زور ملاحظہ ہو فرماتے ہین۔

مٹا جو نام تو دولت کی جستجو کیا ہے  نثار ہو نہ وطن پر تو آبرو کیا ہے
لگا دے آگ نہ دل مین تو آرزو کیا ہے  نہ جوش کھائے جو غیرت سے وہ لہو کیا ہے
فدا وطن پہ جو ہو آدمی دلیر ہے وہ
جو یہ نہین تو فقط ہڈیون کا ڈھیر ہے وہ

"قوم کے سُورماؤن کے الوداع" مین ممدوح نے اپنی سیف بیانی کے خوب خوب جوہر دکھائے ہین اُردو شاعری کے لیے ایسی نظمین ہمیشہ سرمایہ مباہات ہین۔ ابتدائی بند ملاحظہ ہو۔

ساحلِ ہند سے جرارِ وطن جاتے ہین  کچھ نئی شان سے جانبازکہن جاتے ہین
رن مین باندھے ہوئے شمشیر وکفن جاتے ہین  تیغ زن، برق فگن، قلعہ شکن جاتے ہین
سامنے اِن کے ظفر برہنہ پا چلتی ہے
ان کی تلوار کے سایہ مین قضا چلتی ہے

سبحان اللہ کیسے پرجوش و پرشوکت مصرعے ہین دلیران وطن کی صولت و شوکت کی تصویر کھینچدی ہے۔

قوم کے سورماؤن کی تعریف مین فرماتے ہین۔

ان کی رگ رگ مین ہین پیوست شجاعت کے چلن — رن کا میدان ہے ان کے لیے ان کا دامن

عرصۂ جنگ کی موت انکو ہے اک شب کی دلہن — مر کے تلوار سے حاصل ہو تو خلعت ہے کفن

جوش ان مین جو ہے اس جوش کا اب دور نہین

ساٹھ پشتون کے سپاہی ہین کوئی اور نہین

ہندوستانی سورماؤن کے لیے میدان کارزار مین جان دینا جنت ہے۔ اس موت کو "اک شب کی دلہن" کہنا چکبست صاحب ہی ایسے شاعر شیوا بیان کا کام ہے۔ آگے چلکر فرماتے ہین۔

ہان دلیران وطن دھاک بٹھا کر آنا — طنطنہ جرمن خود بین کا مٹا کر آنا

قیصری تخت کی بنیاد ہلا کر آنا — ندیان خون کی برلن مین بہا کر آنا

ناؤ تلوار کی ہے پار لگانے کے لیے

یہی گنگا ہے سپاہی کے نہانے کے لیے

اس بند کی لطافت ذوق سلیم کے ادراک پر منحصر ہے۔ معنویت کے علاوہ، بندش کی چستی، اور تناسب لفظی قابل داد ہے۔ آگے چلکر سورماؤن کو ہدایت کرتے ہین۔

یا ظفر یاب تمہین دیکھ کے دل ہو بشاش — آئے یا سوئے وطن خون مین ڈوبی ہوئی لاش

سرحد امن سے ہو یا ہو تن بسمل صد پاش — گوشۂ امن و امان کی نہو آنکھون کو تلاش

موت معراج ہے اس دشت کے راہی کیلئے

آج تلوار کی جنت ہے سپاہی کے لیے

اس بند کی بیت اردو شاعری کی معراج ہے۔ خصوصاً مصرع ثانی کی تو داد ہی نہین دیجا سکتی

ناصحانہ انداز ملاحظہ فرمائیے۔

گو کہ دنیا سے مٹے شوکت قیصر کا سراغ — شعلۂ تیغ سے مرجھائے نہ تہذیب کا باغ

گل نہو دل کے شوالے مین حمیت کا چراغ — بے گناہون کے لہو کا نہو تلوار مین داغ

راستہ ہے یہی قومون کی تباہی کے لیے — خون معصوم کا دوزخ ہے سپاہی کے لیے

سبحان اللہ کیسے زرین نصائح اس بند مین بیان کئے ہین اور کس خوبی ہو لطافت سے کہ ذوق سلیم بے اختیار نعرہ تحسین و آفرین بلند کر رہا ہے۔

"پھول مالا" کے عنوان سے جو نظم آپ نے لکھی ہے وہ اس قابل ہے کہ ہندوستان کے ہر گھر مین تعویذ بنا کر رکھی جاوے اور اسکا مطالعہ لڑکیون کے لیے فرض کر دیا جائے مغرب کی نمود و نمایش کا اثر مردون سے گذر کر عورتون پر بھی جسقدر پڑا ہے وہ قابل بیان نہین ہندوستان عام طور پر ذاتی جوہر اور سادگی کے لیے مشہور ہے اور یورپ نمائش اور بناوٹ کے لیے۔ آپ قوم کی لڑکیون کو یون تلقین فرماتے ہین

نام رکھا ہے نمائش کا ترقی و ریفارم — تم اس انداز کے دھوکے مین نہ آنا ہرگز
رنگ ہے جنمین مگر بوئے وفا کچھ بھی نہین — ایسے پھولون سے نہ گھر اپنا سجانا ہرگز
نقل یورپ کی مناسب ہے مگر یاد رہے — خاک مین غیرت قومی نہ ملانا ہرگز
جو بناتے ہین نمائش کا کھلونا تمکو — اُن کی خاطر سے یہ ذلت نہ اُٹھانا ہرگز
رُخ سے پردے کو اُٹھایا تو بہت خوب کیا — پردۂ شرم کو دل سے نہ اُٹھانا ہرگز
نقد اخلاق کا ہم ل کیطرح ہار چکے — تم ہو د غنیمت یہ دولت نہ لٹانا ہرگز
خاک مین دفن ہین مذہب کے پرانے پاکھنڈ — تم یہ سوتے ہوئے فتنے نہ اُٹھانا ہرگز
اپنے بچونکی خبر قوم کے مردون کو نہین — یہ ہین معصوم انھین بھول نہ جانا ہرگز
اِن کی تعلیم کا مکتب ہے تمہارا زانو — پاس مردون کے نہین انکا ٹھکانا ہرگز
کاغذی پھول ولایت کے دکھا کر انکو — دیس کے باغ سے نفرت نہ دلانا ہرگز
نغمۂ قوم کی لے جسمین سما ہی نہ سکے — راگ ایسا کوئی اُن کو نہ سکھانا ہرگز
گو بزرگون مین تمہارے نہو اسوقت کا رنگ — ان ضعیفون کو نہ ہنس ہنس کے رُلانا ہرگز
ہم تمہین بھول گئے اسکی سزا پاتے ہین — تم مگر اپنے تئین بھول نہ جانا ہرگز

"برق اصلاح" مین فرماتے ہین۔

مل گئے خاک مین کتنے ہی غریبون کے شباب — ان گناہون کا ہے اس قوم کی گردن پہ عذاب
جو پرانی روشون کے لیے رہتے ہین خراب — ان کی صورت سے اب آتا ہے زمانہ کو حجاب

شان اخلاق نہین جبر کی تدبیرون مین
بے گناہون کو جکڑتے نہین زنجیرون مین

"درد دل" کی شان تمہید ملاحظہ ہو۔

درد ہے دل کے لیے اور دل انسان کیلئے
تازگی برگ و ثمر کی چمنستان کے لیے
ساز آہنگ جنون تار رگ جان کے لیے
بیخودی شوق کی بے سروسامان کیلیے
کیا کہون کون ہوا سر مین بھری رہتی ہے
بے پئے آٹھ پہر بے خبری رہتی ہے

سبحان اللہ کیا پرجوش و پُرتاثیر بند ہے۔

اسی نظم مین آگے چلکر نوجوانان کشمیر کی ترقی کے سلسلے مین فرماتے ہین۔

بوئے نخوت سے نہین یان کے گلون کو سروکار
ہے بزرگون کا ادب ان کی جوانی کا سنگار
علم و ایمان کی طراوت کا دلون مین ہے گزار
دھو گئے چشمۂ اخلاق سے سینون کے غبار
زنگ دکھلاتی ہے یون دلکی صفا یارون مین
روشنی صبح کی جسطرح ہو گلزارون مین!

اس کل بند پر غور کیجیے اور بیت کو دیکھئے اسکی صفائی رنگینی و لطافت کی کماحقہ داد دینا ناممکن ہے واقعی یہ بیت وہی عالم دکھا رہی ہے جو صبح کا نور چمن زارون مین دکھاتا ہے۔

اسی نظم مین آگے چلکر فرماتے ہین۔

گو کہ باقی نہین کیفیت طوفان شباب
پھنس کے جنجال مین دنیا کے یہ قصہ ہوا خواب
مست رہتا ہے مگر اب بھی دل خانہ خراب
شام کو بیٹھ کے محفل مین لنڈھاتا ہون شراب
نشۂ علم کی اُمید پہ جینے والے
سمٹ آتے ہین سر شام سے پینے والے

واہ کس شان کا بند ہے ایک ایک مصرع صہبا پرستان سخن کے لیے ایک ایک خم دامن مین لیے ہوئے ہے 'سمٹ آتے ہین' اس ٹکڑے کی کیا تعریف ہو۔ اس سے بادہ گساران علم کے جمع ہونے کی کیسی لطیف تصویر آنکھون کے سامنے کھچ جاتی ہے۔

"گائے" کے عنوان سے جو نظم ہے وہ حلاوت و لطافت و پاکیزگی مین آپ اپنی مثال ہے پہلا بند ملاحظہ ہو

تو وہ مخلوق ہے خلقت مین نہین جسکی گناہ — لی ہے ہو لب مین ترے روح محبت نے پناہ
تیری صورت سے عیان ہوتی ہے انسان کی چاہ — رس بھری آنکھ سموئی ہوئی امرت مین نگاہ

نقش ہے دل پہ مرے موہنی صورت تیری
خوب دنیا کے شوالے مین ہے مورت تیری

دیکھئے کس درجہ لطیف بند ہے دوسرے مصرعے مین "روح محبت" کی لطافت ملاحظہ ہو۔ اور چوتھا مصرع تو واقعی امرت مین سمویا ہوا ہے۔ اس نظم مین آپنے خوب خوب بند کہے ہین ملاحظہ ہون۔

دیکھے جنگل مین کوئی شام کو تیری رفتار — بے پئے جیسے کسی کو ہو جوانی کا خمار
مست کر دیتی ہے شاید تجھے قدرت کی بہار — وہ اترتی ہوئی دھوپ اور وہ سبزہ کا نکھار

ایک ایک گام پہ شوخی سے مچلنا تیرا
کھائے جنگل کی ہوا جھوم کے چلنا تیرا

صاحب دل تجھے تصویر وفا کہتے ہین — چشمۂ فیض خدا مرد خدا کہتے ہین
درد مندون کی مسیحا شعرا کہتے ہین — مان تجھے کہتے ہین ہندو تو بجا کہتے ہین

کون ہے جسنے ترے دودھ سے منھ پھیرا ہے
آج اس قوم کی رگ رگ مین لہو تیرا ہے

صورتین یاد ہین ان بچون کی پیاری پیاری — زندگی کی جنھین ایک ایک گھڑی تھی بھاری
تیرے دم سے نہ رہی یاس کی حالت طاری — ہوگئین ان کے لیے دودھ کی نہرین جاری

کتنے گرتے ہوئے پودون کو سنبھالا تو نے
مان جنھین چھوڑ چلی تھی انھین پالا تو نے

چوتھے مصرع مین تو دودھ کی نہرین جاری کی فصاحت و لطافت تو دیکھئے۔

تیرے بچون نے کیا اپنے تئین ہم پہ نثار — اپنی گردن پہ لیا پرورش قوم کا بار
نظر آتی ہے جو ہر فصل مین کھیتی تیار — ہے یہ سب ان کے لہو اور پسینہ کی بہار

اُن کو منظور نہوتا جو مٹانا اپنا
ہند کی خاک اُگلتی نہ خزانا اپنا

لہلہاتی ہوئی تیار کھیتی کو گائے کے بچّون کے لہو اور پسینہ کی بہار کہنا چکبست صاحب ہی ایسے شاعر رنگین بیان کا کام ہے - اور بیت بھی کیا خوب ہے - سبحان اللہ - ذیل کے بند بھی کیا خوب ہین -

اہلِ دین نے تجھے جنّت کا سہارا سمجھا
اپنے ایمان کی قسمت کا ستارا سمجھا
سوربیرون نے تجھے جان سے پیارا سمجھا
تجھکو اکبر نے اسد آنکھ کا تارا سمجھا
آبرو قوم کی ہے تیری نگہبانی پر
یہی دو حرف لکھے ہین تری پیشانی پر

مثل بچّون کے ترے دودھ کے ہین متوالے
جو ضعیفی سے پڑے رہتے ہین بستر ڈالے
مست رہتے ہین ترے فیض سے کس بل والے
پیار سے کہتے ہین ماتا تجھے بچّے بالے
تیری الفت سے اِنھین مُنھ نہین موڑا جاتا
تیری صورت کا کھلونا نہین توڑا جاتا

میرے دل مین ہے محبت کا تری سرمایا
مان کے دامن سے ہے بڑھکر مجھے تیرا سایا
یاد ہے فیضِ طبیعت نے جو تجھ سے پایا
مین قسمت جو ترا نام زبان پر آیا
اِس حلاوت سے جو دعویٰ سخنگوئی ہے
دودھ سے تیرے لڑکپن مین زبان دھوئی ہے

"قومی مسدّس" ایسے پاکیزہ اور سچّے جذبات کا آئینہ ہے - جو ایک وطن پرست شاعر کے لئے مخصوص ہین -

الٰہی کون فرشتے ہین یہ گدا ئے وطن
صفائے قلب سے جن کے یہ بزم ہے روشن
جھکی ہوئی ہے بھلا ان کی لحاظ سے گردن
ہر اک زبان پہ ہین تعظیم اور ادب کے سخن
صفین کھڑی ہین جوانون کی اور پیرون کی
خدا کی شان یہ بھیر ... ... ...

کیا تور کے سانچے مین ڈھلا ہوا بند ہے۔ گدایان وطن کی کیسی مقدس اور قابل تعظیم تصویر کھینچی ہے اور بیت تو سبحان اللہ "خدا کی شان" الخ اس مصرع کی تعریف نہین ہوسکتی۔ آگے چل کر فرماتے ہین۔

جو اپنے واسطے مانگین یہ وہ فقیر نہین
طمع مین دولت دنیا کے یہ اسیر نہین
امیر دل کے ہین ظاہر کے یہ امیر نہین
وہ آدمی نہین ان کا جو دستگیر نہین
تمام دولت ذاتی لٹا کے بیٹھے ہین
تمہارے واسطے دھونی رما کے بیٹھے ہین

یون تو تمام بند نہایت خوب ہے لیکن بیت کا مصرع ثانی تو ایسا ہے کہ بایدو شاید اور جو جذبات دل مین پیدا کرتا ہے۔ ان کا لطف دل ہی خوب اٹھاتا ہے۔ زبان بیان کرسکتی

آگے چلکر فرماتے ہین۔

گناہ قوم کے دھو جائین اب وہ کام کرو
مٹے کلنگ کا ٹیکا وہ فیض عام کرو
نفاق و جہل کو بس دور سے سلام کرو
کمو اپنی قوم کے بچون کا انتظام کرو
یہ کام ہو کے رہے چاہے جان رہے نہ رہے
زمین رہے نہ رہے آسمان رہے نہ رہے

کیا خوب بند ہے۔ بندش کی چستی اور مضمون کی روانی قابل داد ہے

مسز بیسنٹ کی نسبت فرماتے ہین۔

مسز بیسنٹ کے احسان کی تمھین ہے خبر
کیا نثار بڑھاپا تمہارے بچون پر
شریک وہ بھی ہین اس کار خیر کے اندر
نہ اُن کی آنکھ ہو نیچی رہے یہ مد نظر
مٹے نہ بات کہین تم پہ مٹنے والون کی
تمہارے ہاتھ ہے شرم ان سپید بالون کی

مالوی جی کی نسبت فرماتے ہین۔

تمہارے واسطے لازم ہے مالوی کا بھی پاس
کہ جسکی ذات سے اٹکی ہوئی ہے قوم کی آس
لیا غریب نے گھر بار چھوڑ کر بن باس
جو یہ نہین ہے تو کہتے ہین پھر کسے سنیاس

تمام عمر کٹی ایک ہی قسم سینے پر ؛؛؛
گرا دیا ایسا لہو قوم کے پسینے پر ؛؛

ارباب قوم سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔

یہ کار خیر وہ ہو نام چار سو رہ جائے ۔۔۔ تمہاری بات زمانہ کے روبرو رہ جائے
جو غیر ہیں انھیں ہنسنے کی آرزو رہ جائے ۔۔۔ غریب قوم کی دنیا میں آبرو رہ جائے
ذرا حمیت و غیرت کا حق ادا کر دو
فقیر قوم کے آئے ہیں جھولیاں بھر دو

کیا خوب بند ہے اور کیسا پُر درد" فقیر قوم کے آئے ہیں" الخ اس مسدس کی کیا تعریف ہو سکتی ہے۔ نظم کے پہلے مصرع میں آپ نے محبان وطن کے لیے گدایان وطن کا لفظ استعمال کیا اور آخر تک اسی پر زور دیا ہے۔

## شام موہن لعل جگر

### غزل

دشت غربت ہے، کنج تنہائی ۔۔۔ موت آئی بھی تو کہاں آئی
ساری دنیا بنی تماشائی ۔۔۔ اللہ اللہ تری خود آرائی
ہائے ری میرے غم کی رسوائی ۔۔۔ میں جو رویا انھیں ہنسی آئی
عاشقی کا مزا ہے فرقت میں ۔۔۔ وہ بھی کیا آرزو، جو بر آئی
کچھ کہوں منہ سے کچھ نکلتا ہے ۔۔۔ عشق نے کر دیا ہے، سودائی
حال بیمار غم ۔ ارے توبہ ۔۔۔ موت بھی پھر رہی ہے گھبرائی
میری تصویر دیکھنے والے، ۔۔۔ سچ بتا کچھ تجھے پسند آئی
ہجر کا قصہ مختصر ہے ۔۔۔ مر گئے ہم مگر نہ موت آئی
کوئی تسکین کو برا نہ کہو،
ہو گیا ہے غریب سودائی

محمد یٰسین تسکین رسورفی،

# گنجینۂ اُور کلدان

## محاضرہ مسٹر سی۔ لیونارڈ۔ وولی

### متعلقہ حضر خرابات اُور

### تمدن عراق از زمان اُور۔ انغور (۲۳۰۰ سال قبل مسیح) تا زمان بنو خذ نصر

اور۔ بغداد۔ بصرہ لاین پر ایک ویرانہ ہے جسکی نسبت قدیم زمانہ کی تاریخ کے حوالہ سے کہا جاتا ہو کہ یہان پر بادشاہ اُور انغور کے تعمیر کردہ شہر اور خدائے قمر (GOD OF MOON) کی ہیکل کے آثار مدفون ہین چنانچہ پچھلے دو ایک قرنون کچھ لوگون نے اسکے خرابی کو کھود کر کچھ چیزین برآمد کی تھین لیکن امسال برٹش میوزیم اور پنسلوینیا یونیورسٹی نے بعض ماہرین علم آثار قدیمہ کو مسٹر سی لیونارڈ وولی کی ماتحتی مین روانہ کیا جنہون نے بہت سی نادر اشیا برآمد کین چنانچہ مسٹر وولی وطن واپس جاتے ہوئے بغداد تشریف لائے اور مدرسۃ العسکریہ بغداد کے ہال مین اپنی معلومات کا حال نہایت ہی فصیح اور بلیغ عبارت مین بیان فرمایا جس کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

شہر اُور کی نسبت بعض لوگ غلطی سے کلدانیون سے منسوب کرتے ہین حالانکہ انہون نے کوئی شہر اس نام کا نہین آباد کیا) مشہور ہے کہ وادی رافدین (دجلہ فرات) مین اگر سب سے قدیم نہین تو کم از کم قدیم ترین شہرون مین سے ایک ضرور ہے۔ شہر اُور مساحت مین شہر بابل سے زیادہ مگر وسعت مین اس سے کم تھا۔ پھر بھی اسکے خرابات کو دیکھکر کہا جا سکتا ہے کہ اُسکا رقبہ بہت بڑا رہا ہوگا۔ اتنے زبردست خرابہ کا کھودنا کوئی مہینہ دو مہینہ کا کام نہین ہے۔ اسلیے اسوقت تک جو حصہ اُسکا ہمنے کھودا ہے اسکو اس حصہ کا جو کھدنے کو رہ گیا ہے ایک جزو سمجھنا چاہیئے۔

اس سے پیشتر ۱۸۵۴ء مین مسٹر ٹیلر MR. TAYLER نے بھی اس خرابے کو کھدوایا تھا لیکن افسوس ہے کہ ہمارے پاس ان کی کارگزاریون کی بہت ہی کم اطلاع ہے کیونکہ اُس زمانہ مین لوگ حفریات کا کام محض قسمت کا سودا سمجھکر کیا کرتے تھے۔ اور یہی وجہ

ہے۔ کہ اپنی کارگزاریوں کے نتیجہ کو قلمبند کرنے کی پرواہ نہ کرتے تھے حالانکہ اس سے دیگر علماے عادیات کے حق میں جو ان کے بعد اس کام کو کرنا چاہتے ہیں بیحد رہنما ہوتی ہے بعد ازاں ۱۹۱۹ء میں ڈاکٹر ہال صاحب (DR HALL) برٹش میوزیم BR MUSEUM کی طرف سے اسی اُور کے خرابوں کو کھودانے کی غرض سے بھیجے گئے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے جو کچھ اس ضمن میں کیا وہ بذاتِ خود جلیل القیمت تھا ہی لیکن سب سے بڑا فائدہ جو اُس سے ہوا وہ یہ تھا کہ آیندہ اسی قسم کے کام کرنے والوں کے حق میں ہدایت کا کام دیتا رہیگا۔ چنانچہ ہم آجکل اُنھیں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

اس زمانہ میں ہمنے جن دو خندقوں میں کھدائی کا کام شروع کیا تھا ان کا پتہ ہمکو ڈاکٹر ہال صاحب ہی کی کتاب یادداشت سے چلا تھا۔ کام شروع ہوتے ہی معلوم ہو گیا کہ بغیر محنت شاقہ کے ہمکو پہلی خندق کی کھدائی کا نتیجہ حاصل نہو گا۔ اسلیے ہمنے اسکو چھوڑ کر دوسری خندق میں کام لگایا۔ جسمیں ز... مکانات برآمد ہوے۔ جنکی تحقیق میں ہمنے اپنے وقت کا زیادہ تر حصّہ صرف کیا ہے۔ اُن عکسی تص... سے جو ہوائی جہاز کے ذریعہ سے لیگئیں۔ پتہ چلا کہ قدیم آبادی ایک وسیع قصبہ کی شکل میں تھی جسکے چاروں طرف دیوار کھچی ہوئی تھی۔ دیوار کے بیرونی طرف ایک اچھا خاصہ میدان تھا اور اندر کی طرف ایک اور احاطہ قلعہ کی شکل کا تھا۔ اس دفعہ ہمنے حفر عادیات کے مقابلہ میں خندق کی کھدائی میں زیادہ وقت صرف کیا جس سے مقصد یہ تھا کہ ہمکو یہاں کی جغرافیائی حالت بخوبی معلوم ہو جائے چونکہ ہمنے پہلے ہی سے عزم کر دیا تھا کہ حال میں ڈاکٹر ہال صاحب ہی کی تقلید کرینگے اسلیے پہلے کام اندرونی احاطہ میں شروع کرایا ۔ اس احاطہ کی لمبائی تخمیناً ۴۰۰ گز اور چوڑائی ۲۰۰ گز ہوگی اور اسکے اندر شہر کی خاص خاص عمارتیں ہیں۔

اس احاطہ کی ساخت کا نقشہ یہ ہے کہ اسکے ہر پہلو میں بجائے ایک کے دو دیواریں ہیں جنکے درمیان میں متعدد حجرے اور غرفے بنے ہیں، ہر دیوار قریب ۹ فٹ کے چوڑی ہے اور درمیانی کمروں کی چوڑائی ۱۳ فٹ ہے، اس طور سے بیرونی جانب سے دیوار تقریباً ۳۲ فٹ چوڑی نظر آتی ہے دیواروں کی بلندی دس فٹ سے زیادہ ہے، اور ہر دیوار ابتک بالکل ہی محفوظ حالت میں ہے دیواریں کچی اینٹ کی ہیں اور ان کی دوہری تعمیر سے مدعا یہ تھا کہ احاطہ کے اندر کی عمارتیں بیر...

صدمات سے محفوظ و مصئون رہین - دیوار کے باہری رُخ پر نمائشی پشتے بنے ہوئے ہین اور جا بجا گہرے خط کھچے ہوئے ہین جس سے مراد غالبًا محض زیبائش رہی ہوگی اور اسمین ذرا بھی شک نہین کہ ان چیزون سے دیوارون کی کما حقہٗ زینت ہوگئی ہے -

اس دیوار کی تاریخ بھی عجیب دلچسپ ہے - مین نے آپ حضرات کے سامنے بیان کیا ہو کہ اُور ایک نہایت ہی قدیم شہر ہے اور قدامت کے لحاظ سے اس ولایت کے بعد پر اُنے شہرون مین شمار کیا جاتا ہے اُور اول اول ایک قریہ تھا اور رفتہ رفتہ قصبہ ہوگیا - اُس زمانہ کا رواج یہ تھا کہ لوگ اپنے اسلاف کے منہدم مکانات کے آثار پر مکانات بناتے تھے ہے اسلیے قدرتاً کچھ عرصہ مین اُور کی آبادی کے زمین قرب وجوار کی زمین سے اونچی ہوگئی یہانتک کہ بالکل ٹیلہ کی شکل اختیار کرلی جیسے جیسے قصبہ کی آبادی بڑھتی گئی ویسے ویسے نئے نئے ہیکل بنتے گئے جنکی صفائی اور مرمت مذہبی عبادت گاہ ہونے کی وجہ سے ہمیشہ ہوتی رہی خلاصہ یہ کہ ہیکل تو نشیب ہی مین رہی اور قصبہ کی زمین حسب معمول اُونچی ہوتی گئی گو ٹھیک زمانہ نہین بتایا جاسکتا لیکن قیاس کہتا ہے کہ ۲۰۰۰ یا تقریبًا ۰۰۰ ۱ سال تک یہ سلسلہ جاری رہا ہوگا -

اُور انگور (۲۳۰۰ سال قبل مسیح) کا جو خاندان اُور کا بانی تھا - یہ ارادہ ہوا کہ شہر پناہ کے اندر ہیکل دالے رقبہ کے گرد ایک احاطہ تعمیر کرائے چنانچہ اسنے ایسا ہی کیا مگر اس احاطہ کو ہیکل ن کے رقبہ سے ذرا کچھ بڑھا کر بنانا چاہا اور اسی لیے مسکونہ آراضی کا ایک حصہ اسکے اندر شامل کرلیا جس سے اُسکا منشا غالبًا یہ رہا ہوگا کہ معبد سے الگ مگر ہیکل سے بالکل ہی قریب اپنی سکونت کے لیے ایک محل تیار کرائے گو ابھی تک اس محل کا پتہ نہین چلا لیکن گمان غالب ہے کہ ہیکل کے قریب ہی کہین پر ہوگا اب رہا یہ امر کہ اس احاطہ کی دیوارون کے زیادہ تر حصہ تعمیر کرانے والون کے نام کیا تھے، اسکے لیے ہمکو ۲۳۰۰ سال قبل مسیح کی تاریخ دیکھنی ہوگی -

الغرض کھودتے کھودتے ہمکو اس احاطہ کے داخلہ کے پھاٹک نظر آئے ہر دروازہ کے دونون طرف صندوق نما چھوٹے چھوٹے مربع چبوترے ملے جو پختہ اینٹون سے بنے تھے ان کی تعمیر کا مقصد یہ رہا ہوگا کہ دروازون کی چوبون سے قریب کے دروازون سے گرد و غبار اندر نہ جائے - غالبًا ہر دروازہ کے سنگ دہلیز پر کوئی نہ کوئی عبارت کندہ نظر آئی اور ایک پتھر پر بورسین کا نام کندہ ہوا ملا جو اُور تا بنحد کا بیٹا تھا اس انکشاف سے پتہ چلا کہ صرف دو ہی پشتون کے بعد صفائی ورنی مرمت کی حاجت لاحق ہوئی

چنانچہ اسرار کے دریافت کرنے کے لیے کو مرمت کا خیال سب سے پہلے کس کے دل مین پیدا ہوا مین نے
اُن صندوقچون یا چبوترون مین سے ایک کو توڑا جنکی اینٹون پر کندہ شدہ عبارت سے پتہ چلا کہ اکثر تو
۲۰۰۰ قبل مسیح کی اور بعض اس سے بھی پیشتر کی تھین کچھ اینٹین عہد بابل کی بھی ملین اور کچھ تو ایسی تھین جنپر
بنو خذ نصر کا نام لکھا ہوا تھا - ایک پر بنو نیدس (۵۵۵ ق - م) کا نام تھا اور ایک اور ملی جسپر کورش اعظم
SYRIUS THE GREAT کا نام کُندا تھا مگر تاریخ بابل مین کورش کے علاوہ اور کسی کا
پتہ نہین چلتا جسنے شومری خداؤن SUMERIA GODS کے ہیکل کی خدمت کا قلادہ اپنی گردن
مین ڈالا ہو - بڑی حیرت کی بات ہے کہ کورش سا بادشاہ جسکی نسبت عام طور پر مشہور ہو کہ یہودیون کے
اللہ کے پرستش کرتا تھا اور جسکی بابت ایرانیون کا خیال ہو کہ پکا زروشتی تھا اُور کلدان کے خدا سے
مر کے لیے ہیکل تعمیر کرائے - لیکن کورش کا تقلب اعتقاد کوئی عجیب بات نہین کیونکہ اُسی کے
ایسے ایک اور زبردست بادشاہ ہنری چہارم (۱۶۱۰ - ۱۵۵۳) شاہ نوار HENRY IV
KING OF NAVARRA نے بھی ایک مرتبہ کہا تھا کہ کچھ بھی ہو مین پیرس PARIS کو ایک
عشائے ربانی MASS کے عوض مین لینے کے لیے تیار ہون -

احاطہ کی چار دیواری سے قطع نظر کرتے ہوئے رفیع ترین تعمیر جو ہمکو ملی وہ زقرتا ZIGGURANT
ہے - یہ ایک نہایت ہی مضبوط اور رنگین عمارت ہے جسکی شان بالکل ہی بابلی عمارتون کی سی ہے - اِس
زقرتا مین چار درجے ہین اور اوپر کے تین درجے نیچے والے درجہ سے چھوٹے ہین زقرتا کی ساخت ایک مینار
یا برج کلیسا کی سی ہے بظاہر اسکی تعمیر سے کوئی فائدہ مقصود نہین ہوتا لیکن اسکی ساخت تبلاتی ہے کہ یہ
ملتقائے زمین و آسمان (یعنی وہ مقام جہاں پر زمین و آسمان ایکدوسرے سے ملین) ہے - یعنی اگر کوئی شخص
اسکی چوٹی پر جاکر کھڑا ہو تو بس سمجھ لیجے کہ عالم بالا مین داخل ہو گیا - اس زقرتا کی تعمیر اُور انمور کے
ہاتھون شروع ہوئی تھی لیکن اسکی شش سالہ حکومت کی قلیل مدت مین حد تکمیل کو نہ پہونچ سکی آخرکار
اُسکے بیٹے نے جسنے ۴۸ سال تک حکومت کی اپنی وفات سے پہلے (غالباً ۲۲۵۰ ق. م مین) اسکو تکمیل
کرا دیا - اور بعد ازان (غالباً ۵۵۰ ق. م مین) بنو نیدس نے اسکے برج مین نیلے رنگ کی چمکدار اینٹین
جڑوائین - چنانچہ اس قسم کی چند اینٹین برآمد ہوئین جنکو دیکھکر بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ سطح میدان
سے ڈیڑھ دو سو فیٹ بلند عمارت جسکے برج کی چمکدار اینٹون پر شعاع آفتاب مین نگاہ نہ ٹھیرتی ہو گی

نشان کی ہوگی۔

ہمارے مزدوروں کو کھودتے کھودتے ایک بوسیدہ چھت ملی جسکی ساخت بالکل زمانۂ حال کے بغداد کی چھتوں کی سی ہے۔ اُس چھت کے نیچے ایک سنگی بت ملا جسکو ہمنے لندن روانہ کر دیا ہے۔ وہاں کے علمائے عادیات اُسپر کندہ کی ہوئی عبارت کو پڑھنے کے بعد اسکو پھر واپس کر دینگے۔ اور تب یہ بت عراق کے عجائب خانہ میں رکھدیا جائیگا۔ اس بت کا سر غائب ہے اور یہ بت اینا توم ENNATUM نامی بادشاہ کا ہے جو ۲۹۰۰ سال قبل مسیح حکمران تھا۔ لیکن اُور کا نہین بلکہ کسی اور مقام کا۔ میرا قیاس ہے کہ ایک وقت مین اُور اور شہر لاغاش LAGASH مین کسی بات پر نزاع ہوئی چنانچہ شہر لاغاش پر چڑھائی کی گئی جسمین اُور کے لشکر کو فتح ہوئی اور وہان سے واپسی کے وقت لوگ اس بت کو نشان فتح کے طور پر لے آئے، اور لاتے ہی اسکا سر توڑ ڈالا تاکہ فریق مخالف کو معلوم ہو جائے کہ دشمن کی سرکوبی اسطرح کیجاتی ہے۔

خدائے قمر کا حرم اُور کے اُسقف اعلیٰ کا (جو عموماً شہزادہ ہوتا تھا) مسکن تھا جسکو یہ حق بھی حاصل تھا کہ خود ہیکل کے اندر والے عالیشان قصر مین رہے۔ یہان پر ۲۳۰۰ سال قبل مسیح کی تعمیر کردہ کچھ دیوارین ملین جو اب بھی قد آدم سے زیادہ بلند کھڑی ہین۔ حرم کوئی عام لوگون کی پرستش کا مقام نہ تھا بلکہ خدائے قمر کے لیے وقف تھا۔

واقعات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کئی مرتبہ اس ہیکل کی تعمیر از سر نو ہوئی مگر اسکے اصلی نقشہ مین ذرا بھی فرق نہین ہوا، تیسری مرتبہ اسکی جدید تعمیر اُور انگور کی طرف سے ہوئی تھی اور اسکے بعد اسکے بیٹے بورسین نے ضروری مرمت کراتے ہوئے اسکی ایک دیوار کو نئے سرے سے پکی اینٹون سے بنوا دیا۔

ابتدائے زمانۂ تعمیر سے جو غالباً ۳۰۰۰ ق۔م ہوگا (کیونکہ کوئی معین زمانہ معلوم نہین) ۵۰۰ ق۔م تک عمارت کے نقشہ مین ذرا بھی تغیر نہین ہوا۔ جو نیا بادشاہ ہوا اپنے سلف کی تعمیر مین کچھ نہ کچھ اضافہ کرتا گیا اور اب اس ۱۲ فٹ پختہ دیوار کی تعمیر مین جو زمانہ کی دستبرد سے باقی رہ گئی ہے تین ہزار سال کی تاریخ مضمر ہے، اور صرف چند اینچ دستکاری کے نمونہ مین متعدد تعمیر کنندون کے نام پنہان ہین۔

تاریخ بتلاتی ہے کہ ایک وقت مین قصبۂ اُور پر کسی دوسرے بادشاہ کا قبضہ ہوگیا جسنے اسکے

لوٹنے اور غارت کرنے مین کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا، حتی کہ خدائے قمر کے ہیکل کو یہی نقصان پہنچایا، لیکن کچھ عرصہ کے بعد ایک بادشاہ نے (جسکا نام معلوم نہین) اُور کو پھر اس بادشاہ سے چھین لیا اور از سرِ نو اس ہیکل کی تعمیر کرائی اور اس مرتبہ وہ چھوٹی چھوٹی کشتیان جنمین خدائے قمر کے سامنے نذرین گذارین جاتی تھین ہیکل کی بنیاد کی تعمیر کے لیے گارا وغیرہ لانے مین استعمال کی گئین۔ چنانچہ اسی نمونے کی متعدد کشتیان ہمکو فرش ہیکل کے نیچے دستیاب ہوئین۔ انمین سے بعض منقش تھین لیکن عجیب ساخت کی تھین کچھ پر ۲۷۰۰ سے لیکر ۲۲۰۰ ق۔ م تک کے کتبے نظر آئے۔ علاوہ ان کے ایک سمنٹ کا بنا ہوا صندوق بھی نکلا جو غالبًا مصر سے آیا ہوگا یہ ساری چیزین باقاعدہ طور پر فرش کے نیچے چھپی ہوئی تھین۔ اب مین آپ حضرات کے سامنے اُس زمانہ کا کچھ ذکر کرنا چاہتا ہون جسمین خدائے قمر کے ہیکل مین زبردست تغیّر واقع ہوا۔ نبو خدنصر جب بادشاہ ہوا تو سب سے پہلا کام جو اُسنے کیا یہ تھا کہ خدائے قمر کے ہیکل کو از سرِ نو تعمیر کرایا۔ قدیم معبد مین تو اُسنے ذرا بھی دست اندازی نہین کی اور بیرونی دیوارین جون کی تون رہین لیکن معبد کے سامنے کے کمرون کو گروا کر ان کی جگہ پر ایک بڑا سا دوہرا احاطہ تعمیر کرادیا۔ ہمکو اسی بنوخدنصر کی تعمیر کردہ قربانگاہ بھی ملی جسپر چونے کا پلاسٹر کیا ہوا ہے۔ لیکن قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا مین اُسپر سونے یا اور اسی قسم کی کسی دھات کے پتّر چڑھے ہوئے ہونگے اسکے قریب ہی صحن دربار دری کی نشست والی چوکی بھی ملی۔ ہردوطوس کا بیان ہے کہ بابل مین بھی اسی قسم کا ایک ہیکل ہے۔

زقرتا کے قریب ہی ایک متوسط درجہ کا ہیکل ملا جسکے اندر سونے کے تخت پر ایک طلائی بت نصب کیا ہوا تھا، قیاس کہتا ہے کہ اسی ہیکل کے سامنے قربانی والے وہ جانور پیش ہوتے تھے جو دراصل ذبح نہین کیے جاتے تھے چنانچہ اسکے ایک بڑی قربانگاہ ہوگی جسمین جانور ذبح کیے جاتے ہونگے گو اس قسم کی کوئی قربانگاہ برآمد نہین ہوئی لیکن صحن ہیکل مین معبد کے قریب ایک نالی نکلی جس سے سوا اسکے اور کوئی نتیجہ نہین نکلتا کہ وہ قربانگاہ نہین رہی ہوگی اور یہ نالی اس انداز سے بنائی گئی ہوگی کہ خون کی برکت سے کل عمارت بھی مقدس ہو جائے۔

انجیل کی کتاب دانیال مین لکھا ہے کہ نبوخدنصر نے حکم دیا کہ ایک بڑا سا بت تیار رہے تاکہ ہر شخص اُسکے آگے سرِ عبادت خم کرے۔ چنانچہ اس حکم کے ذریعہ سے اسنے ایک نئی رسم کی بنیاد ڈالی، علاوہ

اسکے اسنے خدا کو حجرہ سے نکلوا کر ایک کھلی جگہ مین رکھوا دیا تاکہ ہر خاص و عام کو اسکے سامنے زانوے عبادت تہ کرنے کا موقع مل سکے۔ اور اسی وجہ سے ایک بڑا کھلا ہوا احاطہ اسنے تعمیر کرایا بدینگا خلاصہ یہ کہ قدیم معبد مین جدت کرکے بنو خذ نصر نے جمہور کو بھی فیض عبادت سے مستفید ہونیکا موقع دیا۔
اسی سلسلہ مین ہمنے ایک منہدم کنوین (چاہ) کو بھی کہدانا شروع کیا ابھی صرف ۴۰ فٹ کی گہرائی تک کہدا ہوگا کہ بارش شروع ہوگئی جس سے کنوان لبریز ہوگیا اسلیے مجبوراً اس کام کو آیندہ فصل کے لیے اُٹھا رکھا گیا۔

میرا خیال ہے کہ اس کنوین مین انکشافات کا بہت بڑا ذخیرہ ملے گا۔ کیونکہ صرف نصف گہرائی تک کھودے جانے پر اسمین بہت سی خزف کی تھالی کے مٹی کے ٹکڑے ملے جنپر بادشاہون کے نام لکھے ہوئے تھے۔
ہیکل بنوخذ نصر کے معبد کے ایک خوشنما کمرہ کا فرش ایرانیون کے زمانہ کا ملا اور اسکے قریب والے کمرے کا فرش بابلیون کے زمانہ کا ہے۔ میرا ارادہ ہوا کہ ایرانیون والی فرش کی ایک گوشے کو کھود کر دیکھون کہ اسکے نیچے کوئی فرش بابلیون کے زمانہ کا ساہے یا نہین۔ چنانچہ مین نے عربی قلی کھودنے کے لیے لگا دیے۔ اور خود ایک دوسری طرف کہدائی کا کام دیکھنے کے لیے چلا۔ ہنوز راستہ ہی مین تھا کہ ایک عربی لڑکا ہانپتا کانپتا دوڑا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ آپ فوراً واپس چلین۔ الغرض اسکے کہنے پر جب مین واپس آیا تو کیا دیکھتا ہون کہ قلیون نے اس فرش کے نیچے سے کچھ قدیم جواہرات کھود کر نکالے ہین اور ایک عربی کی عبا پر سونے چاندی کے متعدد کڑے اور دیگر اقسام کے زیورات پھیلے ہوے ہین۔ مین نے قلیون کو تو باہر نکال دیا اور خود تحقیقات کے لیے اندر گھس گیا۔ تلاش کرتے کرتے متعدد ٹوٹے پھوٹے قیمتی پتھرون کے دانے یشب عقیق اور فیروزہ کے نگینے اور متعدد چاندی اور سونے کے زیورات نکلے تھوڑی دیر کے بعد ایک لڑکا جا کر میرے خیمہ سے کئی ایک صندوقچے اور روئی لے آیا۔ چنانچہ قلیون کے جمعدار نے ایک صندوقچہ کو اُٹھایا اور ایک آہ سرد بھر کر اپنی جیب سے زیورات نکالے اور کہنے لگا "صاحب پہلے مین نے آپ کو یہ چیزین نہین دکھلائین کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ کہین دوسرے عربی مار نہ ڈالین"۔
ایک دوسرے موقع پر خدائے قمر کے حرم کے ایک گوشے کے کہدوانے کی نیت سے مین نے قلیون کو حکم دیا کہ اسکو نیچے تک کھودنا تھا پھر تکونچہ مٹی کے صندوق مین ایک پتھر کا ایک بت

پہنا دو بیٹی امینہ - شرم کس بات کی ہے - بیٹا عابد یہ یوسف جنگ کی صاحبزادی ہیں - ان کو ترک موالات سے پوری ہمدردی ہے - امینہ نے جی کڑا کر کے ہار پہنا دیا - ہار کا گلے مین پڑنا تھا کہ عابد کے جسم مین ایک سنسناہٹ پیدا ہو گئی - گویا رگ رگ مین ایک بجلی کی رو دوڑ گئی - عشق و محبت کی لہر بجلی سے بھی زیادہ ہوتی ہے

(۲)
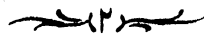
جلوۂ معشوق دنیائے عشق کا ایک دلپذیر فرحت بخش منظر ہے - اس نظارے کی ایک سرسری جھلک ہی انسان کو از خود رفتہ کر دیتی ہے - صرف ایک جھلک کے لیے عاشق خوش نصیب اپنا دین و ایمان سب کچھ قربان کر دینے کو طیار رہتا ہے -

اور دن کو تو جلوۂ محبوب کی تمنا ہی رہتی ہے - مگر عابد خوش نصیب تھا - کہ محبوبۂ دلنواز سے ملاقات بھی ہوئی - اوس ظالم نے ہار بھی پہنایا - جسکے پہنتے ہی عابد مین عجیب انقلاب پیدا ہو گیا - صدہا خوابیدہ خیالات جذبات اور اُمیدین یکایک بیدار ہو گئیں - سین تبدیل ہو گیا - دنیائے خوشگوار کا ایک نہایت دلکش نظارہ پیش نظر ہو گیا - جیسے خواب سے یکبارگی آنکھیں کھل گئی ہون -

عابد اس ہوشربا نظارے کے بعد اپنے کو بالکل بھول گیا، اب اسکو اپنی بالکل خبر نہین، جیل مین جب تک خوراک وغیرہ کے معاملے مین اکثر جیلر سے لڑا - اکثر خراب کھانا ملنے پر فاقہ کشی کی اور جیل کے افسرون کو انکی مذموم روش سے تنبیہ کی لیکن اب وہ سب بھول گیا نوکر ابھی آیا تھا کہنے لگا میان کھانا تیار ہے اس سے کہدیا چلو آتے ہین " پھر بھول گیا " اور اپنے خیالات مین محو ہو گیا، گھنٹون سے اپنے کمرے مین اکیلا بیٹھا ہوا امینہ کی خیالی صورت کا نظارہ کر رہا ہے، اُسکی وہی نازک نازک کلائیان ...... اُسکی وہی سُرمگین آنکھین - اُسکا وہی ادا سے آگے بڑھنا، رکنا، اور آنکھین نیچی کر لینا - نظر کے سامنے ہے -

پھر خود بخود چونک کر کہتا ہے آہ ہ ہ ... موقع نکل گیا شوئی قسمت کو دل ہی دل مین کوستا ہے کہ افسوس اُس وقت اُمی جان موجود تھین دل کا ارمان دل ہی مین رہگیا - لیکن اظہار

شوق اب کیون نہ کرون، پیاری امینہ تو موجود ہے۔ نہین اس امینہ اور اُس مین فرق ہے وہ امینہ تھی اور یہ اسکا خیال۔ وہ مجسم امینہ تھی اور یہ اُسکا خیالی پرتو

(۳)

امینہ کا دل بھی اس انقلاب جدید سے متاثر تھا، کیوپڈ کے زہر آلودہ تیر دونون جانب چلتے ہین، جب امینہ عابد کو ہار پہنانے آئی تھی تو اُس کے دل مین صرف اس جانباز قوم کی حوصلہ افزائی کا خیال تھا، جب سورما اور بہادر راجپوت مسلح ہوکر جنگ کے لیے تیار ہوتے تھے یا میدان کارزار سے فتحیاب واپس آتے تھے تو اُنکی عزیز راجپوت دیویان خود اپنے ہاتھون سے زرہ بکتر پہناتی تھین اُنکے پیشانی پر صندل لگاتی تھین اور محبت سے آرتی کرتی تھین۔ امینہ نے بھی انھین جذبات سے متاثر ہوکر عابد کو ہار پہنایا تھا۔ اسکے دل مین وہی پاک جذبات موجود تھے جو اُن راجپوت مستورات کے دلون مین موج زن ہوتے تھے، امینہ عابد کی دل سے عزت کرتی تھی۔ یہ خیال اسوقت پیدا ہوا تھا جب عابد کے مکان کو پولیس نے گھیر لیا تھا۔ امینہ اپنے مکان کی چھت سے دیکھ رہی تھی۔ کہ عابد نے کس ہنسی خوشی سے اپنے کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ چہرے پر جوش مسرت کے آثار نمایان تھے۔ وہی تصویر امینہ کے دل مین ابھی تک موجود تھی۔ تنہائی مین وہی تصویر دل سے نکلکر آنکھون کے سامنے آجاتی تھی۔ وہی خندہ پیشانی وہی سبزہ آغاز وہی سرخ و سفید رنگ وہی کھدر کی پوشاک نہایت خوش وضع معلوم ہوتی تھی۔ امینہ سمجھتی تھی، کہ عابد انسان نہین فرشتہ ہے اُس کا دل بھی قومی جذبات کا گہوارہ بنگیا اور اُسنے چرخہ کاتنا شروع کیا، باپ کی خفگی برداشت کی مان کی جھڑکی سہی، لیکن اُسنے سوائے کھدر کے کچھ پہننا منظور نہ کیا آخر عابد کے رہائی کا وقت نزدیک آگیا، امینہ نے اپنے کاتے ہوئے سوت سے ایک ہار بنایا۔ یہ وہی ہار تھا جو عابد کے گلے مین پڑا تھا، وہی ہار تھا جس نے کسی کے پوشیدہ خیالات کو زبان حال سے دوہرا دیا۔ امینہ کی زبان اگر بیان کرتی تو شاید اس خوبی سے بیان نہ کرسکتی

اُس روز کی ملاقات کے بعد امینہ کے نظرون مین عابد کی عزت دوبالا ہوگئی، اور اسکے

دل میں محبت کا پودا باقاعدہ نشو ونما پانے لگا۔

(۴)

عابد کا دل ایک عجیب کشمکش کا جولانگاہ بن گیا۔ اس مہم کے دو فریق تھے فرض اور محبت فرض یہ کہتا تھا کہ یہ حسن و عشق کا موقع نہیں۔ زمانہ کے موافق کام کرنا دانشمندی ہے۔ قومی فرائض کا تقاضا تھا کہ محبت اور ارمانوں کی ان لہروں کو دبا دو جو دل کے جذبات کو دوسری طرف بہائے لیے جاتی ہوں اور عشق کے ان دونوں کو قومی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دو جو جذبات قومی کے سدراہ ہوں، لیکن عشق ایسا جادوگر ہے کہ پھر کسی منتر کا اثر نہیں ہوتا، کالے کے آگے چراغ نہیں جلتا، شعل کی روشنی آفتاب کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی۔

انجام کار عابد محبت کا بندہ بنگیا اور اسکے خیالات پر جذبات محبت کی حکومت ہوگئی وہ چاہتا تھا، کہ یہ خیال دل سے دور ہو جائے لیکن ناکامیاب رہا، وہ اشاعت و تحریک کے سلسلے میں گاؤں میں گھوم گھوم کر کسانوں میں جوش پھیلا، کھدر پہننے چرخہ چلانے اور کانگریس کے ممبر بننے کے لیے ہر شخص کو مجبور کرتا۔ غرض دن دن بھر انہیں خیالات میں مستغرق رہتا الغرض رات کاٹے نہیں کٹتی تھی۔ تنہائی خوشگوار ضرور ہوتی ہے لیکن بعض حالتوں میں مفید ثابت نہیں ہوتی۔ تنہائی سے تصور کو خوب مدد ملتی ہے۔ سوی ہوئی تمنائیں بیدار ہو جاتی ہیں۔ اور پھر اُن سے جان چھڑانا محال ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں کسی سے بات چیت کر کے جی بہلانا بھی ناگوار ہے موسم بہار اگرچہ ایک حرمان نصیب کے لیے بہت پریشان کن موسم ہے لیکن بسنت کے بعد آنیوالا چیت اور بھی بلا ہے۔ آم کے بور کی بھینی بھینی خوشبو چاندنی رات اور کوئل کی کوک کسی گرفتار محبت کے دل میں آگ لگا دیتی ہے اور محبوبۂ دلنواز کا شوق دیدار آتش مشتعل کی طرح بھڑک اٹھتا ہے۔ عابد اپنے خیالات میں مستغرق آم کے درختوں کے نیچے ٹہل رہا تھا، اتنے میں کسی نے ایک چیتی گانا چھیڑا "دو ناہی بھولے تمھری صورتیا ہو راما" عابد سنکر تڑپ گیا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے دل سے یہ آواز نکل رہی ہے "ناہی بھولے تمھری صورتیا ہو راما" اس کا دل اس مرغ بے پر کی طرح پھڑ پھڑا رہا تھا جسکو صیاد نے پر کاٹ کے چھوڑ دیا ہو۔ عابد کلیجہ تھام کر بیٹھ گیا اور

ہر طرف یاس ہی یاس نظر آنے لگی، اسکے دل میں خیال آیا کہ اگر جلوۂ یار نہیں تو سجدۂ آستانِ یار ہی سہی، ارادہ مصمم ہو گیا کہ اسی وقت چلنا چاہیے، چنانچہ بغیر کسی کے کہے چل پڑا، ریلوے اسٹیشن ایک میل کے فاصلہ پر تھا جانے والی گاڑیاں سب جا چکی تھیں لیکن اتفاق سے ایک مال گاڑی اُسی وقت آگئی عابد نے گارڈ سے ملکر روانگی کا ارادہ ظاہر کیا۔ گارڈ بھی قوم پرست تھا اُنھیں کھدر پہنے دیکھا کہا اچھا، آؤ بیٹھ جاؤ، ٹرین روانہ ہوئی۔ گارڈ انسے کانگریس کے حالات دریافت کرنے لگا لیکن ہوں ہاں کے سوا کوئی جواب نہ پا کر چپ ہو گیا۔ عابد اپنے خیال میں محو تھا، اسے دوسرے سے بات کرنیکی کہاں فرصت تھی، جب گاڑی منزل مقصود پر پہونچی تو ۴ بج چکے تھے گاڑی سے اُتر کر عابد سیدھا شہر کی طرف چلدیا گھر پہونچا تو صبح کی سفیدی نمودار ہو چکی تھی سامنے یوسف جنگ صاحب کا مکان تھا، یہ ٹکٹکی باندھ کے دیکھنے لگا یکایک کھڑکی کھلی اور کسی نازنین نے مشرق کی جانب دیکھا، آفتاب ابھی طلوع نہیں ہوا تھا۔ بادِ نسیم کے خوشگوار جھونکے اس حسینہ کی زلفوں سے اٹکھیلیاں کرنے لگے۔ یہ منظر دیکھکر عابد کے دل پر سانپ لوٹ گیا۔ نازنین نے عابد کو دیکھا اور مسکرا کر گردن جھکالی، یہ امینہ تھی، عابد ابھی محو نظارہ ہی تھا کہ اُسکا دوست واجد ادھر ہوا خوری کے لیے آنکلا، عابد کو دیکھکر آگے بڑھا، سلام علیک کے بعد پوچھا

"کیوں بھائی عابد خیریت تو ہے۔ کیسے پریشان نظر آرہے ہو"

عابد کے جی میں آیا کہ واجد کو ساری کہانی سنا دے اور اسکو اپنا رازدار بنا لے لیکن حیا نے منہ پر مہر لگا دی۔ کسی نے اندر سے کہا "راز دل افشا نہو"، بات بنا کر کہنے لگا دورے پر گیا تھا وہیں سے آرہا ہوں۔

(۵)

شمع کی روشنی پردۂ فانوس میں اور تیز ہو جاتی ہے۔ محبت فانوس ہے۔ سوز دل شمع، پھر کیسے ممکن ہے کہ دل کے اندر کی جلن چہرے سے نہ نمایاں ہو۔ واجد تاڑ گیا کہ ضرور اس پردے میں کوئی راز ہے۔ پریشانی سراسیمگی اور بدحواسی اس امر کی شاہد ہے

کہ عابد کا دل کسی کے نگاہِ ناز کا شکار ہو گیا'' واجد نے کئی بار دریافت کیا اور اصرار کیا لیکن عابد نے
کوئی بات نہ بتائی - واجد کو عابد سے دلی تعلق تھا - دونوں قریبی رشتہ دار ہونے کے علاوہ ہمعمر
بھی تھے - ایک ہی ساتھ تعلیم پائی ایک ساتھ کھیلے کودے - اپنے دوست کی یہ حالت دیکھکر
اُسے صدمہ ہوا - اُس نے پوشیدہ طور پر پتہ لگانا شروع کیا کہ معاملہ کیا ہے - اکثر عابد
امینہ کے مکان کی جانب دیکھا کرتا اور کبھی کبھی منہ سے ٹھنڈی بھی سانس نکل جاتی -
یہ دیکھکر واجد کو یقین ہو گیا کہ ہو نہ ہو ناوکِ ناز جگر کے پار ہو گیا - تصدیق کی ضرورت تھی
ایک دن واجد عابد کے کمرے مین بیٹھا تھا' عابد غسل خانے مین تھا میز پر عابد کی ڈائری پڑی
تھی - اُٹھا لیا' دل نے کہا ''کسی کی پرائیوٹ چیز دیکھنا مناسب نہین'' پھر خیال آیا آجی اسمین
ہوگا کیا' ورق اُلٹنے لگا ایک جگہ لکھا تھا ''آہ محبت کیسی ظالم ہے جتنا مین اپنے کو اس کے
پنجے سے چھڑانا چاہتا ہون اس کی گرفت مضبوط ہوتی جاتی ہے - امینہ پیاری امینہ تیری نگاہ
مین کیسا جادو تھا - واجد نے ڈائری بند کر دی - دل مین ایسا محسوس ہونے لگا گویا اس نے کوئی
جرم کیا ہے - عابد غسل کر کے آیا تو اُس سے نگاہ ملا کر باتین کرنا دشوار ہو گیا - دیوار پر لٹکی ہوئی
ایک تصویر دیکھتے دیکھتے عابد سے اجازت لیکر کمرے سے نکل گیا - واجد کو بار بار یہی معلوم ہوتا تھا
کہ اُس نے گناہ کیا' واجد بھی آخر انسان تھا' اس کا دل اتنا سخت نہ تھا کہ حسن کے تیر اس پر اثر نکرین
اس نے بھی امینہ کو دیکھا تھا - اُس کو بھی اُس سے محبت تھی' لیکن اس حد تک نہین جتنی عابد کو - اس کے
دل مین رشک پیدا ہوا - دل مین رقابت نے جوش مارا لیکن جذبۂ خلوص غالب آیا وہ دوست کے لیے
اپنے جذبات کی قربانی کر سکتا تھا اُسنے رقابت کی آگ کو بجھا دینے کی کوشش کی - وہ سوچتا تھا کہ مین
گنہگار ہون کسی کے راز سے مجھے کیا تعلق - اگر عابد خود بتانا نہین چاہتا - تو مجھے جاننے کی کیا ضرورت تھی
مین نے اپنے دوست کے اعتبار سے ناجائز فائدہ اُٹھایا - اس گناہ کا کفارہ کیونکر ادا ہو سکتا ہے
ہان ایک طریقہ ہے کہ اپنی تمناؤن کو بالائے طاق رکھ کر اپنے دوست کی بہبودی کے لیے کوشش
کرون -

واجد نے اس معاملہ مین یوسف جنگ صاحب سے گفتگو کی - یوسف جنگ ایک سرکاری

ملازم تھے۔ تارکان موالات سے آپ بہت خائف رہتے تھے عابد کے والد اگرچہ انکے دوست تھے لیکن عابد کے ترک موالات کرنے پر انھون نے جملہ مراسم ترک کر دئے تھے وہ دل ہی دل مین غور کرنے لگے کہ عابد کے ساتھ امینہ کا عقد ہوا تو مجکو ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ گھر مین اتنا سرمایہ نہین کہ بیٹھ کر کھا سکون۔ اسلیے انھون نے واجد سے قطعی انکار کر دیا۔
ابھی تک امینہ کی شادی کے بارے مین آپ بالکل خاموش تھے۔ لیکن اب نئی فکر سوار ہوگئی۔ امینہ کی شادی بہت جلد کر دینا چاہیے نہین تو خدا جانے کیا معاملہ پیش آئے۔
گھر مین جاکر بیوی سے ذکر کیا۔ بیوی نے جواب دیا ٹھیک تو ہے لڑکی بھی نہین رہیگی۔ عابد بھی سنجیدہ لڑکا ہے یہین نزدیک ہی شادی ہو جائے تو کیا بُرا ہے۔ لیکن یوسف صاحب کو یہ بات پسند نہین آئی۔ اور بیوی سے بولے اب امینہ کا یہان رہنا مناسب نہین۔ بیوی بیچاری بہت روتی گاتی رہی لیکن انھون نے ایک نہ سنی۔ امینہ کو سہارنپور اپنے بڑے بھائی کے یہان پہونچا آئے اور خود شادی کی تلاش مین مصروف ہو گئے۔

امینہ کی شادی طے ہوگئی نواب افتخار علی کے یہان سے منگنی آئی۔ یوسف صاحب نے منظور کر لیا۔ امینہ کی مان ناراض تھین۔ بہت روز سمجھایا۔ اُنکے دل مین بار بار یہی آتا تھا کہ اسکا بُرا نتیجہ ہوگا۔ لیکن اُنکی بات کون سنتا ہے۔ خاموش ہوگئین۔ اور روز رات بیٹی کی خیریت کی دعا کرنے لگین۔

(۶)

اس معاملے کو کئی مہینے ہو گئے۔ عابد کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی۔ یون تو جیل سے ناتوان ہو کر آیا ہی تھا باہر آتے ہی یہ سودا سوار ہوا۔ کھانا پینا دشوار ہو گیا نقاہت بڑھنے لگی۔ ہر وقت کی پریشانی اور فکر نے اور بھی گھلا ڈالا۔ بخار آنے لگا۔ علاج شروع ہوا لیکن "مرض بڑھتا گیا جیون جیون دوا کی" مرض کچھ اور تھا اور دوا کچھ اور ہو رہی تھی۔ دو مہینہ گذر گئے لیکن مرض مین کچھ افاقہ نہ ہوا۔ اور افاقہ ہونا تو کیسے عشق کا علاج ہی کچھ اور ہے۔ یون تو کبھی کبھی دیدار جانان ہی میسر ہو جاتا تھا لیکن اب اُسکی بھی کوئی صورت

نہ تھی۔ تمام دوائیون مین صرف ایک زود اثر دوا تھی۔ یعنی امینہ کے ہاتھ کا بنایا ہوا ہار اسی سے کچھ سکون تھا عقد کی تاریخ نزدیک آگئی۔ لیکن آمینہ خوش نہ تھی، عابد کی یاد اس کے دل کی کمایۂ ناز تھی۔ اُسکا یہ خیال تھا کہ ہر عورت کا فرض ہے کہ وہ فدایان قوم وملت کی پرستش کرے۔ سہارنپور آنے پر اُس کا دل بہت بےچین تھا۔ اُسی بہادر نوجوان کی صورت ہر وقت سامنے رہتی تھی امینہ شادی کے ذکر سے بےچین ہوجاتی تھی۔ وہ سوچتی تھی کہ کیا مین اپنی شادی ہوجانے کے بعد بھی عابد کی پرستش کرسکتی ہون۔ جتنا غور کرتی اُسے سوائے نہین کے کوئی جواب نہ ملتا کسی کی منکوحہ بیوی کسی غیر کو خواہ وہ کیسا ہی نیک چلن انسان کیون نہ ہو۔ اپنے دل مین جگہ نہین دیسکتی اس نے ارادہ کیا مین کسی دوسرے کی پرستش نہین کرسکتی۔ اکثر اس کے دل مین آتا کہ وہ اپنے والد سے صاف انکار کردے۔ لیکن حیا منہ بند کردیا کرتی تھی

عقد کا دن آگیا۔ سہارنپور ہی مین بارات آنے والی تھی۔ بڑی دھوم تھی۔ امینہ کے چچا سہارنپور کے معزز رئیس تھے۔ گھر مین بڑی چہل پہل تھی۔ سب خوش نظر آرہے تھے لیکن امینہ کو کوئی خوشی نہ تھی۔ آج اُس کا دل بہت بےچین تھا۔ امینہ سوچتی تھی کہ آج ہی میرے امتحان کا دن ہے۔

رات کے آٹھ بج گئے۔ بارات دروازے پر آگئی۔ سب عورتین دیکھنے کے لیے باہر کے حصہ مین چلی گئین۔ امینہ نے سوچا رہائی کا یہی موقع ہے۔ صندوق کھولا کچھ روپیہ اور زیور نکالا اور پیچھے کے دروازے سے مکان سے باہر نکل گئی۔ امینہ تعلیم یافتہ لڑکی تھی اُسے اپنے اوپر پورا بھروسہ تھا تاہم وہ کبھی اکیلے باہر نہین نکلی تھی۔ باہر نکلتے ہی دل دھڑکنے لگا۔ لیکن اسمین اب ایک جوش تھا جو اسکی کمزوریون پر غالب تھا۔ اُسکی حالت اُس بےگناہ قیدی کی سی تھی۔ جو جیل کی سنگین دیوار پھاند کر باہر آگیا ہو۔ اور ذرا سی آہٹ پر اُس کا دل دھڑکنے لگتا ہو۔ بااین ہمہ امینہ اپنی آزادی پر بہت مسرور تھی وہ ایسی تیزی سے چلی جارہی تھی کہ اپنی تیز رفتاری پر اُسے خود حیرت تھی۔

(۶)

عابد نے جسوقت سے آمنہ کی شادی کی خبر سُنی اسیوقت سے اسکی دنیا تمنا مین انقلاب آگیا یاس نے اُمید زندگی کو پامال کر دیا، وہ کسی مایوس العلاج کی طرح موت کا منتظر رہنے لگا زیست کی کوئی اُمید باقی نہ رہ گئی۔ اُسکے مکان پر ہروقت عیادت کرنیوالون کی بھیڑ سی لگی رہتی تھی عابد ایک ہردل عزیز نوجوان تھا۔ شہر کے تمام ہندو اور مسلمان عابد کے لیے دست بدعا تھے رات کے نو بج چکے تھے، کامل دو گھنٹے کی بیہوشی کے بعد عابد نے آنکھ کھولی۔ واجد سرہانے بیٹھا تھا عابد نے ہاتھ سے اشارہ کرکے پانی مانگا۔ واجد نے ایک شیشے کے گلاس مین پانی دیا۔ پانی پیکر عابد نے کہا "واجد تم میرے دلی دوست... ہو۔ اسلیے مرنے سے پہلے مین تم کو اس راز سے مطلع کرتا ہون۔ جسکے آغاز سے میری زندگی اور موت کی کشمکش شروع ہوئی"۔

مین امینہ کو پیار کرتا ہون۔ اب میرا آخری وقت آگیا۔ دیکھو یہ ہار امینہ نے مجھے اپنے ہاتھ سے پہنایا تھا، میری تمنا ہے کہ قبر مین یہ ہار میرے گلے مین ہو، مجھے اُمید ہے کہ تم اپنے مرنے والے دوست کی یہ تمنا پوری کروگے، بھائی آؤ ایک بار تم سے مل لون،، واجد کی آنکھون سے آنسون جاری تھے۔ دونون دوست لپٹ کر رونے لگے پھر ایک ہچکی آئی اور عابد ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا۔،، آنکھون کی روشنی زائل ہوگئی۔ سانس رک گئی جسم بے حس وحرکت ہوگیا قبرستان جیسے سنسان مقام پر بھی خلق خدا کا ایک عظیم الشان اژدہام تھا۔ ہر شخص مغموم ورنجیدہ تھا۔ رات کے بارہ بج چکے تھے تاہم جو سنتا تھا ننگے سر ننگے پاؤن ہو بیج جاتا تھا۔

عابد کی لاش دفن کردیگئی۔ فاتحہ پڑھا گیا۔ لوگ کف افسوس ملتے گھر واپس ہونے لگے۔ قبرستان مین پھر وہی خاموشی چھاگئی۔ عابد کی یاد مین ایک شمع آنسو بہارہی تھی۔ اسی یاس افزا سناٹے مین ایک مہ جبین زلف بکھرائے ہوئے آئی۔ اور عابد کی قبر سے ہم آغوش ہوکر بیہوش ہوگئی یہ وہی غرمان نصیب امینہ تھی،۔ اس واقعہ کو عرصہ ہوگیا۔ اگر کوئی صبح کے وقت قبرستان کے بغل والی سڑک سے نکل جائے تو عابد کی قبر پر کچھ مرجھائے ہوئے پھول اور ایک بجھی ہوئی شمع ہر روز نظر آئیگی۔ عوام کا خیال ہے کہ عابد کی قبر پر رات کو پریان آکر ناچتی ہین۔ اور وہی پھول چڑھا جاتی ہین لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ کام غریب امینہ کا ہے۔ عابد کے انتقال کے بعد اُسنے اپنی ناکام زندگی

کو قومی کاموں کیلئے وقف کر دیا ہے۔ دن بھر ملکی امور میں مشغول مصروف رہتی ہے، اور رات کو قبرستان میں جا کر عابد کے قبر پر اپنے ہاتھ کا گوندھا ہوا ہار چڑھاتی ہے۔ شمع روشن کرتی ہے۔ اور کبھی کبھی کوئی پرسوز غزل گایا کرتی ہے۔

رامیشور پرشاد سنگھ

## WIT HUMOUR & FANCY OF PERSIA

یہ انگریزی زبان کی ایک قابل قدر کتاب ہے جو فارسی زبان کے ادبیات سے متعلق ہے اس کے دو حصے ہیں، پہلا حصہ بذلہ گوئی تشبیہ واستعارہ و ہجو وغیرہ کی مثالوں پر مشتمل ہے۔ مثلاً ،، ناصر بخاری ایک بار حج کو جا رہے تھے، اثنا راہ میں انکی ملاقات سلمان شاہ سے ہوئی جو اسوقت دجلہ کے کنارے ٹہل رہے تھے، دریا اس سال طغیانی پر تھا، سلمان نے امتحان کی غرض سے یہ مصرع پڑھا ،، دجلہ را امسال رفتارے عجب مستانہ است،، اور ناصر کو دوسرا مصرع لگانے کو کہا، ناصر نے فوراً جواب دیا ،، پائے در زنجیر و کف بر لب مگر دیوانہ است،،۔ دوسرے حصہ میں لطائف و ظرائف ہیں، پاکیزہ ظرافت کی ایک مثال ملاحظہ ہو

ایک روز ملا ناصر الدین ایک مسجد میں وعظ کیلئے کھڑے ہوئے اور حاضرین کو خطاب کر کے کہا، اے ایمان والو! تم جانتے ہو میں کیا کہنے والا ہوں،، لوگوں نے کہا، نہیں، ملا نے کہا،، اگر تم اتنا بھی نہیں جانتے تو ایسے بیوقوف لوگوں کو سمجھانا بالکل فضول ہے،، دوسرے جمعہ کو انھوں نے پھر پوچھا، اے اسلام والو تم کو معلوم ہے کہ میں کیا کہونگا، لوگوں نے کہا،، ہاں،، ملا نے کہا،، اگر ایسا ہے تو میرا وعظ بالکل بے سود ہے،، تیسری بار جب ملا نے یہی سوال کیا تو لوگوں نے کہا،، ہم میں سے کچھ جانتے ہیں اور کچھ نہیں جانتے،، ملا نے جواب دیا،، اگر یہ بات ہے تو تم میں سے جو جانتے ہیں انکو چاہیئے کہ جو نہیں جانتے ہیں اُن کو بتا دیں ـ

غرضکہ کل کتاب ظرافت سے پُر ہے اور کسی بہترین ناول سے کم دلچسپ نہیں ہے

مسٹر کوکا کی کوشش قابل قدر ہے کہ انھوں نے مختلف ایرانی شعرا کا چیدہ کلام یکجا کر دیا ہے۔ اُن حضرات کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بیحد مفید ہے جنکو شعرا ایران کے بلند پروازیوں اور نکتہ سنجیوں میں خاص لطف حاصل ہوتا ہے خصوصاً انگریزی داں اصحاب کیلئے یہ کتاب فارسی لٹریچر کی رہنمائے اعظم بن سکتی ہے کیونکہ انگریزی زبان میں ہے ہمیں اُمید ہے کہ مسٹر کوکا کی یہ تصنیف مقبول عام ہوگی۔ جلد خوبصورت، ٹائپ صاف، صفحہ ۲۴۲ قیمت صہ

ملنے کا پتہ۔ مسٹر ایم۔ این کوکا سودیشی سٹرز کمپنی لمیٹڈ نوساری بلڈنگس ہارن بی روڈ، بمبئی

# طفلی کی یاد

(۱)

جھٹپٹے وقت کا ہے سناٹا     ابر چھایا ہوا ہے ہلکا سا
شام کی تیرگی سے ہین مدھم     دشت مین رہرون کے نقش قدم
چلتی ہے دھیمی موج ہوا     جیسے کوئل کی دردناک صدا
بے جھجک ایک گانون کی لڑکی
کسقدر سادہ، کسقدر بھولی
عمر ابھی جسکی نو برس کی ہے     ایک چھوٹے سے پل پہ بیٹھی ہے
خال و خط نرم، لب درخشندہ     سانس آہستہ، شکل تابندہ
ڈالتی ہے ہر ایک سمت نظر     گال رکھے ہوئے ہتھیلی پر
سر پہ آنچل پڑا ہے ساری کا     داہنے ہاتھ مین ہے جسکا سرا
پونچھتی جا رہی ہے کاجل کو     موڑ کر اک ذرا سا آنچل کو
ڈھیر ہین زرد زرد پھولون کے     سامنے جھنڈ ہین ببولون کے
قابل رشک یہ مسرت ہے
کتنی معصوم یہ فراغت ہے
آہ یہ بات ہے کسے معلوم     شادمان یہ رہیگی یا مغموم

(۲)

کوئی یہ بات کہہ نہین سکتا     "کیونکر اسکا شباب گذریگا؟"

خواہ اسکو الم ہون، خواہ خوشی
اتنا کہہ سکتے ہین مگر اب بھی

یاد اسکو جب آئیگا یہ سمان
دل سے اُٹھنے لگیگا غم کا دھوان

آہ جب وہ یہ دل مین سوچیگی
"گاؤن مین کیا فراغ بالی تھی"

کیسے ہوتی تھی شام صحرا مین
تھا مرا جب قیام صحرا مین

ہر طرف جوشِ لالہ و گُل تھا
جھونپڑے کے قریب اک پُل تھا

کھیلتی کودتی مین آتی تھی
خوشنما پُل پہ بیٹھ جاتی تھی

کیسی خوشبو تھی زرد پھولونکی
ہائے کیا چھاؤن تھی ببولون کی

مجھکو کس پیار سے کھلاتے تھے
کیسے مان باپ مسکراتے تھے

آہ جب اُس کو یاد آئے گی
اپنی ننھی سی گائے کی گھنٹی"

نہ رہے گا دماغ قابو مین
دل مچلنے لگیگا پہلو مین

کون دنیا کی بہترین خوشی
اسکو رونے سے باز رکھے گی!

سچ ہے طفلی کی گرد کے آگے
جس مین ہوتے ہین سینکڑون تارے

ہیچ خوشیان ہین زندگانی کی
خاک ہے کیمیا جوانی کی!

جوش ملیح آبادی

---

دولت کی ہوس، اصل گدائی ہے یہ
ساماں کی حرص - بینوائی ہے یہ

حاجت کم ہو، تو ہے یہ شاہنشاہی نہ
اور کچھ نہ ہو حاجت، تو خدائی ہے یہ

مولانا حالی

---

فنا کے سامنے ہم کیا ہماری ہستی کیا
برائے نام مگر اک نشان پا ہی لیا

ہوا جو ہم نفس - قطرہ بنگئی دم بھر
حباب نے بھی خودی کا مزا اٹھا ہی لیا

اکبر

# نیچرل شاعر

اس سکوتِ شب مین جبدم سب ہون ساکت و بیات — کیا وحوش و طیر کیا انسان و حیوان کیا نبات
ایک خاموشی کا عالم جب ہو تا چرخِ برین — کر چکی ہو محو جبدم آپ کو ہر ایک ذات
نیند نے مارا ہو شبخون جب سپاہ ہوش پر — ایک عالم پر ہو طاری جبکہ گہری کیفِ ممات
بیکسی چھائی ہو یکسر سرحدِ ادراک مین — امتیازِ ذات باقی ہو نہ احساسِ صفات
جب نہ ہو نیچر کی رعنائی کا کوئی قدردان — کس مپرسی دیتی ہو جلوۂ فطرت کو مات
ہو کا منظر ہو جہان مین مثلِ روزِ اولین — ذاتِ واحد کے سوا ہو بے خبر کل کائنات
چارسو جبدم ہو سناٹا عجب چھایا ہوا — اور وجودِ ممتنع کی حد مین ہون سب ممکنات

جاگتا ہے تو فقط او واقفِ اسرارِ حق
دل ہی دل مین لے رہا ہے رازِ فطرت سے سبق

(۲)

منہمک تو جستجوئے رازِ یزدانی مین ہے — مشتغل ہر دم حصولِ حظِ روحانی مین ہے
صورتِ تصویر بیخود رنگِ عرفانی مین ہے — تو مجسم ذوق بنکر لطفِ پنہانی مین ہے
گو بھلا بیٹھے ہین سب دنیا و مافیہا کا درس — نسخۂ عرفان کی تو اوراق گردانی مین ہے
شرق سے تا غرب ہے تیرے تخیل کی اُڑان — توسنِ طبعِ رسا سرگرمِ جولانی مین ہے
تجھسے باتین کر رہا ہے دہر کا ہر ہر وجود — بے سبب مشغول کب تو زمزمہ خوانی مین ہے
تیری نظرین دوڑتی ہین چار سو آفاق مین — وسعتِ کون و مکان تیری قلمرانی مین ہے
گاہ اجرامِ سماوی سے ہے مصروفِ کلام — گاہ اجسامِ زمین سے تو سخن رانی مین ہے
روز دیتے ہین تجھے آثارِ یزدانی سبق — نکتہ سنجِ معرفت تو بزمِ امکانی مین ہے

دا ہے انجام و نتائج پہ تری چشم بصیر — تو حقیقت بین حکمت [illegible]انی مین ہے
ہر نصیحت ریز و عبرت خیز تیرا ہر مقال — تو بقا آموز ہستی عالم فانی مین ہے
کھینچتا ہے جذبۂ فطرت کے تو نقش و نگار — تو عجب تمثال گر بزم ہیولانی مین ہے
مرحبا انوار قدرت کے مصور مرحبا — کب یہ قدرت خامۂ بہزاد و مانی مین ہے
ترجمان راز نیچر ہے اگر تیری زبان — سچ کہا ہے سچ کہ تو تلمیذ رحمانی مین ہے

کاشف اسرار حق ہے زمزمہ خوانی تیری
متفق ہین سب کہ وہبی ہی خوش الحانی تیری

۳

مرحبا لذت فزائے گرم و سرد روزگار — آفرین عبرت فروز گردش لیل و نہار
سچ تو یہ ہے ذات ہے تیری جہان مین مغتنم — صفحۂ ہستی یہ ہے جسکی ضرورت آشکار
جو نہوتا گلشن ایجاد مین تو گلفشان — رنگ دکھلاتا نہ کچھ کیف خزان لطف بہار
بزم ہستی مین نہوتا گر ترا نقش وجود — خوشنما اتنے نہوتے قدرتی نقش و نگار
یون پرکھتا کون کیفیات و کمیات کو — صیرفی ذہن تیرا اگر نہ بنتا یان عیار
زنگ قدرت کو جلا دیکر جلا دیتا ہے تو — صیقل جدت سے نقش محو دیتا ہے ابھار
عالم معنی مین ہر تو گاہ نقاش صور — اور کبھی تو بزم صورت مین ہوا معنی نگار
جن مواقع کی کبھی تصویر کھینچ سکتی نہین — وان قلم تیرا بناتا ہے نئے نقش و نگار
تو ہی محسوسات سے لیتا ہے وجدانی اثر — کیف وجدانی کو تو لاتا ہے صورت مین ابھار
تو سمجھ لیتا ہے ہر انجام پر آغاز کو — تو سجھا دیتا ہے ہر آغاز پر انجام کار
موسم گل کا مزہ لیتا ہے تو وقت خزان — اور اٹھاتا ہے خزان کا لطف ہنگام بہار
تیری نظرون مین ہین آلام و مصائب عیش خیز — مستی عیش و طرب ہے تیرے آگے زہر مار
زمزمہ سنجی کبھی تیری نہین لغو و دروغ — خامہ فرسائی نہین تیری فضول و ہرزہ کار
انقلابات زمانہ کے نتائج دیکھکر — تو ہی ابن الوقت کو کرتا ہے آخر ہوشیار
روح تازہ پھونکتا ہے تو فسردہ قوم مین — خواب غفلت کا کبھی آنے نہین دیتا خمار

کرکے تو شاہ و رعایا کے فرائض منکشف
تو جتا کر عہد اور مبود کے قول و قرار
یون اُنھین ترغیب دیتا ہے ادائے فرض کی
یون اُنھین ڈیوٹی پہ اُنکی چاہتا ہے استوار
ریویو کرتا ہے تہذیب و تمدن پر کبھی
مذہب ملت کا دل سے چاہتا ہے تو سُدہار
اسطرح ہوتا ہے ملک و قوم کی بہبود مین
تو اُٹھا رکھتا نہین کوشش مین اپنی کچھ ادھار
زجر اور توبیخ کرکے نفس کو کرتا ہے رام
نفس امارہ کو مثل مار تو دیتا ہے مار

تیرا نقد و تبصرہ ہان شہرۂ آفاق ہے
تو ادیب نفس ہے تو منبع اخلاق ہے
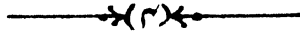
(۴)

زمزمہ سنجی تری بیشک مفید عام ہے
جسکو کہتے ہین رفاہ عام تیرا کام ہے
ہر زبان پند و نصیحت مین ہے تو رطب اللسان
چشمۂ فیض العرض تیرا دہان و کام ہے
تیرا ہر ہر شعر ہے اک نکتۂ حکمت نما
تیرا ہر ہر لفظ گویا کلمۂ الہام ہے
ہے نظر تیری سدا اصل و حقیقت کیطرف
حق شناسی حق نمائی تیرا پہلا کام ہے
تاکہ سب کثرت مین وحدت جلوہ آرا دیکھ لین
خوشنوائی سے غرض تیری صلائے عام ہے
ہین وہ نادان جانتے ہین جو تجھے ہرزہ سرا
خام و لایعقل ہین جنکا یہ خیال خام ہے
فی المثل گر روز روشن کو نہ دیکھے شپرک
کیا ضیاء مہر انور پر کوئی الزام ہے
مٹ نہین سکتا ابد تک مثل نقش کالحجر
ثبت ایسا دفتر عالم مین تیرا نام ہے

تیرے جذبات و تجارب ہین وہ دستور العمل
جنمین آسکتا نہین زنہار ذرہ بھر خلل

محمد عنایت نبی ارشد کندر کھوی

ابوالمعانی مرزا یاس صاحب عظیم آبادی نے ازراہ عنایت قدیمانہ ہمارے پاس، مشاعرہ ’بزم گلشن الہ آباد‘ کا مختصر انتخاب ارسال فرمایا ہے، جو ۱۰ فروری ۱۹۲۴ء کو ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو کے سی ایس آئی کی صدارت مین منعقد ہوا تھا، اس مشاعرہ مین دہلی اور لکھنؤ کے علاوہ ملک کے اور شعرائے نامدار بھی شریک تھے مستحق ستایش ہیں دیوان رادھے ناتھ صاحب گلشن، جنکے التفات خاص سے الہ آباد مین، مشاعرہ بزم گلشن، قائم ہے۔

## جناب سائل دہلوی

تسلی یون مری کر دی ستمگر نے دم رخصت — کہ شامین بھی ہوا کرتی ہیں دنیا میں سحر ہوکر
دکھاتی ہیں مزے آہیں مری مجکو بھی اونکو بھی — کسی دن بے اثر ہوکر کسی دن با اثر ہوکر

## جناب نوح ناروی

مجازی سے پتہ ہم کو ملا عشقِ حقیقی کا — کہان ہوکر کہاں آئے کدھر پہونچے کدھر ہوکر
دم آخر مریضِ عشق نے یون کروٹین بدلین — کہ دنیائے محبت رہ گئی زیر و زبر ہوکر

## جناب ڈپٹی جگموہن ناتھ شوق

ابھی شام شب غم ہی مین ہے ایسی ردی حالت — خدا جانے طبیعت رنگ کیا لائے سحر ہوکر

## جناب مرزا ثاقب لکھنوی

ہزاروں کاروانِ غم ہیں منزل پھر بھی ہے خالی — یہ دل کتنا بڑھا اے دوست تیری رہگذر ہوکر

## جناب نانک لکھنوی

جواب نامہ لایا ہے۔ خدا کی شان تو دیکھو ہمیں سے ناز کرتا ہے ہمارا نامہ بر ہو کر

## جناب بسمل الہ آبادی

ہمیں اے شوق مرگ اب اسکو چلکر آزمانا ہے خدا کے گھر پہونچ جاتے ہیں کیونکر اونکے گھر ہو کر
ادھر ہو کر تو مجھپر دل نے لاکھوں آفتیں ڈھائیں خدا جانے کرے کیا کیا ستم اب یہ ادھر ہو کر

## جناب پنڈت رام ناتھ آغا

اثر ہوتا ہے اُلٹا بدنصیبوں کی دعاؤں کا ہمارا نالۂ دل کیا کرے گا با اثر ہو کر
خدا کا گھر سمجھکر ہم نے پوجا دل کے مندر کو گذاری زندگی دیر و حرم سے بے خبر ہو کر

## جناب عباس سہارنپوری

تمنائے رہائی میں نہاں رازِ تلوّن ہے قفس کی زندگی بھی یاد آئے گی بسر ہو کر
نہ ہو منت کش نظارۂ بے مدعا اے دل شہیدِ جلوہ زارِ حسن ہو جا دیدہ ور ہو کر

## جناب ڈپٹی محمد احمد صاحب وفا

سوا اسکے کہ سر اپنا ہی کھائیں حضرتِ ناصح نتیجہ اور کیا نکلے گا دیوانون کے سر ہو کر

## جناب وفا جونپوری

شبِ غم زندگی میں ختم ہو جاتی تو اچھا تھا جہاں سے اُٹھ گئے جب ہم تو کیا ہو گی سحر ہو کر

## حضرت گلشن

دہن سے بات جو نکلے وہ نکلے با اثر ہو کر صدف سے نکلے جیسے آب کا قطرہ گہر ہو کر
نہ سمجھے خاک بھی آدم نکل کر باغ رضواں سے رہا شیطان کا قبضہ خدا کا دل میں گھر ہو کر
تعلق دو جہاں کا ایک چکر ہے بہت ٹیڑھا جو جاتا ہے ادھر ہو کر وہ آتا ہے ادھر ہو کر

## جناب یاس عظیم آبادی

قفس مین بوئے مستانہ بھی آئی دردِ سر ہو کر نویدِ ناگہاں پہونچی ہے مرگِ منتظر ہو کر
جواب آیا تو کیا آیا صدائے بازگشت آئی دہن سے آہ نکلی مبتدائے بے خبر ہو کر۔

نگاہِ شوق سے کیا کیا گلوں کا دل دھڑکتا ہے
مبادا رنگ و بو اُڑ جائے پامالِ نظر ہو کر

کہاں پر نارسائی کی ہے پروانوں کی قسمت نے
پڑے ہیں منزلِ فانوس پر بے بال و پر ہو کر

فلک کو دیکھتا ہوں اور زمیں کو اُٹھاتا ہوں
مسافر در وطن خانہ بدوشِ رہگذر ہو کر

عدو کیا زہر دیتا ہے ہم ایسے تلخ کاموں کو
لہو کا گھونٹ اتر جاتا ہے جب شیر و شکر ہو کر

رہائی کا خیالِ خام ہے یاں کان بجتے ہیں
اسیر و بیٹھے کیا ہو گوش بر آواز در ہو کر

عجب کیا وعدۂ فردا پسِ فردا پہ ٹل جائے
کوئی شام اور آ جائے نہ شام بے سحر ہو کر

مبارک نام آزادی سلامت دام آزادی
دعائیں دوں کسے یا رب اسیرِ بال و پر ہو کر

# حسیاتِ نازش

چھیڑ پر دل کی اُمنگیں ہیں وہ انجانوں میں ہے
ایک بھولی شکل کتنے شوخ ارمانوں میں ہے

مبتلا ہونا ہے ناصح کوئی اپنے بس کی بات
دل گواہی دے رہا ہے تو بھی دیوانوں میں ہے

یاد ہے کہنا کسی کا ہم تمھارے ہو چکے
منتظر ہوں میں ابھی تک یہ صدا کانوں میں ہے

لٹ رہی ہے حسن کی دولت بڑی اونچی جگہ
کیا بتاؤں شمع روشن کس کے ایوانوں میں ہے

طلعتِ زیبائے ساقی ہے بہارِ میکدہ
بھر بہارِ میکدہ کا عکس پیمانوں میں ہے

میں ہوں غیروں میں کہ میرا عشق ہے رسوائے عام
تو ہے اپنوں میں کہ تیرا ذکر بیگانوں میں ہے

کیا ہماری خاک ہے عہدِ جنوں کی یادگار
جو اُڑائی تھی کبھی اب تک بیابانوں میں ہے

رخنۂ دیوار پر ہے طوقِ زنداں کا گماں
اے جنوں سازِ اسیری خانہ ویرانوں میں ہے

خوف تھا مسجد میں نازش کو عصائے شیخ کا
بوریا بندھا بڑی مدت سے میخانوں میں ہے

نازش بدایونی

# علمی نوٹ

بعض نوخیز حضرات نے سرقۂ مضامین اپنی مفروضہ شہرت کا زیور بنا لیا ہے، نظم تو نظم نثر کے سرقے سے بھی نہیں چوکتے،

اس سے پہلے ہم، سردار صاحب کی پہلی بھبتی کی خطرناک جسارت کو منظر عام پر لا چکے ہیں، آج مکرمی سرشار صاحب کسمنڈوی، کے مضمون کا اقتباس ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں، جس میں سردار حسین صاحب لکھنوی کی بیباکی پر روشنی ڈالی گئی ہے،

"زمانہ ماہ فروری ۱۹۲۳ء کے صفحہ ۱۲۱ پر جناب منشی نوبت رائے نظر مرحوم لکھنوی کی ایک ۱۴ شعر کی غزل شایع ہوئی تھی، غزل کیا تھی درد و اثر سوز و گداز کی مکمل تصویر تھی، اشعار میں دلکشی اس درجہ تھی کہ اب تک مجھے تمام شعر یاد ہیں۔

اسی زمین میں ایک غزل جناب محمد سردار حسین صاحب بہزاد لکھنوی کی بھی رسالہ ترچھی نظر لکھنؤ بابت ماہ مئی ۱۹۲۴ء میں صفحہ ۲۴ پر شایع ہوئی ہے جس میں تین شعر حرف بہ حرف نظر مرحوم کے نقل کر لیے گئے ہیں۔ ایک آدھ نقطہ کا تغیر او رتبدل کیا گیا ہے باقی سب وہی ہے جو نظر مرحوم کہہ گئے ہیں، ملاحظہ فرمائیے

| | |
|---|---|
| ۱۔ نظر مرحوم۔ سُن لو کہ رنگِ محفل کچھ معتبر نہیں ہے | ہے اک زبان گویا شمع سحر نہیں ہے |
| ۱۔ بہزاد۔ سُن لو کہ رنگِ دنیا کچھ معتبر نہیں ہے | ہے اک زبان گویا شمع سحر نہیں ہے |
| ۲۔ نظر مرحوم۔ دل تھا تو ہو رہا تھا احساس زندگی بھی | زندہ ہوں اب کہ مردہ مجھکو خبر نہیں ہے |
| ۲۔ بہزاد۔ دل تھا تو ہو رہا تھا احساس زندگی بھی | زندہ ہوں اب کہ مردہ مجھکو خبر نہیں ہے |

۳۔ نظرؔ مرحوم ۔ کیا گو مگو میں ای دل اسرار بیخودی بھی — سب کی خبر ہے مجھکو اپنی خبر نہیں ہے

۴۔ بہزاد ۔ بہزاد گو مگو میں اسرار بیخودی بھی — سب کی خبر ہے مجھکو اپنی خبر نہین ہے

پہلے شعر مین محفل کی جگہ دنیا ہی مگر دوسرا شعر نقط بہ نقط ہے، تیسرے شعر مین "کیا" اور "ای دل" نکالکر بہزاد کا اضافہ کرکے مقطع بنا لیا گیا ہی، ایسا لطیف شعر اور اُسکے ساتھ یہ بھونڈا پن لاحول ولا قوۃ اتنا کھلا ہوا سرقہ کرنیوالونکو جس مین توارد کا احتمال بھی نہین کیا جا سکتا) غریب اُردو پر رحم کرنا چاہیے پرائے مال کو غصب کرنا، انسانیت و شرافت کے منافی ہے۔ جو حضرات دوسرون کے مضامین کو الٹ پلٹ کر اپنا بنا لینے کے عادی ہوگئے ہین۔ انہین اس مذموم عادت سے باز آنا چاہیئے اور اگر وہ درحقیقت شاعری کے اہل نہین تو ہمارا مشورہ ہے کہ شعر گفتن چہ ضرور،

---

اس رسالہ مین باز بہادر اور روپمتی کی تصویر ہدیہ ناظرین کیجاتی ہی، روپمتی سردار دھرم پور کی عفت مآب بیٹی تھی اور باز بہادر منڈو کا راجہ نربدا کے کنارے اتفاقاً دونون مین ملاقات ہوئی اور دو معصوم دلون مین محبت کا رشتہ قائم ہوگیا، روپمتی کا باپ، درشت مزاج ٹھاکر تھا، اسے گوارا نہ تھا، کہ روپمتی ایک مسلمان سے محبت کرے، چنانچہ اُس نے روپمتی کے سامنے زہر کا پیالہ پیش کیا، عین اُسوقت جب روپمتی باپ کی خفگی اور خاندان کی شرم سے زہر کا پیالہ ہونٹون تک لا چکی تھی باز بہادر پہونچ گیا اور لڑ بھڑ کر روپمتی کو اپنے ساتھ لے گیا، باکمال مصور نے اس منظر کو نمایان کیا ہی جب روپمتی اور باز بہادر، گھوڑون پر سوار دریا کو عبور کر رہے ہین، تماشہ کن نگاہین، دونون کنارون سے تعاقب و پیشوائی مین مصروف ہین، مگر ایک طرف سے مایوس اور دوسری طرف سے مسرور۔ آیندہ نمبر مین انشاء اللہ اس صداقت شعار دوشیزہ کی مفصل داستان پیش کیجائیگی،

---

اگست دسمبر کا پرچہ زیر طبع ہے۔ انشاء اللہ بہت جلد حاضر خدمت ہوگا۔

# زمانہ

جلد ۴۳ اگست و ستمبر ۱۹۲۴ء نمبر ۲-۳

## غیر ملکون مین ہندو آبادیونکے نشانات

بین پچیس سال ہوئے پنڈت ہربلاس سارڈا نے ہندو سپیریارٹی (تمدن ہندکی عظمت) کے نام سے ایک کتاب تالیف کی تھی جس مین مغربی محققون اور مصنفون کی کتابون کے اقتباسات سے ہندو تمدن کی بے نظیر عظمت و لطافت کے ساتھ ساتھ یہ بھی ثابت کیا تھا۔ کہ اگلے وقتون کے ہندو بڑے اولی العزم اور عالی ہمت تھے جنھون نے سائبیریا۔ ترکستان۔ مغربی ایشیا یونان مصر وغیرہ وغیرہ مغربی اور مشرقی ملکون مین جا کر ہندو تمدن کی عظمت کا جھنڈا اگاڑ دیا اور جا بجا بستیان بسائین۔ جب غیر ہندو موصوف کی کتاب پڑھتے ہین تو حیرت سے پوچھتے ہین کہ کیا موجودہ ہندو انھین بزرگون کی اولاد سے ہین۔ جنکی نسبت پنڈت ہربلاس داس جی یہ دعوی کرتے ہین کہ انھون نے ممالک غیر کو تمدن کا سبق پڑھایا۔ اور غیر ملکون مین اپنی بستیان بسائی تھین بعض حق پسند ہندو بھی اسی قسم کے سوالات کرتے ہین۔ اور اس دعوے کو حقیقت سے بیگانہ سمجھتے ہین۔ یہ مغالطہ غالباً اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ کہ پنڈت صاحب موصوف نے ان تصانیف پر اعتبار کیا ہے جو آج سے ساٹھ ستر سال کی تحقیقات کے نتائج سے مملو ہین۔

یہ مسئلہ بہت نازک ہی اور ایک مختصر مضمون مین اس کے اہم اور دلچسپ پہلوؤن پر وضاحت وصراحت سے بحث کرنا ناممکن ہے۔ لیکن ہمین شبہہ نہین کہ اسلاف ہند اور موجودہ ہندوؤن کے درمیان کوئی مناسبت نہین۔ خیالات اور عادات مین زمین وآسمان کا فرق پیدا ہوگیا ہی پانچوین صدی عیسوی سے پہلے کے ہندو ایسے تنگدل نہ تھے جیسے کہ اب ہین۔ اُس زمانہ مین ہمارے بزرگون کو غیرون سے کسی قسم کا پرہیز نہ تھا۔ جو کہ موجودہ ہندوؤن کا حیرت انگیز خاصہ ہے۔ اغیار ہندو دھرم قبول کرکے ہندودان آشرم مین جگہ پاتے تھے۔ یہ بات نہ صرف مہابھارت۔ رامائن۔ پوران۔ دھرم شاستر ہی سے ظاہر ہوتی ہے۔ بلکہ گذشتہ چوتھائی صدی کی تحقیقات (آرکیالوجی) سے بخوبی ثابت ہے۔ بہلسہ (ریاست گوالیار) سے چار میل پر دیش نگر نامی ایک گانون ہے۔ وہان پر ایک پرانا ستون ہے، جس پر ایک سنسکرت کتبہ کندہ ہے، اور جو ۱۴۰ قم بین بنایا گیا تھا، اسکا بانی ہندودھرم کا مقلد ایک یونانی ہیلیو ڈورس تھا جو شاہ تک [illegible] کی طرف سے مالوہ کے راجہ کے دربار مین سفیر تھا۔ اب تمام لوگ اس ستون کو کلم بابا پکارتے ہین اور اسکی پوجا کرتے ہین۔

بعض سکون اور کتبون سے اب واضح ہوگیا ہے کہ مہیر کل اور توآمان جو ہنون کے سردار تھے ہندو دھرم کے پیرو تھے، اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہندو ایسے فراخ دل اور بالغ نظر تھے تو اغیار سے نفرت اور چھوت چھات کیسے اور کب پیدا ہوئی۔

اس سوال کا جواب البیرونی نے اپنی مشہور تصنیف۔ کتاب الہند کے شروع مین دیا ہی انکا بیان ہے کہ جب خراسان اور میسوپوٹامیہ کے بودھ لوگون پر وہان کے حکمرانون نے ظلم اور تشدد شروع کیا۔ اور وہ لوگ بھاگ کر ہندوستان کو چلے آئے۔ تو غیر ملکون کے خلاف ہندوؤن کے دلو مین نفرت پیدا ہوگئی، دوسرا سبب البیرونی نے یہ بیان کیا ہے کہ جب ابوالقاسم فتح کرتا ہوا ملتان مین وارد ہوا۔ تو وہان پر آدتیہ دیوتا کی پوجا زورون پر تھی۔ لوگ بڑے دولتمند اور آسودہ حال تھے اسکی وجہ پوچھنے پر لوگون نے آدتیہ کی مورتی کی طرف اشارہ کیا۔ اس پر ابوالقاسم نے گائے کے گوشت کا ایک بڑا ٹکڑا مورتی کے گلے مین لٹکا دیا۔ کچھ تعجب نہین کہ عربون کی انہین حرکات سے ہندوؤن کے دل مین اغیار سے

نفرت پیدا ہو گئی،

اگر واقعی ہندو ایسے تنگ ظرف اور اغیار سے متنفر ہوتے۔ جیسے کہ وہ اب ہین۔ تو وہ غیر ملکون مین جا کر نہ ہندو تمدن پھیلا سکتے۔ اور نہ شاندار بستیان اور حکومتین قائم کرنے مین کامیاب ہوتے۔

واقعہ یہ ہے کہ ہندو غیر ملکون کو اس مقصد سے نہین جاتے تھے کہ وہ اغیار کو زیر کر کے مالامال ہون۔ بلکہ انہین شایستہ بنانے کی کوشش کرتے تھے اور اسمین وہ کامیاب ہوتے رہے۔ صرف دنیا مین ایک ہی قوم ایسی تھی، جو ملک گیری کے عام اور مسلمہ مقصود سے بہت کچھ الگ تھی۔ اور وہ پرانے زمانہ کے ہندو قوم تھی بیشک فنشیا اور کارتھج والے بھی ملک گیری سے گریز کرتے رہے۔ مگر وہ غیر ملکون کو تجارت کے لیے جاتے تھے۔ اور تجارت کے لیے بستیان بساتے تھے،

تمدن سے ناآشنا قومون کو متمدن اور شائستہ بنانا اور انہین اپنے مذہب اور اخلاق سے بہرہ اندوز کرنا وہ مبارک کام ہے۔ جس پر ہر ایک ہندو جائز فخر کر سکتا ہے۔ اور یہ ان کی قدیم ترین متبرک روایات کے عین مطابق ہے۔ جس اعلیٰ انسانیت اور اخلاق سے ہندو آراستہ تھے۔ اس کی نظیر پرانے زمانہ کی قومون مین شاذ ہی ملے گی۔

گذشتہ تیس سال کی اثر تحقیقات سے جو مشرق اور مغرب مین ہوتی رہی ہے۔ ایشیا کے تین مختلف خطے ظاہر ہوتے ہین۔ جنھین اسلاف ہند کے اعلیٰ تمدن کا فیض نصیب ہوا تھا اور جو نشانات برآمد ہوئے ہین، ان سے ظاہر ہے کہ قریب قریب ایک ہی وقت مین ہندو قوم کے دستے شمال۔ جنوب اور مشرق کیطرف روانہ ہوئے تھے۔ چینی ترکستان مین ختن اور یارقند کے صوبون مین صحرا کے اڑتی ہوئی ریت کے نیچے دبے ہوئے شہرون سے ہزارون تحریرین اور کتبے نکلے ہین۔ جو ۱۹۰۱ء اور ۱۹۰۸ء کے درمیان ڈاکٹر اورل اسٹائن کی تحقیقات کے دوران مین دستیاب ہوئے تھے، جنوب مین جزیرا سماٹرا اور جاوا اور بالی مین شاندار نشانات اور کھنڈر پائے گئے ہین۔ اور مشرق مین ہند چینی کا وہ خطہ ہند و تمدن کی یاد تازہ کیئے ہوئے ہے۔ جو کمبوڈیہ کے نام سے مشہور ہے۔ مغربی ایشیا اور مصر سے ایسے آثار

نکلے جن سے ہندو بستیون کی ہستی کا پختہ ثبوت مل سکتا۔ گو ۱۹۰۶ء مین بوغاز کوئی کے
کھنڈرون سے ایک خشتی تحریر ہاتھ لگی تھی۔ جس مین اس علاقہ کے سردار اور ویدون کو ماننے والی
قوم (ہندو) کے درمیان ۱۴۰۰ ق م مین ایک معاہدہ طے پانے کا ذکر ہے۔ رہا مصر۔ اسکی
نسبت اکثر محقق استدلال تمثیلی سے کام لیتے اور اسے ہندوؤن کی بستی ثابت کرتے ہین مگر
ایسے نشانات نہین ملتے۔ جیسے جاوا اور کمبوڈیہ مین پائے جاتے ہین۔ صرف شہر ممفس کے
کھنڈرون کے درمیان پنجاب کے ایک آریہ پرش اور استری کی تصویر ۱۹۰۸ء مین برآمد
ہوئی تھی، جسکی نسبت پروفیسر سر فلنڈر پیٹری نے یہ گمان ظاہر کیا کہ پرانے ہندوؤن اور
مصریون کے درمیان براہ راست راہ و رسم قائم تھی

جاوا مین ہندوؤن نے بستیان بنانے ہی پر اکتفا نہین کیا۔ بلکہ بہت بڑی سلطنت قائم
کی جو کئی سو برس تک رہی۔ اس شوکت کے زمانہ مین بوروبدا کا عظیم الشان مندر تعمیر ہوا تھا
جو عجائبات روزگار مین شمار ہوتا ہے۔ اس کی نازک اور نفیس سنگ تراشی کے نمونے جو اس
بے نظیر مندر کی دیوارون پر نصب ہین۔ مغربی سیاحون کی حیرت و استعجاب کے باعث ہین،
کرنیل ٹاڈ کی راے مین سورج بنسی کھشتریون نے مجمع الجزائر ہند مین بستیان بسائی تھین۔
الفنسٹن کی راے مین کالنگ دیش کے لوگون نے جاوا آباد کیا اور وہان کے اصل باشندون
کو ہندو تمدن سکھایا تھا۔ پروفیسر ہیرن اور سر اسٹام فرڈ رفلز کی راے مین براہمنون
نے جاوا کے مشرقی ساحل پر بستیان بسائی تھین،

فرگیوسن لکھتا ہے کہ ۶۰۳ء مین گجرات دیش کا ایک راجہ پانچ ہزار ہمراہیون کے ساتھ
جاوا مین وارد ہوا تھا۔ فاہیان چینی سیاح کے بیان کے روسے چوتھی صدی مین جاوا مین ہندوؤن
کی بستیان بڑے عروج پر تھین، جاوا کی معاشرت پر ہندو تمدن کا مستقل اثر پڑا ہے۔ وہان
کا لٹریچر مہابھارت اور دیگر مسلمہ ہندو کتابون پر مبنی ہے۔ زبان مین سنسکرت الفاظ
نے تصرف حاصل کرلیا ہے۔ رسم و رواج ہندوانہ ہین۔ گو اب جاوا کے لوگ اسلام کے
معتقد ہین مگر معاشرت اور روایات مین ہندو ہین، بہت سے جغرافیائی نام ہندو اصل
اور سنسکرت کے ہین۔ جیسے سیمرو۔ پرم بن۔ مدورہ۔ سک بومی (سکھ بھومی)،

بارت یُد (بھارت یدہ) اور ارجن بورہ کا جاورکے ادبیات مین بڑا درجہ ہے کیی سنسکرت زبان کے کتبے مختلف مقامات سے برآمد ہوچکے ہین جن سے اس ملک کی تاریخ پر معمولی روشنی پڑتی ہے۔ یونیورسٹل نیشنل انسائکلو پیڈیا مین مذکور ہے۔ کہ جاور مین ہندو اقتدار پانچوین صدی مین شروع ہوا اور اس جزیرہ کے مذہب اور نظام ملک داری۔ اور زبان اور لٹریچر پر اسکا گہرا اثر پڑا۔ جاور کے ہندو تمدن کی شوکت کا اثر سماترا۔ بورنیو۔ اور مجمع الجزائر ملایا تک پہونچا تھا۔ بعض اسے پاپوا (نیوگنی) اور آسٹریلیا تک بھی غالب مانتے ہین،

جاور کی حکومتی شوکت پندرھوین صدی تک رہی۔ اس کے باج گزار کئی اور حکمران بھی تھے۔ اور اس کا اثر دور دور تک پہونچا تھا، مشہور مندر آٹھوین اور دسوین صدیون کے درمیان بنے تھے، مگر منانگ کے کتبہ سے ظاہر ہے کہ سات منزلہ وہارا مہا راجہ دھرم آدتیہ نے ۶۵۶ء مین تعمیر کرایا تھا، جاور کے ہر حصہ مین کھنڈر پائے جاتے ہین۔ مگر سب سے زیادہ شاندار مندر وسطی خطہ مین ہین، جو سطح مرتفع دہانگ کہلاتا ہے۔ اس پہاڑی کی بلندی (۶۵۰۰) فٹ ہے۔ اوپر چڑھنے کے لیے چوڑے زینے ہین۔ جو شمار مین (۴۷۰۰) ہین۔ اوپر سے پانی کے نکاس کے لیے ایک زمین دوز نہر بنی ہوئی ہے۔ جو ہندوؤن کی ہنرمندی کا قابل قدر نمونہ ہے۔ اس پہاڑ پر بورو بدر کا مشہور زمانہ عظیم الشان مندر ہے۔ اسکی بلندی ڈیڑھ سو فٹ ہے، اس کی چار منزلین ہین۔ یہ عمارت نہین، پہاڑ معلوم ہوتا ہے۔ لاوا کے پتھرون کے بڑے بڑے ڈھیلے کاٹ کر بغیر گارے چونے سمنٹ کے پیوست کئے گئے ہین، اسکی آرائش سنگ تراشی کے بہترین ہنر سے کی گئی ہے۔ دیوارون پر سینکڑون مناظر تاریخ ہند۔ ہندو روایات۔ ہندو دیوی دیوتاؤن اور مشہور واقعات کی تصویر بڑی نازک صناعی سے منقش ہین، مندر کی زیرین منزل کا ہر ایک ضلع (۴۹۷) فٹ اور ارتفاع پچاس فٹ ہے۔ باقی تین منزلین بھی اسی قسم کی ہین۔ سب کے اوپر بہت بڑا گنبد ہے جس کا قطر ۵۲ فٹ ہے۔ اس کے گرد سولہ اور چھوٹے گنبد گھنٹی کے شکل کے ہین۔ اگر آرائشی پتھر اور مورتیان ایک میدان مین آراستہ کیجائین

تو وہ تین میل تک لمبی قطار بن جائے۔ اس سے آپ اندازہ کر لیجئے۔ کہ بورو بدر کا مندر
کیسا عظیم اور فن تعمیر کا کیسا اعلیٰ اور بے نظیر نمونہ ہے، اس کی صناعی کے بیان سے قلم اور
زبان دونوں قاصر ہیں، یہ ہندو شوکت کی زندہ جاوید یادگار ہے،

کمبوڈیہ کو سنسکرت میں کمبوج کہتے ہیں۔ مہابھارت اور نیز پورانوں میں کمبوج
لوگوں کا کہیں کہیں ذکر ملتا ہے۔ یہ ملک تھیام کے مشرق میں واقع ہے۔
انسائیکلوپیڈیا برٹانکا میں لکھا ہے کہ ہندو کمبوڈیہ میں سنہ عیسوی سے کچھ عرصہ پہلے ہندوستان
کے مشرقی ساحل سے جاکر آباد ہوئے تھے۔ اور پرانے باشندوں کو تمدن اور مذہب سکھایا تھا
جس کے نشانات ابتک جابجا نظر آتے ہیں۔ پانچویں صدی میں ہندو دھرم اور ادبیات
اور علوم و فنون نے زور پکڑا۔ راجہ شتر وورمن کی زیر ہدایت کھمیر قوم نے بہت اقتدار حاصل
کیا مگر ساتویں صدی میں شتر وورمن کے شاہی خاندان کا نام مٹ گیا۔ کمبوڈیہ کی سلطنت دو
حصوں میں منقسم ہوگئی۔ مگر نویں صدی کے شروع میں دونوں ہندو شاہی خاندان باہم مل
کر ایک ہوگئے۔ اور جے ورمن کے شاہی خاندان کا راج شروع ہوا۔ جس کے دوران میں
ہندو شوکت انتہائی درجہ پر پہونچ گئی۔ اسی زمانہ میں وہ شاندار مندر تعمیر ہوئے تھے۔ جو
اب تک رخصت شدہ ہندو عظمت کا پتہ دیتے ہیں۔ تیرھویں صدی میں کمبوڈیہ کی ہندو سلطنت
زوال پذیر ہوگئی۔ مگر اصلی اسباب معلوم نہیں۔ کہ کیوں ہندو اقتدار تباہ ہوا تھا۔ کمبوڈیہ کے
لوگ اب تک ہندو رسم و رواج اور روایات کے مقلد چلے آتے ہیں۔ انام کے لوگ بھی
پتری پوجہ یعنی شرادھ وغیرہ کے پابند ہیں۔ گو وہ برائے نام بدھ مت کے معتقد ہیں۔
ہندو عظمت کے نشانات انگ کر میں پائے جاتے ہیں جس کی بنیاد جشو وا من نے
۹۰۰ء میں ڈالی تھی۔ یہ شہر اب جنگل میں واقع ہے۔ ایک طرف بڑی جھیل اور دوسری
طرف دریا ہے۔ دور تک کھنڈر پھیلتے چلے گئے ہیں۔ ان کھنڈروں میں سب سے مشہور
انگ تھم اور انگ وٹ کا مندر ہے جو دریائے سیم ایپ کے کنارہ پر واقع ہے۔ بقول فرانسیسی
محقق نے کمنی انگر تھم کی تعمیر جے وامن سوم کے عہد میں ۸۶۰ء میں شروع ہوئی تھی۔ اور
چالیس سال تک بنتا رہا۔ اس کا نقشہ مستطیل ہے جو ہر طرف دو دو میل تک لمبا ہے۔

اس کے ارد گرد بیس بیس فٹ اونچی دیواریں کھڑی ہیں۔ اسکے پانچ بڑے بڑے دروازے ہیں۔ اس احاطہ کے اندر محلات اور مندر ہیں۔ جو بیلوں اور درختوں سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ یہ مخروطی شکل کا مندر ہے جس کی نازک سنگ تراشی پرانے ہندوؤں کی صنعت پر دال ہے۔ مگر سب سے بڑا اور مشہور مندر انگکر ووت کا ہے۔ جو پرانے شہر کے جنوب میں واقع ہے۔ یہ ایک مستطیل پارک میں ہے۔ اسکے ارد گرد پانی کی خندق تھی، جس کا محیط چھ ہزار گز سے اوپر ہوگا۔ انہی کی رائے میں یہ بارھویں صدی کا ہے۔ اسکی تین منزلیں ہیں یہ برہما جی کی پوجا کے لیے مخصوص تھا۔ اور مندروں پر برہما جی کی چومکھی مورتیاں بیسوں کی تعداد میں بنی ہوئی ہیں بیچ میں مخروطی مینار ہے۔ اور دونوں سروں پر بھی بڑے بڑے مینار ہیں، دیوی دیوتاؤں اور جانوروں کی عمدہ مورتیاں نہایت خوبی کے ساتھ دیواروں کی زینت کا کام دیتی ہیں۔ علاوہ ازیں تاریخی واقعات کے اور مذہبی مسائل بھی سنگ تراشی کی اعلیٰ صنعت میں نمایاں کئے گئے ہیں، اس مندر کی وسعت اور نیز فن تعمیر اور سنگ تراشی سے یہ صاف ظاہر ہے۔ کہ کمبوڈیہ کے ہندوؤں نے یہ فن کس کمال پر پہونچایا تھا۔ بعض سیاحوں کی رائے میں انگ کے مندر اور محلات جنوبی ہند کی دراوڑی فن تعمیر کا نمونہ ہیں۔ جسکے ابتدائی باشندے جنوبی ہند کے بتائے جاتے ہیں، اور بعض اہل الرائے اندرپت یعنی دہلی اور یوپی کے لوگ بتلاتے ہیں۔

جے۔ آر۔ رائے

---



---

# رامائن کے فارسی ترجمے

یہ قابل قدر مضمون جناب مولوی محفوظ الحق صاحب ایم۔ اے لکچرار فارسی و عربی
پریسیڈنسی کالج کلکتہ نے انگریزی مین تحریر فرمایا تھا ہم اُسکا ترجمہ ناظرین کی تفریح
طبع کے لیے پیش کرتے ہین۔ ترجمہ مولانائے موصوف کی نظر سے گذر چکا ہے

زمانۂ حال کے ماہرین علوم مشرقی مین سے ایک کا قول ہے کہ اسلامی تہذیب کو سمجھنا اور اُسکی قدر کرنا ناممکن ہے تاوقتیکہ اس کے مقدس کلام الٰہی (یعنی قرآن پاک) اور بہت سے اُن علوم کی شاخون سے جو اس سے نکلی ہین اور اُس کے چارون طرف پیدا ہو گئی ہین اور اسلامی زندگی اور اسلامی اعتقاد کا ساڑھے تیرہ سو برس سے جُزو لاینفک بن گئی ہین پورے طور پر واقفیت حاصل نہ کرلین۔ اور ہمدردی کے ساتھ اُسکے معنی نہ سمجھ لین۔ قدیم ہندو تمدن کے متعلق بھی غالباً ٹھیک اسی حد تک کہا جا سکتا ہے کہ اس غیر مشترک فلسفیانہ تہذیب کے معیار اور زندگی کا اسی پر انحصار ہے اور وید اعظم اور رزمیہ اور تفسیری لٹریچر نے اس پر لامحدود حاشیہ چڑھایا ہے اسلیے قدرتی طور پر رامائن اور مہابھارت انسانی نسل کے پانچوین حصے کے لوگون کے خیالات و رسم و رواج پر حاوی ہین جو آریہ خون اور آریہ تہذیب کے خصوصیات برقرار رکھنے کا دنیا مین غالباً سب سے زیادہ دعویٰ رکھتی ہے۔ ویدک اور تفسیری لٹریچر کی باہمی بناوٹ قدیم ہندوستانی تہذیب کے تار و پود مین اسقدر نمایان تھی کہ بابر اعظم نے تقریباً چار سو برس پیشتر ہندوستان فتح کرنیکے بعد سب سے پہلے اسبات کو قلمبند کیا۔ تاریخ مین اس اہم واقعہ کو اسطرح لکھا ہے کہ ایک مرتبہ وہ فاتح فوج کیساتھ کوچ کر رکھا تھا اُسنے دیکھا کہ سادہ لوح ہندوستانی دہقانون کا ایک گروہ پیپل کے درخت کے نیچے بیٹھا ہے اور خانہ بدوش ہندو سنیاسی کتھا پڑھ رہا ہے اور اُسکے سُننے مین یہ لوگ اسقدر محو ہین کہ عظیم الشان مغل فوج کی شان و شوکت کو نظر اُٹھا کر دیکھنے کی بھی پروا نہین کرتے جو اپنی پوری فاتحانہ شان کے ساتھ کوچ کر رہی ہے اگر ہندو دماغ پر ویدک لٹریچر کا اسقدر اثر ہے تو بلا کسی دلیل و حجت کے یہ تسلیم کرلینا پڑیگا کہ اسکے باقاعدہ مطالعہ اور اُسکے سمجھنے سے ہندو قوم کے ساتھ کامل باہمی اتفاق و قربت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

یہ قول بالکل صحیح ہے کہ سمجھنے سے قبل ہمدردی کا ہونا ضرور ہے اور ہمدردانہ خیال ہی صرف اصلی و ردائمی مساوات کا منبع ہے۔ ان دو پاک صاف ادبی بہنون یعنی سنسکرت و فارسی کے درمیان باہمی اختلاط و باہمی کاروبار آج سے سوا تین صدی پیشتر پٹھانون کی حکومت کے آغاز ہی سے ہندو مسلم تعلقات کی ایک نمایان خصوصیت رہی ہے۔ وہ کشادہ دل شہنشاہ اکبر ہی تھا جسنے اپنی تیز فہمی سے علم و ادب و تہذیب کی دنیا مین رواداری کے اصول کو برتا۔

ہندو مسلم لٹریچر مین پند آمیز مضامین فلسفہ، علم الحساب، علم الادویہ کے صیغون مین اس تصنیفات اقتباسات اور ترجمے چاہے وہ بلا واسطہ ہون یا کسی دوسری کتاب سے ترجمے کیے گئے ہون عام طور پر کثرت سے پائے جاتے ہین۔ لیکن شہنشاہ اکبر کے حکم سے سنسکرت کی مشہور کتابون کے حاصل کرنے اور فارسی مین ترجمہ کرنے کی ایک پرجوش و معنی خیز کوشش کیگئی۔ اگرچہ یہ کوشش ابتدائی نہ تھی۔ خاندان عباسیہ بغداد کے مشہور و معروف شہنشاہ المامون (۸۱۳ – ۸۳۳ء) کی طرح اس بزرگ و آزاد خیال شہنشاہ نے اس کام کے لیے ایک خاص محکمہ قائم کیا تھا۔ اس بزم علمی مین قابل و سرگرم علماء و فضلاء کا ایک مجمع رہا کرتا تھا جو اپنے روشن خیال شہنشاہ کی علم پروری مین ہمہ تن مصروف رہتے تھے اور ہندوؤن کی مختلف کتب کا ترجمہ کیا کرتے تھے چنانچہ ان مترجمین مین فیضی۔ ابو الفضل۔ حاجی محمد سلطان۔ ملا شاہ نقیب خان۔ اور عبد القادر خصوصاً نہایت قابل سنسکرت دان تھے۔ یہ انھین لوگون کا طفیل ہے کہ اس ادب کا جسے ہم لوگ "ہندو مسلم لٹریچر" کہتے ہین اکثر حصہ وجود مین آیا۔ اُن تمام کتب مین جو اکبر کے دور حکومت مین ترجمہ کی گئین رامائن خصوصیت سے قابل قدر ہے مسلمانون مین بھی عام طور پر اس کتاب کی وقعت بڑھنے لگی۔ یہ مقبولیت عامہ صرف اکبر ہی کے دور حکومت تک محدود نہین رہی بلکہ بعد مین بھی بدستور جاری رہی۔ رامائن کی عالمگیر شہرت و مقبولیت کا راز اسکی نظم کی دلچسپیون مین مضمر ہے۔ اس واقعہ سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا کہ نظم کی صنعتی خوبصورتی، سوز و گداز، سلاست، ترکیب کی دل آویزی اور برجستگی مین دوسری زبانون کے لٹریچر بہت کم اسکا ثانی رکھتے ہین یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ فارسی لٹریچر جو ہر قسم کے مضامین سے مکمل اور مالا مال ہے اور دنیا کے دوسرے لٹریچرون کے جواہر ریزون کو جذب کرنے مین ہمیشہ بے نظیر رہا ہے باوجود موقع حاصل ہونیکے اسکا ادب اس نظم کے بیش بہا حسن و اس ضخیم مثنوی کی رنگا رنگ گلکاری سے محروم رہے چنانچہ اکبر نے اس کمی کو محسوس کرنے پر حکم دیدیا کہ سنسکرت

رامائن کا فارسی (آئین اکبری) (ترجمہ بلوکمین) جلد اول صفحہ

جیسے دیندار و متشرع مسلمان کو جو ابو الفضل اور دوسرون کو "کافر" کے لقب سے یاد کرتا تھا سپرد کیا گیا یا بقول اُسکے یہ بدقسمتی اُسکے سر تھوپی گئی۔ اور واقعۃً یہ قسمت کا تماشا تھا اُسکی شخصیت کا دیندار آدمی "کافرون" کی کتاب کا ترجمہ کرنیکے لیے مامور کیا جائے۔ چنانچہ اس واقعہ پر وہ اپنی تصنیف منتخب التواریخ مین اپنی قسمت کا رونا ان الفاظ مین روتا ہے۔ الیٹ جلد پنجم صفحہ ۵۳۷)

"لیکن یہ میری قسمت کی خوبی ہے کہ مین ایسے کامون پر تعینات کیا گیا ہون" اسکے بعد وہ لکھتا ہے

"تاہم مجھے اس خیال سے صبر ہے کہ قسمت کا جو لکھا ہے وہ پیش آنا ضرور ہے"

یہ ریمارک صاف طور پر ظاہر کر رہے ہین کہ رامائن کا ترجمہ کرنے کے لیے بدایونی ہرگز رضامند نہ تھا لیکن اکبر کا حکم حکمِ ناطق تھا جسکو وہ ٹال (دیکھو بدایونی (مترجمہ لو) جلد دوم صفحات ۳۴۶ و ۳۴۷) نہین سکتا تھا۔ آخر کار اُسکو چار سال کی مستقل محنت و سعی کے بعد ۹۹۹ھ ہجری مین کام ختم کرنا ہی پڑا۔ ان واقعات کو وہ اپنی تواریخ مین اسطرح قلمبند کرتا ہے (الیاٹ جلد پنجم صفحہ ۵۳۷۔ بدایونی (لو) جلد دوم صفحہ ۳۷۸ مین سال تالیف رامائن ۹۹۷ھ ہجری دیا ہے الیاٹ نے ۹۹۹ھ دیا ہے جو غلط ہے) ماہ جمادی الاول ۹۹۹ھ ہجری مین مین نے رامائن کا ترجمہ ختم کیا چار سال اسمین صرف ہوئے جب مین نے اس کتاب کو پیش کیا تو بیحد تعریف کی گئی۔ رامائن (اسمی رامائن) کا ایک خوبصورت اور منقش قلمی نسخہ جسکی قیمت بیس ہزار پونڈ ظاہر کیجاتی ہے ۔ کرنل ہشا کی لائبریری واقع واشنگٹن (ریاستہائے متحدہ امریکہ) مین موجود ہے (دیکھو اسمتھ کی تاریخ فنون لطیفہ در ہند و سیلون صفحہ ۴۵۶) کا یہ پہلا ترجمہ ہندو مسلم لٹریچر کی تاریخ مین سنگِ بنیاد خیال کیا جاسکتا ہے کیونکہ اُسنے آنیوالے شعرا و مصنفین کے لیے راستہ صاف کر دیا اور فارسی نثر مین ایسا مصالحہ فراہم کر دیا کہ وہ اُس سے عمارت کھڑی کر سکین۔ اسکے علاوہ ایک دوسرا جزو جو اس سے بھی زیادہ اہم ہے اور جس نے رام اور سیتا کے قصہ کو زیادہ ہر دل عزیز بنا دیا تلسی داس کی رامائن ہے جو سولھوین صدی عیسوی کے آخری نصف حصہ مین تالیف ہوئی۔ اس ہندی رامائن کا ظہور بے نظیر اہم تھا کیونکہ اسنے رامائن کی ناموری اور شہرت مین چار چاند لگا دیے اور غالبًا یہی سبب ہے کہ جب ہم جہانگیر کے عہدِ حکومت (۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۷ء) مین آتے ہین تو رامائن کے کم از کم دو مزید ترجمے یا خلاصے پاتے ہین۔ ان مین سے پہلا تو مُلّا سعد اللہ مسیح پانی پتی (یہ عجیب بات ہے کہ ڈاکٹر ریو (فہرست برٹش میوزیم جلد دوم صفحہ ۸۹ بی) اور مولوی عبد المقتدر (فہرست خدابخش خان لائبریری جلد سوم صفحہ ۱۰۸) اور چند دیگر اشخاص نے حکیم

[ر]کن الدین مسعود کو راماین کا مصنف قرار دیا ہے جن کا شاعرانہ تخلّص مسیح تھا اور جنھون نے جہانگیر کے
[ع]ہد حکومت مین شہرت حاصل کی لیکن ان فہرستون کا بیان صریحاً غلط ہے کیونکہ رُکن الدین مسیح کسی
[ر]امائن کا مصنف نہین تھا ۔ علاوہ برین قریب قریب تمام مورخین جنھون نے ملا مسیح کی سوانحعمری
[ل]کھی ہے اس رامائن کی تالیف کا سہرا انھین کے سر باندھتے ہین اس بیان کی تصدیق کے لیے ملاحظہ
ہو ماثر الامرا جلد سوم صفحہ ۳۸۲ ،، ہمیشہ بہار ڈاکٹر اسپرنگر صفحہ ۱۲۹ ) کلمات الشعرا (قلمی) ورق ۶۹ بی ،،
تذکرہ حسینی صفحہ ۳۲۵ ذ ۔ مقالات شبلی صفحات ۱-۳ ) کا منظوم ترجمہ ہے دوسرا بھی ایک منظوم ترجمہ ہے
جسکا مصنف ایک ہندو گردھر داس ہے ۔ ملا مسیح شہنشاہ جہانگیر کے ایک امیر مقرب خان (ماثر الامرا جلد سوم
صفحات ۳۷۹ - ۳۸۲ ) کا ملازم تھا اُسنے اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ اسی کی ملازمت مین گزارا ۔ اُس کی
تالیف کردہ رامائن کی اُسکے تمام معاصرین اور بعد کے مورخین نے بہت تعریف کی ہے اور تقریباً سب نے
بجنسہ اس شعر کو نقل کیا ہے جو اُسنے سیتا کی تعریف مین لکھا تھا ۔

تنش را پیرہن عُریان ندیدہ | چو جان اندر تن و تن جان ندیدہ

بعض ناقدین و متعصبین نے ملا مسیح پر کفار کا فسانہ لکھنے پر اعتراض کیا ہے لیکن اُسنے اپنے دیباچہ مین
نہایت قابلیت سے اُن اعتراضات کا جواب دیا ہے اور الزام سے بری ہونیکی کوشش کی ہے ۔ اس کا
طرز بیان اعلےٰ اور دلپسند ہے لیکن اسمین ایک خاص بات یہ ہے کہ اسنے مناظر کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ
ہندی نہین ہے بلکہ ایرانی ہے جسکا اثر یہ ہوا ہے کہ ایک ہندوستانی پلاٹ ایران کے دلکش وادیون
اور گلزارون مین منتقل ہو گیا ہے ۔ اور فطرتاً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیتا کا سادہ اور پاک کیرکٹر ایک
ایسا مجموعہ ہو گیا ہے جسمین ایک ہندوستانی ہیروئن گویا ایسی نظر آتی ہے کہ اسمین شیرین کا حُسن لیلےٰ کی
دلربائی اور عذرا کی راستبازی آکر جمع ہو گئی ہے ۔ جو کہ فارسی افسانون کی معشوقہ ہین ۔ مثال کے طور پر
یہان پر چند اشعار درج کیے جاتے ہین جنمین سیتا کے خد و خال کا ذکر ہے جو سروپ نکھا نے اپنے
بھائی راون سے بیان کیا ۔ ناظرین اسکو پڑھکر ایرانی حُسن کی رامائن (قلمی) موجودہ کتب خانہ
راقم ورق ۳۰ - ۱۷ ) خصوصیات کو فوراً ملاحظہ کر سکتے ہین ۔

رخش از خندہ صبح انتخابی | جہان آرزو را آفتابی
چو چشم خود سراپا مین مستی | مثال آئینہ در خود پرستی

بعہد مقنع جمالش بے نقاب ست　　نہ شمع مہ کہ عین آفتاب ست
بعہد جان آرزو خورشید تابان　　رہش میرفت از جاروب مژگان
جمالش در کمالِ نوجوانی　　چو عکس جان در آب زندگانی

مسیح نے ایک خاص باب ہندوستان کی مدح سرائی کے لیے مخصوص کردیا ہے وہ اسطرح لکھتا ہے (رامائن (قلمی) موجودہ کتب خانہ راقم ورق ۱۴ بی)

زمین عشق ست ہندوستان زمین را　　کہ عشق آنجاست مذہب کفر و دین را

آگے چل کر شاعر ہندوستانیون کے سچے عشق کی گہری اور حقیقی تعریف کرتا ہے اور ہندوستانی عورتون کو شان دار ہدیہ پیش کرتا ہے جو اپنے مُردہ خاوندون کی ارتھی پر بیٹھکر اپنے کو آتش سوزان کے حوالہ کردیتی ہین - آخرکار وہ اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ عشق عالمگیر ہے اور جس جگہ سچا عشق موجود ہے وہ اُس ملک تک کی پرستش کرنے کو تیار ہے اور وہ ہیرو جو اسکی نظر مین حقیقی اور دائمی عشق کے درجۂ کمال کا پتلا معلوم ہوگا اُسکو دیوتا تسلیم کرنے سے بھی دریغ نہ کریگا - چاہے وہ مجنون لیلے کا عاشق ہو یا فرہاد شیرین خواہ رام سیتا کا وہ اسطرح لکھتا ہے " (رامائن مصنف جلد ایم ایس ورق ۱۶)

مے ہشیار باش اے دل مستی　　بکفر عشق کن یزدان پرستی
نہ فہمد راز وحدت غیر عاشق　　کہ گرد کعبہ گرد دیر عاشق
نہ عاشق کافرست و نے مسلمان　　کہ داند عشق را خود دین و ایمان

ابھی تک تو ہمنے صرف مُلا مسیح کی یادگار زمانہ رامائن ہی کا حال لکھا ہے اب ہم اس عالمگیر لٹریچر کے دوسرے ہمعصر ترجمہ کی طرف متوجہ ہوتے ہین -

جو دہلی کے ایک ہندو گردھرداس (فہرست کتب فارسی قلمی جلد اول صفحہ ۵۶ موجودہ برٹش میوزیم) کی موزونیت طبع کا نتیجہ ہے یہ شاعر جہانگیر کے عہد سلطنت مین گذرا اور اسی کے نام سے اُسنے اپنی مثنوی معنون کی ہے - اس مثنوی مین اسنے جہانگیر کی اُسکے علم و علما کی حمایت پر بیحد مدح سرائی کی ہے - یہ مثنوی سنہ ۱۰۳۶ ہجری (۱۶۲۶-۲۷ء) مین ختم ہوئی جیسا کہ شاعر خود اپنے کلام کے آخر مین ظاہر کرتا ہے - اور اسکے بیان کے بموجب اسمین ۵۹۰۰ اشعار ہین مگر اس مثنوی مین کوئی نئی بات نہ تو طرز تحریر کی جدت ہی مین ہے اور نہ اصل موضوع کی آراستگی مین - اور گو اس امر کا ضرور اعتراف کرنا ہوگا کہ ایک ہندو

مصنف نے ایک غیر ملکی زبان میں اپنی مجبوریوں کے باوجود معقول جد وجہد کی ہے لیکن اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اُسکی رامائن اس معیار سے ذرا پست ہے جو اس رزمیہ نظم کے شایان شان ہے
اب ہم چند رمن بیدل خلف سری رام کی طرف متوجہ ہوتے ہین جسکو رامائن کے دو مختلف ترجمے کرنے کا شرف حاصل ہے۔ ان ترجمون مین سے ایک تو نثر مین ہے اور دوسرا نظم مین۔ اسکا نثر ترجمہ لفظی نہین ہے بلکہ آزاد ہے اور پُر زور اور دلاویز ماہرانہ طرز تحریر سے مالا مال ہے جسمین تازگی اور خیالات کی شگفتگی عام طور پر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے مگر بدقسمتی سے اسنے اپنے کلام مین رنگینی عبارت اور تصنع کلامی کی نقل کرنا چاہی ہے جو صدیون سے فارسی لٹریچر مین علمی کمال کا عام طور پر معیار تسلیم کرلیا گیا ہے۔ اس قابل افسوس طرز انشا کا بُرا اثر اس زمانہ کی اور انشا پردازیون کی طرح اس امائن مین بھی موجود ہے غالب اس مصنوعی کمال انشا کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ تاریخی واقعات کی ایک ہلکی اور دلاویز جھلک غائب ہوگئی ہے لیکن تعجب ہے کہ اسکے ابتدا کے سات یا آٹھ اشعار حقیقت مین بہت اچھے ہین اور یقیناً اُس کے شاعر ہونے کی شہادت دیتے ہین اس لحاظ سے اُس کی دوسری رامائن جو نظم مین ہے قدرتاً ایک بہتر تصنیف ہے۔ مؤخر الذکر مثنوی ترجمہ کو جس کو وہ نرگسستان (یہ بیانات زیادہ تر نرگسستان کے دیباچے سے منتخب کیے گئے ہین (لکھنؤ ۱۲۹۲ہجری سنہ ۱۸۷۵عیسوی) کے نام سے موسوم کرتا ہے اُسنے اپنے محب صادق کھاتلداس کی فرمایش سے سنہ ۱۰۵۰ہجری (مطابق سنہ ۱۶۳۹ء) مین تصنیف کیا۔ اُسوقت اُسکی عمر ساٹھ برس کی تھی۔ بیدل تاجدار وقت عالمگیر کا بہت مداح ہے اور اُس کو وہ عادل اور فرشتہ خصلت کے لقب سے یاد کرتا ہے ایک موقع پر (نرگسستان صفحہ ۴) اس طرح لکھتا ہے ؎

جهان را شاه تا او رنگ زیب است　　بہ ہندوستان نہ نیرنگ و نہ نریب است

اس کتاب کے آخر مین بیدل نے ان کتابون اور مثنویون کی فہرست درج کی ہے جو خود اس کی تصنیف ہین اور ان دو زیر بحث کتابون کے علاوہ تعداد مین کُل چھ ہین وہ خاتمہ پر کہتا ہے۔

نماندہ است در ما بجز عشق رام　　چگویم ازین بیشتر والسّلام

یہان پر میرے خیال مین یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُس عام غلط فہمی کو جو اس رامائن کے

مؤلف کے متعلق پھیلی ہوئی ہے دور کردوں - عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ رامائن کا ترجمہ
مرزا عبد القادر بیدل نے کیا ہے جو ہندوستان کا سب سے زبردست آخری فارسی شاعر تھا اور مذکورۂ بالا
رامائن کے متعلق یہی غلطی لکھنؤ ایڈیشن میں مکرر درج کی گئی ہے لیکن یا مر یقیناً ناقابل وثوق ہے کیونکہ
مرزا موصوف نے کبھی رامائن کا ترجمہ نہیں کیا علاوہ اسکے اندرونی معتبر شہادتیں ثابت کرتی ہیں کہ
یہ چندر من بیدل کی مثنوی ہے نہ کہ اُسکے مشہور و معروف مسلم معصر کی -

اسکے بعد ایک ضخیم رامائن کا نمبر آتا ہے جو فارسی میں ترجمہ کی گئی ہے اسمیں تقریباً ۱۰۰۰
صفحے ہیں اور ہر صفحہ میں ۲۴ سطریں ہیں یا یوں سمجھنا چاہیے کہ اس مثنوی میں کل ۴۰۰۰۰ - اشعار ہیں یا
جو امانت رائے رامانت رائے کی رامائن کے متعلق حالات اسکی رامائن کے ایک قلمی نسخے سے بالکل جداگانہ
طور پر لیے گئے ہیں) متوطن موضع لال پور یوپی (نرگسستان صفحہ ۱۴۱) کے جسے اس کے دادا گوپال نے
آباد کیا تھا نیار کردہ ہیں اس کے والد شبھانت گے اُسے بہت اعلیٰ تعلیم دیکر علم شاعری میں طاق کیا -
ایک مرتبہ کا اتفاق ہے کہ اُسکا آبائی گاؤں سیلاب سے غرقاب ہوگیا - اور یہ شاعر دہلی جانے پر مجبور ہوا -
دہلی پہونچکر اسنے اعلیٰ امجد کی ملازمت اختیار کی جسکو وہ " علم دوست " کے لقب سے یاد کرتا ہے -
اس کے انتقال کے بعد یہ شاعر اعلیٰ امجد کی بہن رحیم النساء کے زیر سایہ رہا اور یہی ملازمت کا زمانہ
تھا جبکہ اُسنے اپنی یادگار زمانہ مثنوی تالیف کی درحقیقت امانت رائے کو صرف بہترین رامائن لکھنے
ہی کا فخر حاصل نہیں ہے بلکہ نہایت ہی ضخیم رامائن مثنوی لکھنے کا بھی ہے - یہی وہ شاعر ہے جسے
مخصوص باب کے آخر میں ایک ایک غزل ایزاد کر دینے کا بھی شرف حاصل ہے جو پوری مثنوی
میں تقریباً دو سو سے زائد ہیں - اسمیں کلام نہیں کہ ہر ایک خاص باب کے آخر میں ایک غزل
بڑھا دینا ایک عمدہ اختراع ہے اور ایک حد تک اس سے وہی فائدہ حاصل ہوتا ہے جو زمانۂ قدیم
میں ڈراما کے کورس ادا کرتے تھے لیکن نہایت تعجب ہے کہ امیر خسرو - امانت رائے اور چند دوسرے
شعراء کے سوا کوئی اس اختراع کو اپنی مثنوی میں کام میں لایا ہے - یہ قابل لحاظ ہے کہ امانت رائے
کی غزلیں خوبصورتی اور دل آویزی سے پُر ہیں - اور درحقیقت اسکی مثنوی رامائن کی زینت ہیں
جو اپنے طرز میں فردوسی کے لازوال شاہنامہ کی نقل ہے -

اس فارسی رامائن کی تصنیف میں امانت رائے کو کئی سال صرف کرنا پڑے ہونگے لیکن

اس بارے مین مثنوی کے کسی حصہ مین کوئی اشارہ نہین پایا جاتا۔ بیرونی شہادتین ظاہر کرتی ہین کہ اُس نے اِس ترجمہ کو پچیس برس تک نہایت استقلال کے ساتھ کام کرکے ختم کیا۔ اس کتاب کی تاریخ اختتام ۱۶ شوال ۱۱۲۸ ہجری مطابق ۵۔ ساون سمت ۱۸۱۲ ہے۔

ذیل مین وہ غزل درج کی جاتی ہے جو ہنومان جی کے حال مین لکھی گئی ہے اور جسمین وہ سیتاجی کو نہایت بےچینی سے تلاش کر رہے ہین۔ واقعی یہ غزل نہایت دل آویز اور رقت آمیز ہے اور ناظرین کی ہمدردی حاصل کرنے مین ناکامیاب نہ رہے گی۔ (راماین قلمی امانت رائے ورق ۲۱۶ بی)

شدم بسیار شب بیہودہ برگردِ جہان اینجا ۔۔۔ نہ شد پیدا مہِ تابان ز بامِ آسمان اینجا
بسے سرگشتہ و آوارہ گردیدم درین صحرا ۔۔۔ نہ شد از ہیچ پیدا غبار کاروان اینجا
بگردِ لالہ و گل چون صبا بسیار گردیدم ۔۔۔ ندیدم زان گلِ رعنا اثر در گلستان اینجا
بگفتم از مکان ولامکان اہلِ مجاز آخر ۔۔۔ نہ داد از حسن معشوق حقیقی کس نشان اینجا
برہمن وار در پاے بُتانِ شہر افتادم ۔۔۔ نہ شد مقصود من حاصل ازین سنگین دلان اینجا

نہ شد وا پردۂ حسن نقیبن ز نہار بر رویم
امانت وار گشتم صرف در وہم و گمان اینجا

انڈیا آفس لائبریری لندن (انڈیا آفس لائبریری۔ فہرست فارسی ایم ایس ایس صفحہ ۱۰۹۹) مین کئی راماین مثنویان ہین ان مین سے ایک مثنوی کے مصنف کا نام معلوم نہین ہے یہ ضخیم مثنوی ہے جسمین تقریباً ۵۰۰ ورق ہین اور اُس کے دو ابتدائی اشعار جن کو ایتھی نے انڈیا آفس کے قلمی نسخون کی فہرست مین نقل کیا ہے، ظاہر کرتے ہین کہ نظم کی بحر بالکل ناموزون ہے اور اُسکا پڑھنا اُسیقدر دشوار ہے جسقدر حکیم سنائی کی حدیقۃ الحقیقہ کا جو فارسی مین غالباً سب سے زیادہ خشک کتاب ہے۔ (تاریخ ادبیات ایران مؤلفہ براؤن جلد دوم صفحہ ۳۱۹)

دوسرے نامعلوم مصنف کی تصنیف کردہ فارسی راماین مثنوی سر ولیم اُس کے کے کتب خانہ مین ہے (فہرست کتب خانۂ ہذا نمبر ۹۴) لیکن اس نسخہ کے مزید تفصیلی حالات نہین ملے اس لیے مجبوراً ہمین اسی اطلاع پر کفایت کرنا ہوگا۔

آخر مین اب ہم راماین کے بقیہ نثر ترجمون کی طرف متوجہ ہوتے ہین جنکی کئی جلدین اب بھی موجود ہین

لیکن انکا حال بیان کرنے سے پیشتر مین ان کتب کے متعلق ایک دقّت کو ہٹا دینا چاہتا ہون اور وہ یہ ہے کہ انکے مختلف نسخون کے درمیان فرق کرنا بیحد دقّت طلب ہی کیونکہ وہ آپسمین ایک دوسرے سے اپنے طرز عبارت مین اسقدر ملتے جلتے ہین کہ ان مین صرف خفیف سا لفظی فرق نظر آتا ہے یہ ایک واقعہ ہے جولا محالہ ہم کو اس نتیجہ پر پہونچاتا ہے کہ وہ سب صرف ایک ہی نسخہ کی غیر صحیح نقلین ہین مگر چند ترجمے ایسے بھی ہین جنکے متعلق ایسی کوئی دقت پیش نہین آتی - ان مین سے ایک تو موہج لائبریری (جے آر صفحہ ۴۰ نمبر ۳۴۹) مین ہے دوسری جلد ویدیاس کی تالیف کردہ برٹش میوزیم مین ہے (ریو صفحہ ۵۵) اسکا ترجمہ تلسی داس سے کیا گیا ہی اسمین دو باب زائد ہین جنمین رامچندر جی کی سوانحمری درج ہی برٹش میوزیم مین جو جلد ہے وہ بہت ضخیم معلوم ہوتی ہے اور غالباً بہت صحیح جلد ہے جس کے مصنف کا کچھ پتہ نہین ہے (ایتھی نمبر ۱۹۶۳)

آخری جلد فارسی راماین یا موجب اصل کتاب بالمیک کی راماین کا ترجمہ ہے یہ جلد نسبتاً دوسری کتابون کے بالکل مبرّا ہی جسکا مصنف امانند کھن المتخلص بہ خوش ہے یہ مترجم کئی کتابون کے مصنف ہونے کی حیثیت سے ایک حد تک معروف ہے ان تصنیفات مین خاص خاص یہ ہین -

(۱) راماین نجات کاشی کھنڈ یا تاریخ شہر بنارس - (۲) گیتا مہا بھارت - (۳) مثنوی گجلاؤ اور (۴) ایک دیوان جسکا نام شاعر نے اپنے تخلص "خوش" پر دیوان خوش رکھا ہے - اس کا ترجمہ راماین نامکمل ہے اور آخری کانڈ کا ترجمہ باقی ہے -

انمین سے چھ تو نظم مین ہین اور باقی چار نثر مین، یہان ہر ایک کتاب سے بحث کرنا مقصود نہین بلکہ صرف اسقدر کہہ کر اپنا مضمون ختم کرنا ہے کہ یہ کل ترجمے نہایت دلآویز ہین اور مجھے یقین ہے کہ اگر انکا صحیح ناقدانہ اڈیشن شایع کیا جائے تو ادب فارسی کے ہواخواہون کے لئے انکا مطالعہ دلچسپی کا باعث ہوگا -

محفوظ الحق - ایم - اے

# یورپ کی تہذیب اور مشرق کا فرض

موجودہ تہذیب کا درخت یورپ کی سرزمین پر اُگا ہے لیکن اُسکے تباہ کن اثر سے دنیا کا کوئی حصہ پاک نہین ہے، "اسمین جدائی" وفساد کا زہریلا مادہ ہے۔ اس تہذیب کا اصلی منشا یہ ہے کہ دوسرے پریشان رہین، بلکہ تباہ برباد ہوجائین۔ اسکا وحشیانہ رویہ ہمیشہ متقاضی ہے کہ دوسرون کی بضاعت ختم ہوجائے اور وہ آیندہ کسی زمانہ مین بھی پنپنے نہ پائین۔ دوسرونکی ترقی کو یہ حاسدانہ نظر سے دیکھتی ہے اور اسے (دوسرونکے فلاح میں) خواہ مخواہ خطرات نظر آتے ہیں۔ دوسرونکی قومیت کو ضعیف کرنے مین یہ اپنی بہترین کوشش صرف کرتی ہے۔ دنیا میں جنگ وغارتگری ہمیشہ سے ہوتی آتی ہے لیکن یہ خونخوار و آدمیت سوز تہذیب سب سے بڑھ گئی۔ پہلے کوئی تہذیب ایسے ایسے مہلک آلات سے مدد حاصل نہین کر سکتی تھی۔ اب قوم کی قوم اس آگ کی ایندھن ہوتی جاتی ہے۔ اس تہذیب مین انسانیت کی تو بک نہین اس کی مثال اوس کروڑپتی کی ہے جو اپنی روح کو بیچکر دولت جمع کر رہا ہو۔ نہ تو اسے سچ کے لاج ہے اور نہ جھوٹ کی شرم۔ لالچ کے بڑے بڑے بت اس نے اپنی مندرون مین بنا رکھے ہیں اور انھیں پوج پوج کر وہ قومی خدمت کا فرض ادا کرتی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ کاغذ کی ناو ہے "آج نہ ڈوبی تو کل ڈوبیگی"۔ قانون ربانی ہر ایک انسان اور قوم کیلئے یکسان ہے۔ خدا کی لاٹھی مین آواز نہیں۔ ظلم کی کوئی انتہا ہونی چاہیے۔ قوم کا نام لیکر ظلم کرنا کب تک نبھے گا۔ ظالم ظلم کا عادی ہو کر اپنے قوم پر بھی ظلم کرنے لگتا ہے اور اسی سے قوم کی قوم تباہ ہو جاتی ہے ایسی تہذیب جسکی بنا ایسی قومی خدمت پر ہو زیادہ دنون تک بر سر عروج نہین رہ سکتی۔ یونان قدیم کی تہذیب کا چراغ اوسی کی سرزمین میں گل ہوا اور رومی شان و شکوہ کے نشان کا مدفن خود اطالیہ کا میدان ہے۔ چین ہندوستان کی پاک زمین کو دیکھو اسکا مقصد عام انسانون کی فلاح اور اسکا نصب العین انسان کی روحانی ترقی ہے۔ بظاہر ہندوستان اور چین کی تہذیب کا چراغ ٹمٹماتا ہوا نظر آتا ہے اور یورپ کے مصنوعی دخانی بجلی کے لیمپ بڑی شان سے جگمگا رہے ہیں لیکن مشرق کا چراغ اُس چھوٹے اور ذلیل بیج کے مانند ہے

جو نشو و نما پاکر سارے عالم کو اپنے میوے سے پرورش کرسکتا ہے۔

نوعمر مغرب اپنی دوڑ سے آپ پریشان ہوکر جب تھک جائیگا تو اُسے معمر مشرق کے پاس آنا پڑیگا مشرق نے اپنے اندر آفتاب کی کرنوں اور ستاروں کی خاموشی مین یہ پختگی کروڑوں برس میں حاصل کی ہے۔یورپ اپنے کاموں میں اسی طرح سے مشغول ہے جس طرح ایک گاڑی کا سوار اپنے سفر میں۔۔یہ مسافر جب بجلی کی طاقت سے تیز چلنے والی ریل گاڑی پر سوار رہتا ہے تو اُس غریب کسان کو جو زمین جوتنے میں صبح سے شام تک لگا رہتا ہے ذلیل نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ لیکن جب مسافر سفر ختم کرکے بھوک کی تکلیف سے نجات پانے کے لیے اُتر پڑتا ہے تو اوسی غریب کسان کے سامنے ہاتھ پھیلا کر غذا مانگتا ہے۔

دنیا کے خرید و فروخت کبھی بھی بند نہ ہوگی۔عشق و حسن کی کہانیان ہمیشہ زندہ رہینگی۔مصیبت و صبر کو کبھی بھی فنا نہیں۔مشرق شوق سے اوس وقت کا انتظار کریگا جب مغرب تہذیب کے باب مین اُس سے سبق لینے آئے گا۔

مشرقی ایشیا اپنی تہذیب پر آپ وجد کر رہا تھا۔اس کی تہذیب میں دنیا وی خیالات نہ تھے اسکو روحانی ترقی کا خیال تھا۔اوسمیں اپنی کلوں کی مضبوطی نہ تھی۔بلکہ انسان کے روحانی تعلقات کا اظہار تھا شاہی تاج و تخت کے جھگڑے اور غیر ملکی حملوں کی اسے ذرہ برابر بھی پرواہ نہ تھی کیونکہ اسکا کام زندگی کے گتھیوں کا سلجھانا تھا۔

اگرچہ ایشیا کے متصوفانہ خیالات یورپ کی موجودہ تہذیب میں قائم نہ رہ سکے۔لیکن تمھیں اسکا افسوس نہ کرنا چاہیے بلکہ دنیا اب بھی تمھاری جولانگاہ ہے۔اسکو اپنی مشرقی تہذیب کے فراغ کی روشنی سے منور کرنا چاہیے

(ٹیگور) سید محمود شیر بی اے

---

دیش بندھو داس ایک مشہور پولیٹیکل لیڈر ہونے کے علاوہ بنگال کے ایک نامور شاعر و پر دو انشا پرداز بھی ہین، آپ کی ایک مشہور تصنیف سا نگیت کا ترجمہ ہمارے کرم منشی بشیشور پرشاد صاحب منور لکھنوی نے بحر ترنم، کے نام سے کیا ہے۔ اس سے پہلے گیارہ نظمون کا ترجمہ مارچ ۱۹۲۴ء میں ہدیہ ناظرین ہو چکا ہے آج ہم اس تصنیف لطیف کی دوسری قسط پیش کرتے ہین۔ ، اڈیٹر ،

(۱) لے مصور گلکار۔ مین تیری صنعت پر نثار۔ کس قدر چابک دستی سے تونے ان حیرت انگیز پھولون کے رنگون کو عالم شہود مین آشکارا کیا ہے۔ اف انکا تو شمار و قطار ہی نہین۔ اور وہ پھول بھی کیسے جو تیرے گل کدہ مین بہار ہستی کا مزہ لے رہے ہین!

اور وہ گل کدہ کیسا؟ پھولون سے لدا ہوا۔ زرخیزی مین بے مثل۔ اس سرے سے اوس سرے تک تعجب نو میری مشتاق نگاہین پھولون کے حسن و جمال کے نظارے کے لیے ہر طرف دوڑتی ہین۔

لیکن آج مجھے تیرے گلکدہ کی تلاش نہین۔ مین صرف تیرے راگ کا مشتاق ہون۔ ترنم ساز ہوجا۔ مین اسکی آواز کی موجون پر بڑی دور تک تیرتا ہوا چلا جاؤن گا۔ اور اون موجون کی تہ مین ڈوب جاؤن گا۔

اپنے موقلم سے میری آنکھون کے پردے پر عمیق تاریکی نقش کر دے۔ مین اپنی آنکھین بند کیے ہوئے چپ چاپ لیٹا رہون۔ کچھ نہ دکھلائی دے۔ مین اُس آواز کے سمندر مین ڈوب جاؤن گا۔ ہان ڈوب جاؤن گا۔ اور بس یہی سمندر رہوگا۔ اسکے سوا اور کوئی سمندر نہوگا۔ چاہے دنیا لاکھون اور راگون کی بے شمار تانون سے گونج اٹھے

## راگ نمبر ۱۲

(۲) یہ کون چیز ہے۔ جو ادھر ادھر چمک چمک کر اس چاندنی رات مین خواب نورانی کیطرح تیرے سینہ کو

آئینہ بنائے دیتی ہے -؟
اس کے نور مین راحت لاثانی مستور ہے - ذرا ہم آہنگی اور سرمستی کا عالم دیکھنا - بے روک ٹوک مسرت بے پایان کے ساتھ تیرے دل مین اُتری جا رہی ہے -
کیا یہ گذشتہ زندگانیون کے خواب کا پرتو ہے - یہ کس گذشتہ نیکی کا ثمرہ بنکر تیرے دل مین لہرا رہی ہے - تیری مدت ہستی مین کون مٹا ہوا خیال اس خواب کو نقش کرنے کے لیے بھر آیا ہے -!
صرف میرے دل مین اسکی تنویر کا عالم چھایا ہوا ہے - اور اس چاندنی کی موجون مین سیکڑون پھول یادکے کھل جاتے ہین - پھر جب سیکڑون زندگانیون کی اشکباری اور قہقہہ ریزی کا میرے دل پر اثر ہوتا ہے تو اس راگ کے سمندر مین وہ بھی ترانہ سنجی پر مائل ہو جاتا ہے - اس وقت میری تمام زندگیان ایک ہی سلسلے مین منسلک ہو جاتی ہین - اور محض ایک پھول کی طرح خواب کے سمندر مین تیرنے لگتی ہین -

## راگ نمبر ۱۴

(۳۰) - او بادل چھاگئے - مطلع ابر آلود ہوگیا - اور ہر طرف تاریکی پرا جمانے لگی - لہر پر لہر اُچھلتی ہوئی چلی آرہی ہے مگر درد سے بے چین مضطرب - تھرتھرائی جاتی ہے - کانپ رہی ہے - ذرا جوش و خروش دیکھنا - گویا کوئی چیخ رہا ہے - آج عالم بالا پہ ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی ہے - اور ادھر میری روح نے عجیب غوغا مچا رکھا ہے -
کیا یہ نعرۂ مسرت ہے ؟ کیا یہ نالۂ دلگداز ہے - یا کوئی گھری محبت سے نکلی ہوئی صدا یہ کس قدر متوحش ہے کس قدر جنون خیز ہے - معاذاللہ مجسم اضطراب ہے - اے دل یہ کس قسم کا راگ تو نے چھیڑا ہے - آخر کس چیز کی طلب ہے - تو کیا چاہتا ہے -؟
دیکھنا آج عالم بالا پہ ہر طرف تیرگی کا عالم طاری ہے -

## راگ نمبر ۱۵

(۴۰) — دیکھنا آج گردون کس قدر تیرگی خیز ہے - اور تیرے بازو عالم وحشت مین مائل پرواز ہین - تیرے سینۂ تاریک پر روز قیامت کے طوفان کا جمگھٹا ہے - اور تیرا راگ فرط جنون سے متوحش میرے دل مین برق آسا ادھر اودھر چمک رہا ہے - ہان اس عالم مین - اے بحر جنون انگیز آ - تموج خیز ہو کر اس عالم

تیرگی ہین میرا سینہ تیرے لیے بے حجابانہ کھلا ہوا ہے - مین تجھے تیر دونگا، مین تجھ مین ڈوب جاؤنگا -
دیکھ، موت کی تاریکی آسمان پر چھائی ہوئی، اور ہوا کے جھونکون مین لے ہوئے ہین - اور یہ سب باتین مجھے
قیامت کے آثار دکھارہی ہین -

## راگ نمبر ۱۶

(۵) - یہ صدا جو کسی دلکش ساز سے نکل رہی ہے - نہ تو خوابون کے گلکدہ کا کوئی ہار ہے نہ کوئی
سرود لطیف، ! یہ تو ڈر ہے - دیکھو دنیا غرقاب فنا ہو رہی ہے - قیامت کا چشمہ نہایت خشم
آگین ہو کر سرعت کے ساتھ بڑھتا ہوا چلا آرہا ہے -

تیرہ و تار آکاش مین وحشت انگیز طوفانی ہوائین چل رہی ہین - بے تھاہ سمندر آسمان پہ
اچھلے جارہے ہین -

اور موت کی اس ہنگامہ خیز صدا اور بقا کے ان ہولناک نغمون مین یہ شب تیرہ و تار بے نور
ہے - کہین روشنی کا پتہ نشان نہین - صرف کوندا لپک رہا ہے -

اور موت تیرے سینۂ فگار کے اندر سے پکار رہی ہے - تیری وحشت خیز موجون مین بقا کے
بے شمار اژدہے منہ پھیلائے ہوئے بیٹھے ہین - یہ ہے قیامت کا ہولناک منظر - لاکھون
(عفریت) وحشت سے صدائے خشمگین بلند کر رہے ہین -

اور موت بے انتہا تیرگی کے عالم مین اپنی صدا لگارہی ہے -

## راگ نمبر ۱۷

(۶) یہ طوفان جاودانی میری روح مین سماگیا ہے - بادبان شکستہ ہوگیا - لنگر ٹوٹ گیا -

• ہان، میرے دل کا سفینہ غرقاب ہوتا ہے -

اس بحر قیامت مین - اس بحر چشمۂ فنا مین میرا دل کبھی نہ دور ہونیوالی تاریکی کے سبب بے بس ہے

## لے قلزم مواج

آج تو میرے سینہ مین اپنا قیام کر - مین اسکے اندر تجھکو مستور رکھونگا -

## راگ نمبر ۱۸

(۷) اے جٹا داری جبٹی۔ اے کال (موت) پلٹ جا پلٹ جا۔ انھین پائون لوٹ جا اپنا پر لے کا ترسول اپنے پاس رکھ۔ باحسرت بکال۔ حیات کو باحیات رہنے دے۔ اسکو اپنی روح کے راگ مین وصل اور اپنے کاشانہ مین فنا ہو جانے دے۔

اے بحر قیامت۔ اے رُدر۔ کالؔ۔ (وقت) کے بے تھاہ سمندر کے رنج و راحت سے لبریز کائنات کا کنول تیرتا اور ڈگمگانے لگتا ہے۔ اسکو چھوڑ دے۔ اسکو دل بھر کے کھیل لینے دے ہان اسکو مرجھانے دو فنا ہو لینے دے

## راگ نمبر ۱۹

(۸) اے۔ زعم نصرت مین دنیا سے بے خبر فاتح۔ ٹھہر اے۔ اپنا رتھ ٹھہرا لے۔ ہاتھ سے تیر زمین پر ڈالدے۔ دیکھ شام سُبک پا۔ چپکے چپکے بڑھی چلی آ رہی ہے۔ اور آسمان پر ہلکا ہلکا نور چھایا ہوا ہے روک لے اپنا مرکب۔ اے میرے فاتح۔ ذرا سستا لے۔ آرام کر لے۔ ٹھہر جا۔ ہان ٹھہر جا۔ تو ہنگامۂ کارزار سے تھک گیا ہوگا۔

میرے دل پر فتح پانے کے لیے۔ جو جنگ تو نے میرے ساتھ چھیڑی تھی۔ بالکل بیکار تھی۔ یک قلم بے سُود تھی۔

کیونکہ مین تو خود مسرت سے تیرا دم بھرنے۔ تیری اطاعت کرنے۔ ہان تیرا حکم بجا لانے کے لیے تیار تھا۔ اب مین تیرے شوالے مین شام کا چراغ روشن کرون گا۔

اور میری استیتان بھجن۔ میرے عبادت کے گیت تیرے کاشانۂ دل مین شرف پائین گے۔

مین تیرے لیے ایک فرح بخش پلنگ بچھا دون گا۔ تو اس پر آرام کر۔ استراحت فرما ہو۔ مین تیرے پائینتی آب سرد کا ایک برتن رکھ دون گا۔

ہان۔ تو یہ جنگ جو تو نے میرے ساتھ چھیڑی تھی۔ بالکل بیکار تھی۔ یک قلم بے سود تھی۔ کیونکہ مین تو خود بکمال مسرت تیرا دم بھرنے۔ تیری اطاعت کرنے اور تیرا حکم بجا لانے کے لیے تیار تھا۔

---

‡ کال شیوجی کا نام ہے۔ شیوجی کا روپ جٹا داری ہے۔ شیو فنا کرنے والی طاقت کو کہتے ہین۔ اس لیے موت کو جٹا داری کا لقب دیا گیا۔ شیوجی جتی یعنی (مُرتاض) ہین اس لیے موت کو بھی جتی کی صفت سے متصف کیا گیا۔

## راگ نمبر (۲۰)

(۹) - اے میرے مالک تو نے میرے نہان خانہ قلب کی جانب پھر رُخ پلٹ دیا ہے - جہان خوشگوار عطر ریز ہواؤن مین ہر طرف پھلون اور پھولون کا ڈھیر لگا ہوا ہے - آج تیرا ترانہ قیامت نہین چھڑا - اور زندگی تیری آنکھون اور لبون مین منکن گزین ہے - تیرے اس راحت بخش ظہور پر مین آج چشم غور سے نگاہ ڈال رہا ہون - آہ کس قدر مسرت اُمنڈ اُمنڈ کر ایک دل سے نکلکر دوسرے دل مین گھر کر رہی ہے -

اور میری رُوح جو تیرے ترانہ سنجیون کی طلب مین بیقرار ہے - پھر اس اسکے دل کا غنچہ کھلیگا - کھلکر اپنی بہار دکھائیگا - اور جب تو اس کو طلب کریگا - تو وہ راگ بنکر ہر طرف روان ہو جائیگا -

ذرا دیکھنا آسمان پر تیرے ترانون کی دلکش صدا گونج رہی ہے - اور ہوائین پھولونکی مہک سے مالا مال ہین

## راگ نمبر ۲۱

(۱۰) - اے بحر مَوّاج صبح نوخیز کی تنویر طلائی کیکیون کی مانند تیری لہرون پر اپنی بہار دکھا رہی ہے اور ایک ایک پل مین ایک نیا اور نرالا خواب اپنی جھلک دکھا جاتا ہے -

آج تو کسی عاشق شاہانہ مزاج کے مانند جامہ زیب ہو کر ایک مہذ زرین مین جلوہ افگن ہے - اور تیری محبت اِن سنہری لہرون مین محو روانی ہے - تیر رہی ہے - !

اور مین تیری خدمت مین نذر کرنے کے لیے اپنے ساتھ ایک ایسی رُوح لایا ہون جو سرتاپا نور سحر سے معمور ہے - مین اسکو تیرے قدوم پر نثار کرون گا - ہان اسکو تجھے نذر کرون گا

میرے ہاتھون نے سُنہرے رنگ کے کنولون کا ایک ہار تیار کیا ہے اور مین اسکو تیرے گلوئے زرین مین پہناؤن گا - اور پھر مین اور تو یک جان و دو قالب ہو کر ایک ہی رشتۂ محبت سے جکڑ کر دکھا کے نازک نازک آغوش مین لیٹ جائین گے پھر ہم پر ایک عالم خواب طاری ہو جائیگا - اور دین و دنیا کی خبر نہ رہیگی -

## راگ نمبر ۲۲

(۱۱) - آج آسمان رقت آمیز لہجہ مین ترانہ ریز ہے - ایک دل بیقرار کے مانند نہایت ماتم خیز دھن مین اس نے اپنا راگ چھیڑا ہے -

آہین - یہ کیا بات ہے - ذرا دیکھو تو بادل زبان حال سے کیا کہہ رہے ہین - ہوائین گردون پر

چکر کاٹ کاٹ کر اور بحر مواج کو غمگینی کے ساتھ چوم چوم کر کیون نالہ زنی کر رہی ہین - ؟

اُف - آج میرا دل بیٹھا جا رہا ہے - اور اسکے نالے سوز و گداز سے بھرے ہوئے ہین

ذرا بتا تو اے دل تجھے کیا چاہیے - ؟ تجھے کس شے کی تلاش ہے - آج تو نے اپنا قیام کہان کیا ہے - ؟

تو کس طرف اُڑا جا رہا ہے - کبھی دور اور کبھی نزدیک - دیکھو دیکھو یہ بادلون کیطرف کس لیے لپکتا اور

کیون رقت کے عالم مین ڈوب کر ایک ماتم خیز لہجہ سے راگ ادا کر رہا ہے - نئے کا خیال ہے - تان کی پروا

ہان - دیکھو آج آسمان کیسی دل گداز دھن مین ترانہ ریزی کر رہے ہین -

## راگ نمبر ۲۳

(۱۲) اے میرے بحر مواج سو جا سو جا - اپنی ترانہ سنجی سے تھکی ہوئی آنکھین بند کر لے - سو جا

دوپہر کا وقت ہے - آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہین - ایک سناٹا سا ہر طرف چھایا ہوا ہے - اس وقت

آسمان پر کوئی ہے بھی نہین - بالکل تنہائی کا عالم ہے - ایسے عالم مین تو آرام کر - استراحت فرما ہو

مین تیرے ساحل پر بیٹھا ہوا ہون - اور اپنی دونون آنکھون سے تیرے چہرہ نورانی کو گھور گھور کر دیکھ

رہا ہون - مگر تو سو جا ہان سو جا - میرا دل جاگ رہا ہے - اے یار غمگسار - مین تجھکو کب پہچانون گا

تو مجھے اپنی اصلی صورت کب دکھائیگا - ؟ - کب اس خواب ناز کے عالم سے بیدار ہوگا - ؟

مین تیرے لیے کتنی طویل نظم تیار کر دون - مین تیرے لیے چشم براہ ہون - مجھے تیرا انتظار ہے -

ہان تو کسی روز جب شام کا جھٹپٹا وقت ہو - تو اپنے دشت شوق میرے لیے دراز کر لینا -

(تاکہ مین تجھ سے بغلگیر ہو جاؤن)

## راگ نمبر ۲۴

(۱۳) — اے میرے شاہد طناز -

کیا مین پہلے بھی تیرے دیدار فرحت آثار کی دولت لوٹ چکا ہون -

کیا مین کبھی دست شوق کو تیرے ہاتھون سے ملا چکا ہون - کیا مین نے تیری چشم پُر فن کے حسن پنہانی کی کبھی پہلے داد دی ہے

اگر ایسا ہے تو للہ مجھے بتا دے کہ وہ کون زمانہ تھا - کس خطۂ فراموش شدہ مین میری اور تیری آنکھین چار ہوئی تھین

اور کیا اُسوقت مجھے تجھ سے ہمکلام ہونیکا موقعہ بھی حاصل ہوا تھا -

ہان اُسوقت کون خوشگوار ترانہ چھیڑ کر تو نے مجھے سرمست کیا تھا -؟

اے محبوب دلنواز کیا تو نے تبسم ریزی کے ساتھ مجھ پر نگاہ ڈالی تھی -؟

گھرے سے گہرے جذبات نے بھی ان آنسوؤن کو ابل پڑنے پر آمادہ نہین کیا -

کیا اس وقت میرا دل انھین آنسوؤن سے لبریز طغیانی برپا کرنے پر مائل تھا -؟

اور کیا اسوقت میرے دل کے اندر ایسے خیال سنسنی پھیلا رہے تھے کہ کیا ایسی محویت کا عالم مجھ پر طاری تھا

کیا اسوقت ایسی سرد آہین میرے دل سے نکل رہین تھین - اور کیا اسوقت تو نے دست شوق بڑھا کر مجھے اپنی آغوش محبت مین اس طرح جگہ دی تھی - جس طرح گھری اور سچی اُلفت سے سرمست کوئی دوست بغلگیر کر لیتا ہو -؟ - کیا اس وقت محبت کے سحر آمیز منترون کے ذریعہ سے تیرے خیالات کی دنیا نے میرے کاشانۂ قلب مین نزول فرمایا تھا ؟

یہ سب باتین مجھے یک قلم یاد تھین - ہان صرف اس قدر یاد ہے کہ ایک زمانہ دراز گذرا جب میرا دل تیری آرزو مین بیقرار رہا کرتا تھا -

جانمن مین تجھکو جانتا ہون - ہان اچھی طرح پہچانتا ہون -

تجھ سے بغلگیر ہونیکا ماجرا ابھی میرے دل و دماغ مین تازہ ہو گیا ہے - اسی لیے اب مین پھر تیری طرف بہتا ہوا چلا آرہا ہون -

اور میرا خیال ہے کہ کسی عجیب و غریب خلوت خانہ مین ہم دونون آخر کار باہم دیگر مل جائینگے - مجھے تیرا تقرب نصیب ہوگا اور تجھکو میرا - پھر مین تجھکو پہچانونگا اور تو مجھے پہچانے گا - اور پھر ایک سحر خیز اور فرحت انگیز عالم مین - جب آدھی روشنی اور آدھی تاریکی کا سمان پیش نظر ہوگا - ہماری اور تیری اُلفت دیرینہ پھر بیدار ہو کر ہمین یکجان دو قالب کر دیگی -

## راگ نمبر ۲۵

(۱۴۱) ابھی میرے سوا اور کسی کی آنکھ نہین کھلی ہے - اسوقت صرف مین ہی جاگ رہا ہون - اور اس سناٹے اور تنہائی کے عالم مین تو میرے مقابل جلوہ آرا ہوگا اور مین تیرے سامنے استادہ -

ابھی آفتاب عالمتاب نے مطلع مشرق کو اپنی نورانی شعاعون سے منور کیا ہے - لیکن مین بیخودی

شوقی مین محو - تیرے روحانی جمال کے دریا مین نہانے کے لیے قدم بڑھائے ہوئے جارہا ہون
تیرے یہ ترانے جو دنیا پر آشکارا ہوگئے ہین - اب آشکارا ہی رہین گے - ان کو اب کسی نہان خانہ
مین جگہ نہین مل سکتی - تیرے راگ جو ایک زمانہ کے کانون تک گونج چکے ہین - وہ ساری دنیا کیلئے مقصود ہین
مگر تو مجھے اس راگ سے محفوظ کر جو دن رات برابر تیرے لطف مین ہر نفس جاری رہا کرتے ہین - مین اس
راگ کو لیکر اپنے سینہ مین مخفی رکھون گا - اور اس کو اپنی روح مین جذب کرون گا -

اے بحر زخار - اے یار غمگسار - مین تیرے پاس تنہا آیا ہون - اور صرف تیرے اس ناشنیدہ راگ کی
امید مین میری آنکھ کھل گئی ہے -

## راگ نمبر ۲۶

(۱۵) - آفتاب عالمتاب کا چہرۂ نورانی ابھی گوشۂ مشرق سے نمودار نہین ہوا -
اور ایک دلفریب تاریکی پردۂ محبت کے مانند تجھ پر اور تیرے گرد و پیش جلوہ افگن ہے - اور خواہ تو اس
نمایان تاریکی کے پس پردہ تنویر کے عالم مین محو خواب ہو - یا بیدار - تیرا چہرہ ایک تصویر سکوت اور تیری
آنکھین جلوہ گاہ عافیت بنی رہتی ہین -

اے قلزم مواج - تیری نگاہ کی دلکشی اور سکوت آمیزی کے تصدق اس دھندلی دھندلی نصف
روشنی اور نصف تاریکی کے عالم مین دفعتاً میری گفتار اور میرا ترانۂ خوشگوار دونون وقف سکوت ہوگئے ہین -
عزیز سمندر کیا مجھ مین اور تجھ مین جبلی اخوت کا رشتہ قائم نہین ہے - اسی لیے مین تجھسے عرض پرداز
ہون کہ دفعتاً فوقتاً تو میری خبر لے لیا کر اور مجھپر چشم محبت رکھا کر - کاش اس سرود لطف انگیز کی صدا - جو تیرے
قلب فراخ مین پیہم جاری ہے - کبھی کبھی میرے سینہ مین بھی گونجا کرے -

## راگ نمبر ۲۷

(۱۶) - سورج کی کرنین تیرے چہرے پر بھی بہار دکھا رہی ہین اور وہ کرنین بھی کیسی - خود تیرے شوکت
و اجلال کے مانند بشاشت خیز اور سکون آمیز -
تو نے میرے گلزار روح سے میرے تمام خیالات کے زرین پھول یک قلم نکال لیے ہین - اور اب وہ
ہار کے مانند تیرے زیب گلو ہین -

اے بحر مواج مین تیز ے ساحل پر ہتہیدست استادہ ہون۔
ذرا بہر خدا میری تسکین خاطر کے لیے اور ایک ترانۂ جانفزا چھیڑ۔
اسکو میرے سینہ کے اندر بے انتہا آب حیات کے مانند تموج خیزی پر مائل کردے۔ کہ تا ابدالآباد اسکی
صدا صدا گونج گونج کر میرے دل کو عجیب و غریب سرور سے مست کرتی رہے۔
اور اے بحر بے پایان آج مین ملکون ملکون مین گھومتا ہون۔ ہر جگہ تیرا ہی راگ گاتا پھرون گا۔

(ترجمہ) (منور لکھنوی)

## مغربی جواہر ریزے

زندگی کے فرائض اُسکی پائیداری کیساتھ قائم اور پیدا ہوجاتے ہین۔ اگر ایکدن کا کام نامکمل
چھوڑ دیا جائے تو دوسرے دن دگنا ہوکر ہمارے سامنے آتا ہے (ڈاکٹر جانسن)

شریف آدمی وہ ہی جو اپنے ضمیر کی ہدایات کو نظر انداز نہین کرتا جیسے وہ اپنی قدر کرتا ہی
ویسے ہی دوسرون کی عزت کا بھی اُسے خیال رہتا ہے (سمائلز)

جب ہم اپنے فرائض منصبی ادا کرتے ہین تو ہم ذرا بھی تعریف کے مستحق نہین ہوتے کیونکہ
ہم نے صرف وہی کیا ہی جسکا کرنا ہمارے لیے نہایت ضروری تھا (اگسٹن)

کوئی چیز ایسی بری نہین جیسا کہ وقت کا ضایع کرنا۔ انسان کا دل چکی کی مانند ہے جسمین گیہون
پیسا جائے تو آٹا ہو اگر خالی گھما یا جائے تو اسکا اپنا نقصان ہو (مارٹن لوتھر)

نرمی بہترین طرز عمل ہے۔ دنیا مین عمدہ عادات سے بہتر کوئی چیز نام پیدا کرنے یا
اُسکی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے نہین ہے (لارڈ ملٹن)

اپنے دوستون اور رشتہ دارون کی بخوبی تواضع اور تکریم کرو اور اُن کے نیک کامون مین
اعانت کرو کیونکہ اس طریقہ سے رشتہ محبت دوچند اور مستحکم ہوجائیگا مگر خوشامدیون سے پرہیز کرو
(لارڈ برلی)

وہ لوگ کبھی خوش نہ تھے جنکی حالت سمندر کی مدوجزر کی طرح متزلزل تھی اور جن کی
خوشحالی دریا کی طرح غائب ہوگئی (کوپر)

افتخار الوسیلہ

# رُوپ متی

روپ متی حسن و موسیقی کی دیوی تھی، وہ ایک گلاب کے پھول کی طرح رئیس دھرم پور کے بہارستان امید مین کھلی اور انگور کے نرم و نازک بیل کی طرح اسکے چمنستان آرزو مین ہر طرف لہرانے لگی، اسکی بہار آفرین ہستی سردار دھرم پور کے گھر کا چراغ تھی، نربدا کی موجین اوسکی تخیلات مین ایک لطیف روانی پیدا کیا کرتی تھین، وہ اس کی موجون سے پہرون کنول کے پھول کی طرح کھیلا کرتی، اور ان نغمون کو سنا کرتی جو اسکی بل کھانے والی لہرین زبانِ حال سے گاتی رہتی تہین،

وہ موسیقی کی دلدادہ تھی، اور اکثر گھر سے نکلکر نربدا کے کنارے درختون کے کنج مین بیٹھکر، ساری فضا کو اپنے نغمۂ مخمور سے متوالی بناتی رہتی، شام کے دلفریب سناٹے مین (جب مناظر فطرت، آفتاب کی آخری شعاعون مین نکھرنے کی کوشش کرتے ہین) اُس کی آواز گرد و پیش کی فضا کو ہنساتی رہتی تھی،

ایک دن وہ ایک گھنی کنج مین بیٹھی ہوئی مناظر فطرت پر موسیقی کی بجلیان گرا رہی تھی جنگلی جانور نغمون کی بے پناہ کشش سے اس کی طرف کھنچے چلے آتے تھے، ستار کی آواز اس کے نغمون کا زیور بنی ہوئی تھی، اسکی نرم نازک انگلیون کی گردش تارون مین ایک اضطراب پیدا کر رہی تھی، اور ان کے ارتعاش و اضطراب سے نمایان تھا، کہ وہ ذرا دیر کے لیے بھی اون انگلیون کے جان بخش اشارون سے جدا ہونا پسند نہین کرتے،

روپ متی گانے مین اسقدر محو تھی کہ گرد و پیش کے فطری مناظر بھی اسکی محویت کو شکست

نہ دے سکتے تھے، اتفاقاً اس کی نگاہ ایکطرف اُٹھ گئی جہان کھجورون کے جھنڈ مین ایک حسین نوجوان حسن و موسیقی کی زنجیرون مین جکڑا ہوا محویت کے عالم مین ہمہ تن گوش بنا ہوا کھڑا ہوا تھا، اسکے چہرے سے سراسیمگی و بدحواسی ٹپکی پڑتی تھی، اور معلوم ہوتا تھا کہ اسپر ایسی کیفیت طاری ہے کہ اسکو اپنی ہستی کی بھی خبر نہین،

یہ مالوہ کا نوجوان راجہ، باز بہادر تھا، جو نربدا کے کنارے شکار کھیلتا کھیلتا لشکر سے جدا ہوکر اسطرف نکل آیا تھا، وہ فطرتاً حسن و موسیقی کا دلدادہ تھا، نغمون کی آواز اسکو یہانتک کھینچ لائی اور وہ کھجورون کی کنج مین چھپکر اپنی روح کو شراب موسیقی سے مخمور کرنے لگا۔ وہ ایک قیدی تھا جسکو نغمون کی کشش اور روپمتی کے حسن دلفریب نے دُہری زنجیرین پہنا رکھی تھین اسکو خبر نہ تھی کہ ابھی تیسری زنجیر بھی باقی ہے، جو روپمتی کی نگاہ ناز لیکر آنیوالی ہے، چنانچہ روپمتی کی متوالی نگاہون نے بڑھکر اپنے قیدی کو محبت کی ایک زنجیر اور پہنا دی،

باز بہادر اسوقت گویا ایسے عالم مین محو تھا، جہان انسان کو موت کا بھی خوف نہین ہوتا، اسکے دلپر بیخودی کی حکومت تھی، اور وہ مادیت سے الگ ہوکر روحانی لطافتون مین غرق ہوچکا تھا، وہ دیکھتا تھا مگر آنکھون کی خبر نہ تھی، سنتا تھا مگر کانون سے آشنا نہ تھا، دلمین ایک لذت محسوس کرتا تھا مگر دل کا ہوش نہ تھا،

روپ متی بھی گانے مین ایسی محو تھی، کہ اُسے اپنے شکار کی پروا نہوئی، وہ باز بہادر کو اپنی غلط انداز نگاہون سے دیکھتی جاتی تھی، مگر اپنی دھن مین مست تھی، تھوڑی دیر مین نغمون کا "تلاطم کم ہوا، روپمتی، سنبھل کر بیٹھ گئی، باز بہادر بھی ہوش مین آیا اور وہین گھاس پر بیٹھ گیا، اب نگاہین باقاعدہ محبت کا پیام دینے لگین، روپمتی بھی اپنے دلمین محبت کی کھٹک محسوس کرنے لگی، نگاہون نے زبان کو اُبھارا، اور راز و نیاز مین زبان بھی شریک کرلی گئی۔

باز بہادر نے روپمتی کے سامنے اپنا دل پیش کیا، اور نہایت پرسوز لہجہ مین تمنا ظاہر کی کہ اس حقیر تحفے کو قبول کرلے،

روپمتی خود بھی محبت کا شکار ہوچکی تھی، لیکن قوم اور عزت کا اسقدر پاس تھا کہ وہ باز بہادر

زر ہدیۂ محبت کو اُسکے مقابلہ مین ہیچ سمجھتی تھی، اُسنے باز بہادر کی عرض نیاز کی پروا نہ کی اور کہا کہ مین آپ کی شریک محبت تو ہون، مگر شریک زندگی اسوقت تک نہین بن سکتی جبتک دریاے نربدا کی روانی اپنی مستانہ خرامی سے منڈو کو سیراب نہ کرے،

محبت کی یہ شرط بھی کسقدر مشکل تھی۔ نربدا کا پانی شہر منڈو مین کیونکر پہونچ سکتا تھا جو سطح نربدا سے ایک ہزار دو سو فٹ اونچا ہے لیکن اسی ان ہونی بات پر باز بہادر کی کامیابی منحصر تھی۔ قدرت کے کھیل بھی نرالے ہوتے ہین جہان سچی محبت ہوتی ہے وہان مشکل سے مشکل شرط بھی آسان ہو جاتی ہے۔

باز بہادر مین جوش محبت نے استقلال پیدا کر دیا، اُسنے اپنی ریاست کی تمام طاقت اکٹھا کی اور پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا۔ اور ہاتھ مین خود کلھاڑی لیکر پہاڑ کاٹنے مین مصروف ہو گیا اُسکا جنون محبت دیکھکر سمندر کے دیوتا کو بھی ترس آگیا اور وہ باز بہادر کے سامنے آکر بولا ٹھہرو تمہین اپنی محبت کا انعام ملے گا۔ منڈو جاؤ۔ اُس مقام پر جہان سے نربدا کا بہاؤ نظر آتا ہے) ایک املی کا درخت ہے، اُسکے نیچے کھودو وہان پاک چشمہ ملے گا جو دریاے نربدا کا منبع ہے چنانچہ باز بہادر نے ایسا ہی کیا اور زمین کے نیچے وہ چشمہ مل گیا جسکا نام ریوا کنڈ ہے اس نے چشمے کے کنارے ایک محل بنایا اور محل کے غسل خانہ مین پانی لیجانیکے لیے چشمہ سے ایک نفیس نہر جاری کر دی

(۲)

روپمتی کا باپ ایک تند مزاج رئیس تھا، جب روپمتی اور باز بہادر کی محبت مشہور ہوئی تو وہ بیٹی کے ان کرشمون کو سُنکر بہت آزردہ ہوا اور روپ متی سے کہا کہ روپ متی تو نے کل مین داغ لگایا، اور ایک مسلمان سے محبت کی، تو نے دھرم کو ناس کیا، اسکی سزا یہ ہے کہ تو موت کے لیے طیار ہو جا، زہر کا پیالہ محبت کا خوشگوار تحفہ ہے، یہ تجھے پینا پڑے گا۔ تیری لاش چتا پر جلائی جائے گی، اور راکھ نربدا کے صاف و پاک پانی مین بہا دیجائیگی۔ آگ تجھکو جلا کر، اس محبت کی آلایش سے پاک کر دے گی، اور نربدا کی موجین تیری راکھ کو ابد تک اپنے آغوش مین کھلاتی رہین گی،"

"تو چاہتی ہے کہ میرے ملک کو ظالم مسلمانون کے ہاتھ مین دیدے، مانا کہ مین دولت و قوت

مین انکے برابر نہین، لیکن مین دھرم پہ ہر چیز کو قربان کرنے کے لیے طیار ہون، یہ قربانی نرگی محبت کی قربانی ہوگی، لے یہ زہر کا پیالہ حاضر ہے، جس نے تجھ سے پہلے بھی بہتون کی عزت و عصمت کا پردہ رکھ لیا ہے،

باپ کے یہ الفاظ رانی روپمتی کے دلمین تیر کی طرح چبھ رہے تھے، لیکن اُسکا خیال ایک ایسے مُلک مین سیر کر رہا تھا جہان اوسکی تمناؤن کی شاندار عمارت کھڑی تھی،

باپ نے پھر کہا۔ بیٹی روپ متی! مین دو چیز تیرے سامنے پیش کرتا ہون۔ ان مین سے جو پسند آئے قبول کر۔ یا تخت یا تختہ، یا تو مسلمانون کی ملکہ بننے کا خیال دل سے نکال دے یا زہر کا پیالہ قبول کر ہمیشہ باعصمت راجپوت دیویون کی عزت بچاتی ہے،

روپمتی نے کہا پتاجی، مرنا مجھے منظور ہے مین آپ کی عزّت کو برقرار رکھونگی مین خاندان پر کلنگ کا ٹیکا نہ لگاؤن گی، مین ایسی بیٹی بننا نہین چاہتی، جسکے نام کے ساتھ خاندان کی رسوائی کی داستان مشہور ہو،

تند خو اور غضبناک باپ زہر کا پیالہ لیکر آگے بڑھا، روپمتی باپ کے ہاتھ سے پیالہ لیکر حسرت بھری نگاہ سے اُسکی طرف دیکھنے لگی اور آخری سلام کے بعد بولی، پتاجی، جب کبھی میرا تذکرہ آئے تو اِس زہر کے پیالے کو بھی یاد کر لیجیے گا، اُسنے پیالہ کو ایسی نظر سے دیکھا جسمین، محبت اور یاس دونون شریک تھین، اور دریاے نربدا کیطرف دیکھا بولی، ماتا نربدا میری آخری التجا سن تو مین شاید اپنے اب اس زندگی مین تم سے ہم آغوش نہ ہوسکونگی مگر میری خاک، میری جلی ہوئی تمناؤن کی نشانی تمہارے دامن مین ہوگی، اس عاشق نامراد کو برباد نہ کرنا بلکہ ایسے بہارستان مین لیجاکے ڈالدینا جہان سدا بہار پھول کھلے ہون اور بلبلین نغمہ رنگین سے ساری فضا کو ہمیشہ مترنم بناتی رہتی ہو،

نربدا تو اپنی لہرونکو حکم دے کہ وہ میرے جنازہ کے آگے آگے نوحہ خوانی کرتی چلین کہ روپمتی مظلوم ہے جس کا غنچۂ تمنا بے کھلے مرجھا گیا اور اس سے پہلے کہ کوئی بھونرا اُسکی آرزو کی کلی کا طواف کرے وہ اس چمن سے رخصت ہوگئی، ہان باز بہادر سے کہدینا کہ وفادار روپمتی نے تمہاری یاد مین خوشی خوشی زہر کا پیالہ پی لیا، ابھی وہ پیالہ پینے کا ارادہ کر ہی رہی تھی کہ

یکایک گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز آنے لگی، روپمتی کا ہاتھ کانپنے لگا اور دل مین ایک دھڑکن سی محسوس ہونے لگی،

خدا کی شان عجیب ہے ایک طرف تو روپمتی کا باپ اپنی عزت کے بچانے کی غرض سے بیٹی کو زہر کا پیالہ پلا رہا تھا اور روپمتی بھی باز بہادر کی جدائی مین موت کو زندگی سمجھتی تھی۔ دوسری طرف باز بہادر روپمتی کا دیوانہ حسن شرط محبت کے لیے سرگردان تھا، اور موت اس افسانہ محبت کو ختم کرنے کے لیے زہر کے پیالے مین روپمتی کے لب لعلین کا انتظار کر رہی تھی، باآکید کر رہا تھا کہ اس شربت تلخ کو جلد پی جاؤ، مایوس روپمتی، پیالہ ہونٹون تک لا چکی تھی کہ نوجوان بادشاہ منڈو باز بہادر پہونچ گیا،

روپمتی، اس غیر متوقع منظر کو خواب سمجھنے لگی اور زہر کا پیالہ جو ہونٹون تک پہونچ چکا تھا، جام جم نظر آنے لگا، وہ خاموش تھی مگر دل کی دھڑکن سے پیالے کے زہر مین مبہم موجین اُٹھنے لگین اور یہی موجین اسکی افسردہ تمناؤن کا تبسم نازنگین،

سردار دھرم پور، باز بہادر کو دیکھتے ہی زخمی سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگا، اور تلوار کا ایسا بھرپور وار کیا کہ اگر عاشق مزاج، باز بہادر فنون حرب سے واقف نہ ہوتا تو عشق و محبت کی ساری داستان ایک ہی وار مین ختم تھی،

باز بہادر، سردار دھرم پور کے حملون کو روکتا ہوا، روپمتی کے پاس پہونچا اور روپمتی کے ہاتھ سے زہر کے پیالے کو چھین کر زمین پر گرا دیا۔ اتنی دیر مین باز بہادر کے ساتھ والے سپاہی بھی پہونچ گئے اور شور دار و گیر بلند ہوا، آخر محبت کی فتح ہوئی اور کامیاب باز بہادر روپمتی کو لیکر اس ہنگامے سے صاف نکل گیا،

---

مشتاق رائے

# جواہرات عالم

## شاہی خزانہ کی چوری

ستمبر ۹۳ء مین انقلاب فرانس کا بہت زور تھا، بادشاہ وقت معزول ہوچکا تھا۔ ہرطرف قتل وغارت کا بازار گرم تھا شرفاو معززین شہر زندان کی اذیتین برداشت کر رہے تھے، اس ہل چل مین سیکڑون بدمعاش، چور، اُچکے جیل سے نکل بھاگے اور پیرس کو علی الاعلان اپنا جولانگاہ بنا لیا،

ایک دن دو بدمعاش، جوزف ڈوگنی اور جان خبکوئش ایک ہوٹل مین بیٹھے شراب پی رہے تھے اتفاق سے اسی ہوٹل مین چند شریف اشخاص بھی بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے تھے، اثنار گفتگو مین ذکر آگیا کہ آجکل MENLATE[1] GARDE کی نگرانی خوشامدی افسرون کے سپرد ہے، جو شاہی خزانہ کی حفاظت مین لاپروائی سے کام لیتے ہین، اور اپنے فرائض کو اچھی طرح ادا نہین کرتے۔ ان بدمعاشون نے بھی یہ بات سُن لی اور اُسیوقت سے شاہی خزانہ مین چوری کرنے کا منصوبہ کرنے لگے، خزانہ شاہی مین بہت سی نادر اور بیش بہا چیزین تھین، سامان شاہی طلائی و نقرئی ظروف کے علاوہ بیسون بکس موتیون اور جواہرات سے بھرے رکھے تھے، ان بدمعاشون نے اس خزانہ پر پہلا دھاوا ۱۵ ستمبر کی شب کو کیا، لیکن انکی یہ کوشش بے سود ثابت ہوئی، لیکن پھر دوسری بار زیادہ جمعیت کیساتھ سرگرم غارت ہوئے، ان کے کچھ ساتھی بھیس بدل کر، پہرے پر کھڑے ہوگئے اور خود وہ دونون خزانے کے اندر داخل ہوگئے۔ تھوڑی دیر تک چوری کا سلسلہ قائم رہا۔ اگر محافظون کا گروہ اپنے مقررہ وقت پر نہ پہونچ جاتا تو یہ بدمعاش خزانے کا صفایا ہی کر دیتے، پھر بھی خزانے کا ایک بڑا حصہ چرا لیگئے، چورون نے مال مسروقہ کا کچھ حصہ تو مختلف طریقون سے فروخت کر دیا، کچھ زمین کے نیچے دفن کر دیا۔ اور کچھ بکس مین بند کرکے دریا مین پھینکدیا۔

[1] مشہور فرانسیسی محل کا نام ہے جہان بہت بڑا خزانہ رہتا تھا۔

چوری کی صبح کو عجب نظارہ تھا۔ گلی کوچوں اور سڑکوں پر جواہرات ٹھیکریوں کی طرح بکھرے پڑے تھے بعض ایماندار لوگوں نے تو ان جواہرات کو خزانہ سرکاری میں داخل کردیا مگر عام طور پر لوگوں نے اُٹھا اُٹھا کے اپنے گھروں میں رکھ لیا۔ اسطرح شاہی محل کے بڑے بڑے قیمتی جواہرات غائب ہو گئے اسمبلی ASSEMBLY میں جب یہ خبر پہونچی تو رولینڈ ROLAND وزیر اور اس کے ماتحتوں پر لعنت ملامت کی بوچھار شروع ہوئی۔ اور ایک تحقیقاتی کمیٹی تحقیقات کرنے لگی، آخر وہ دونوں بدمعاش گرفتار کیے گئے، اور قتل کا حکم سُنا دیا گیا، پھانسی کے ڈر سے وہ دونوں سرکاری گواہ بن گئے اور باقی مجرموں کی نشان دہی کی جسمیں سے چند گرفتار کرکے پھانسی پر لٹکا دیے گئے۔

رام سرن نگم ایم۔ ایس۔ سی

## جذبات ہادی

دل میں چھپا تو لوں غم راحت اثر کو میں
اے ضبط کیا کروں نگہ پردہ در کو میں

اندوہِ انتظار سے گھبرا گیا جو دل
کر دونگا ایک وسعتِ شام و سحر کو میں

اے دردِ عشق یاس کی صورت کر اختیار
کب تک اُٹھاؤنگا ستمِ چارہ گر کو میں

او جلانے والے گھر کی بھی رونق تجھی سے تھی
روتا ہوں دیکھ دیکھ کے دیوار و در کو میں

اللہ رے جذبِ گردشِ قسمت کہ دشت میں
پھرتا ہوں اپنے ساتھ لیے راہبر کو میں

اسدرجہ ہے مجھے تری رسوائیوں کا پاس
رکھتا ہوں بند چشم تمنا اثر کو میں

سو بار لٹ چکا ہے جہاں کاروان شوق
پھر ڈھونڈھنے چلا ہوں اسی رہگذر کو میں

تو گر بنا چکیں شبِ غم کی مصیبتیں
اب کیا کرونگا فرصتِ شام و سحر کو میں

پیدا ہے پھر وہی دلِ محزون میں انقلاب
پاتا ہوں پھر اسی غم بیچارہ گر کو میں

اسنے تو زندگی کو مری کر دیا تباہ
اللہ کیا کروں دلِ آشفتہ سر کو میں

قابو نہ دل پہ ہے نہ تو بس ہے زبان پر
کیونکر چھپاؤں گا غم شورش اثر کو میں

کھینچی جمال کا ہادی یہی ہو رفت
پھیلاؤں اپنے دامن شوقِ نظر کو میں

ہادی مچھلی شہری

# قضیۂ برار

(نوشتہ ایف ایچ براؤن اسکوائر سی آئی ای)

ہز اکزالٹیڈ ہائنس میر عثمان علیخان نظام دکن کے مراسلہ موسومہ لارڈ ریڈنگ وائسرائے گورنر جنرل کشور ہند کی اشاعت سے قبل لوگوں کو صرف اسقدر معلوم تھا کہ نظام دکن یار و فادار دولت برطانیہ اور گورنمنٹ آف انڈیا کے درمیان کچھ عرصہ سے کسی قطعہ ملک کے متعلق کچھ جھگڑا چلا آتا ہے لیکن مراسلہ مذکور الصدر کی اشاعت سے اس مسئلہ سے عام دلچسپی پیدا ہوگئی ہے۔

بظاہر حال اس مسئلہ کا زیادہ تر تعلق لارڈ کرزن کی عہد حکومت سے ہی لیکن لارڈ سالسبری مرحوم اور موجودہ نظام کے والد بزرگوار میر محبوب علیخان مرحوم کے اُن کے اسماء گرامی بھی اس مسئلہ سے خاص تعلق رکھتے ہیں۔ اس معاملہ میں ایک فریق تو گورنمنٹ برطانیہ اور وائسرائے ہند تھے اور دوسرا فریق ہندوستان کی ایک اعلیٰ ریاست اور صوبہ برار کے ۳۰ لاکھ باشندے تھے۔ موجودہ نظام کے پدر بزرگوار نے ۱۹۰۲ء میں لارڈ کرزن سے ایک معاہدہ کرکے صوبہ برار کا دوامی پٹہ گورنمنٹ آف انڈیا کے نام لکھا۔ یا تھا نظام موجودہ کا اب یہ دعویٰ ہے کہ ان کے والد مرحوم نے لارڈ کرزن کے دباؤ سے برار کا دوامی پٹہ لکھدیا حالانکہ ان کے اجداد سے مختلف اوقات میں اس صوبہ کے واپسی کے وعدے ہوچکے تھے۔

نظام دکن ہندوستان کے ایک بہت بڑے والی ملک ہیں۔ جنگ عظیم میں آپ کے شاندار اعانت کے صلہ میں حضور شہنشاہ معظم جارج پنجم نے آپکو ہز اکزالٹیڈ ہائنس کا معزز خطاب عنایت فرمایا۔ حضور نظام نے اپنے خاندان کی روایات یار وفادار و معاون دولت برطانیہ کو پورے طور پر قائم رکھا ہے۔ حضور نظام کی ریاست کا رقبہ علاوہ صوبہ برار کے ۸۳ ہزار میل مربع اور رعایا کی تعداد تقریبا

۱ ایک کروڑ ۴۰ لاکھ ہے۔

ریاست حیدر آباد کے بانی آصف جاہ جو اورنگ زیب کی فوج مین ترکمانی افسر تھے۔ ۱۷۱۳ء مین نظام الملک کا خطاب دیکر دکن کے نائب ناظم مقرر کیئے گئے تھے۔ مگر بعد چندے آپنے سلطنت دہلی سے آزادی حاصل کرلی۔ آپ کے انتقال پر ۱۷۴۸ء مین آپکے ورثا مین جانشینی کے متعلق جھگڑا ہوا جسمین انگریزون اور فرانسیسیون نے حصہ لیا اور فرانسیسیون کے نامزدہ نے اپنی حکومت قائم کی، لیکن بالآخر جنوبی ہندوستان مین انگریزون ہی کا اقتدار قائم ہوا اور ۱۷۶۱ء مین برطانیہ نے نظام علی کے جانشینی کو تسلیم کرلیا اور جنوبی سرکار کا علاقہ برطانیہ کو دیدیا گیا جسمین خلیج بنگال کے ساحلی اضلاع شامل کیے اور اٹھارہوین صدی کے بعد دس سال کے دوران مین نظام علی نے دو معرکون مین سلطان ٹیپو کے خلاف شرکت کی اور حسب وعدہ علاقہ مفتوحہ بالعوض مصارف امدادی فوج انگریزون کو دیدیا۔ یہ فوج اسوقت سے حیدر آباد کی اندرونی اور بیرونی حفاظت کی ذمہ دار قرار دی گئی لیکن یہ فوج اس فرض کے ادا کرنیسے قاصر رہی، اور نظام کے خرچہ سے حیدر آباد کنٹنجنٹ کے نام سے ایک اور فوج لیکر جنرل مارکوئس ولزلی نے ۱۸۱۴ء مین قائم کی۔ جسکی کوئی معقول وجہ نہ تھی۔

حیدر آباد کنٹنجنٹ کے مصارف کی بابت مشکلات اور جھگڑے پیدا ہوگئے۔ اور بلا اعانت گورنمنٹ برطانیہ کے روپیہ کی فراہمی ناممکن ہوگئی، ۱۸۵۳ء مین لارڈ ڈلہوزی نے اصرار کیا کہ صوبہ برار کا انتظام فوجی مصارف کی ادائگی کی ضمانت کے طور پر گورنمنٹ برطانیہ کے سپرد کردیا جائے۔ باقی آمدنی نظام کے حوالے کردیجائے گی۔ اس زمانہ کے کاغذات سے ثابت ہوتا ہے کہ فوجی قبضہ کی دھمکی پر نظام نے اس تجویز کو قبول کرلیا۔ لیکن غدر کے بعد جس مین حیدر آباد کے حکام نے برطانیہ کو قابل قدر امداد دی تھی ۱۸۶۰ء کے ایک ضمنی معاہدہ مین یہ بات صاف کردی گئی۔ کہ حیدر آباد کنٹنجنٹ کے مصارف کے لیے بطور ضمانت کے برطانیہ نے صوبہ برار پر قبضہ کیا ہے اور گورنمنٹ نے اپنے رزیڈنٹ متعینہ حیدر آباد کی وساطت سے نظام کو یقین دلایا۔ کہ قبضہ برار عارضی ہے اور جب کبھی برار واپس دیا جائیگا۔ تو اسمین زیر انتظام برطانیہ جسقدر ترقیات کی گئی ہین۔ ان سے نظام مستفید ہونگے۔

۱۸۶۹ء مین مرحوم نظام میر محبوب علی خان ۳ سال کی عمر مین تخت نشین ہوئے۔ اسکے کچھ عرصہ بعد شہرہ آفاق سر سالار جنگ اور امیر کبیر نے جو ریاست کے کارکن تھے۔ صوبہ برار کے حیدر آباد

کو واپس دیے جانے کا سوال اٹھایا اور اس دعوی کے تائید کیلیے بہت بڑے حشم و خدم کے ساتھ انگلستان آئے۔ لیکن یہ بات منظور نہ ہوئی۔ اور ۱۹۰۲ء مین لارڈ سالسبری نے جو اسوقت انڈیا آفس مین تھے۔ بیان کیا۔ کہ قبضہ برار کے معاہدہ مین معیاد درج نہین ہی۔ اور حضور نظام کی نابالغی کے زمانہ مین اس مسئلہ پر بحث کرنا دقت طلب ہے۔ لارڈ سالسبری نے یہ بھی فرمایا۔ کہ جب نظام سن بلوغ کو پہونچ جائین۔ تو انکی جانب سے ایک درخواست معاہدات پر عام نظر ثانی کیلیے پیش ہوسکتی ہے، غالباً کوئی باضابطہ درخواست پیش نہین ہوئی۔ اور صورت حال بدستور قائم رہی۔ لیکن اینگلو انڈین اور ہندستانی اخبارات اور سرکاری حلقون مین یہ مسئلہ اکثر زیر بحث رہا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ ہر وقت حضور نظام کے پیش نظر رہتا تھا اور ہندستان کو بار بار یہ بتایا جاتا تھا۔ کہ برطانیہ کے یار وفادار جنکے ایما سے امپیریل سروس ٹروپس قائم ہوئی اور جو جنگ مین ہمیشہ معقول امداد کرتے ہین انکو برار کا بڑا قلق رہتا ہے۔

یہ شکایت صوبہ برار کی امانت کے متعلق نہ تھی بلکہ اسکے تعلیمی انتظام کی بابت بھی تھی صوبہ برار روئی کا وسادر ہوگیا ہی اور وسائل آمد و رفت کی ترقی سے دیگر فصلون کی قیمت بھی بڑھ گئی ہے۔ اور اسکو بہت کچھ مرفہ الحالی نصیب ہوگئی ہے۔ اس صدی کے ابتدا مین صوبہ برار کی آمدنی ترقی پا کر تقریباً ۸ لاکھ پونڈ و ایک کروڑ ۲۰ لاکھ روپیہ ہوگئی ہے۔

لارڈ کرزن کے زمانہ وائسرائلٹی کا ایک مورخ لکھتا ہے کہ اس رقم کا معقول جز شاذ و نادر ہی بچت کی شکل مین خزانہ حیدر آباد مین پہونچا ہو حیدر آباد گورنمنٹ کا یہ بجا اعتراض ہے۔ کہ برار کا سول انتظام بیحد مصرفانہ ہے اور بالخصوص پبلک ورکس پر بہت زیادہ روپیہ صرف کیا جاتا ہے۔ فوجی انتظام برطانیہ کے ناقابل اطمینان اور حضور نظام کی رائے مین ناپسندیدہ ہین، کنٹنجنٹ عملاً امپیریل فوج کا جز و بن گئی۔ اور ریاست حیدر آباد کی حفاظت کے لیے خاص طور پر اسکی کوئی ضرورت نہین رہی ہے۔ اسکے مصارف ضرورت سے زیادہ ہین۔ اسکی نقل و حرکت پر جو قیود عائد کی گئی ہین۔ انکی وجہ سے اسکی خوبیان کم ہوگئی ہین۔ اور اسکی فوجی پوزیشن بے قاعدہ ہوگئی ہے اسوقت حیدر آباد کو مالی مشکلات کے باعث پریشانیان درپیش تھین اور یہ مستقل شکایت رہی ہے کہ برار کی آمدنی کا وہ حصہ حیدر آباد کو نہین ملتا جس کا کہ وہ مستحق ہے (بحوالہ ہندوستان بزمانہ کرزن

د ما بعد مصنفہ فریزر سنہ ۱۹۱۱ء جب لارڈ کرزن جنوری سنہ ۱۸۹۹ء مین لارڈ کرزن ہوگئے۔ تو ان کے نزدیک یہ حالت ناقابل برداشت تھی۔ دو ماہ بعد آپنے اپنی کونسل سے کہا کہ مین نے عزم بالجزم کر لیا ہے کہ ۱۲ مسائل کو طے کر دون اور یہ سب فیصلہ کے انتظار مین ہین۔ اور یہ خیلہ ایسے ضروری مسائل مین جنکو اب سے بہت پیشتر طے ہو جانا چاہیئے تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہو گیا۔ کہ آپ دیسی ریاستون کے متعلق گورنمنٹ کی پالیسی مین ترمیم کرنا چاہتے ہین جس کا صریح نتیجہ زخم برار کا اپریشن ہے۔ جب سنہ ۱۹۱۲ء مین والسرائے کے حیدر آباد جانے کے انتظامات ہوئے تو حضور نظام کو اطلاع دی گئی کہ لارڈ کرزن کا ارادہ آپسے برار کے متعلق بالمشافہ گفتگو کرنے کا ہے۔

۳۰۔ مارچ سنہ ۱۹۰۲ء کو جو گفتگو ان کے درمیان ہوئی اسیر اس قضیہ کا زیادہ تر انحصار ہے نظام مرحوم نے اس گفتگو کا جو خلاصہ تیار کیا تھا اس سے بہت زیادہ تفصیلی ریکارڈ لارڈ کرزن کا مرتب کیا ہوا ہے لیکن جب لارڈ کرزن کا مسودہ نظام کے پاس بھیجا گیا کہ انہین اس گفتگو کا صحیح حال درج ہے تو نظام نے اسکو سرکاری طور پر تسلیم کر لیا۔ لیکن ہمکو معلوم ہوا ہے کہ اپنے عمائدین کے مشورہ سے ایک خط لکھوا کر حضور نظام نے اپنی جیب مین رکھ لیا تھا جسمین لارڈ کرزن سے استدعا کی گئی تھی۔ کہ وہ شہنشاہ معظم ایڈورڈ ہفتم سے خاص نوازش کے طور پر بموقعہ جشن تاجپوشی واپسی برار کی تائید کر دین۔ یہ خط لارڈ کرزن کو نہین دیا گیا۔ کیونکہ نظام جلد گھبرا جانے والے شخص تھے اور لارڈ کرزن کے رعب مین آ گئے تھے۔ دوسرے لارڈ کرزن کے اس فیصلہ سے بھی وہ نقصان مین رہے کہ گفتگو کیوقت وزیر اعظم یا کسی اعلی افسر نے حیدر آباد کے نظام کو کچھ امداد نہ دی اگرچہ والسرائے کے ساتھ سر ڈیوڈ بار رزیڈنٹ موجود تھے اس ملاقات مین لارڈ کرزن نے اس سوال کے اٹھانیکے وجوہ بیان کئے اور کہا کہ سپردگی کی بجائے مین جن حالات کی بنا پر دوامی پٹہ کی آپ سے درخواست کرتا ہون اگر ان کو قبول کرنے مین آپ لیں و پیش کرینگے تو مجھ کو سخت مایوسی کا سامنا ہوگا۔ اگر آپ میری تجویز کو نامنظور کرینگے جسکا مجھ کو گمان تک نہین ہے تو میرا جانشین والسرائے اس مسئلہ کو پھر چھیڑے گا یا گورنمنٹ برطانیہ کوئی ناگہانی کاوش پیدا کر دے گی جو موقع اسوقت اس مسئلہ کو طے کرنیکا مین نے نکالا ہے یہ دوبارہ نہ ملیگا اور حالت موجودہ بدستور قایم رہیگی معاملہ تے اور طول کھینچا۔ جب حضور نظام نے دریافت کیا کہ اگر دوامی پٹہ دیدیا جائے تو کیا برار کی واپسی کے لیے آیندہ ہمکو استدعا کرنے کا موقع حاصل رہیگا تو لارڈ کرزن نے جواب دیا۔ نہین،

کیا قدیم انتظام کی رو سے صوبہ برار کی واپسی کا کوئی موقع نہین ہے؟
والسرائے نے فرمایا کہ معاہدات مین کوئی ایسی شرط نہین ہے جسکی رو سے حیدرآباد کو واپسی برار کا کوئی استحقاق حاصل ہو۔ گذشتہ پچاس سال کے واقعات بھی نظرانداز نہین ہو سکتے ۔ موجودہ حالت کی برقراری ضروری ہوگئی ہے، اور گورنمنٹ برطانیہ کے لیے اب اسکے سوائے چارہ کار ہی کیا ہو کہ وہ دوامی سپردگی کو جاری رکھے جو گذشتہ معاہدات کی رو سے اُسکے ذمہ عائد کی گئی ہے۔
حضور نظام نے فرمایا کہ اس حالت مین مجوزہ پٹہ کو مین منظور کر لونگا کیونکہ مجھکو اتبک یہ معلوم نہ تھا کہ آئندہ کبھی برار کی واپسی کا کوئی امکان نہین ہے۔
لارڈ کرزن نے دوامی پٹہ کے الفاظ تبدیل کرکے یہ تجویز اور پیش کی کہ اسکی رو سے ہز ہائینس اور ان کے جانشین اس معاہدہ کو بطور استمراری فیصلہ برار تسلیم کرین گے۔
حضور نظام نے جواب دیا کہ مین دوامی پٹہ کو اس لیے منظور کرتا ہون کہ میری بادشاہت صاف طور پر تسلیم کر لی جائے گی۔

موجودہ نظام کے بیان کے بموجب اس ملاقات کا خاص واقعہ یہ ہو کہ ایک ہمعصر لاچار یار وفادار کو گذشتہ معاہدات اور وعدون کے برخلاف نہایت زور کے ساتھ یہ باور کرادیا گیا کہ کسی حالت اور کسی وقت مین بھی گورنمنٹ برطانیہ صوبہ برار اُسکے مالک جائز کو واپس نہ کرے گی۔ دوامی پٹہ کی متعلق لارڈ کرزن کا مختتم فیصلہ ۱۸۶۰ء ۱۸۶۰ء سے اعلان سپردگی اور لارڈ سالسبری کے مراسلہ ۱۸۷۸ء بنام حیدرآباد گورنمنٹ کے قطعی برعکس ہے۔ لارڈ کرزن کا یہ دعویٰ جسکی پابندی آئندہ گورنمنٹ برطانیہ پر رہے وزارت کے اُس فیصلہ کے مطابق نہ تھا جو اس سے کئی سال پیشتر ریاست میسور کے متعلق ہوچکا تھا جسکی رو سے نصف صدی تک قبضہ رکھنے کے بعد ریاست میسور ۱۸۸۱ء مین واپس کردی گئی اگر لارڈ کرزن کے دعویٰ کے بموجب امتداد زمانہ سے اس حکم کی قوت بڑھتی جائیگی اور اسکا اطلاق برابر ہوتا ہے تو یہ بات بیس سال قبل ریاست میسور کے متعلق بھی کہی جاسکتی تھی۔ جب اٹھارویں صدی کے آخر مین ریاست میسور اس خاندان کو دیدی گئی جسکا اُس سے پیشتر تعلق تھا۔ اسوقت مارکوئس آف ولزلی نے بحیثیت گورنر جنرل یہ استحقاق محفوظ رکھا کہ اس ریاست کو گورنمنٹ پھر کبھی جب اسکی ضرورت لاحق ہوگئی اپنے قبضہ مین کرے گی، ولسنٹ اسمتھ مورخ کے مقولہ کے بموجب میسور کا انتظام نہایت قابلیت سے ہوتا ہے۔

حضور نظام فرماتے ہین کہ اس واقعہ سے کوئی انکار نہین کرسکتا ہے کہ ریاست میسور کی واپسی حکومت ہند کی تاریخ مین برطانیہ کی بیحد دانشمندی کا کارنامہ سمجھا جائیگا۔ اپنے ایک سالانہ ریویو مین لارڈ کرزن نے کونسل کے روبرو فرمایا تھا کہ ۱۹۰۲ء مین جو معاہدہ برار کے متعلق ہوا ہے اسمین جانبین نے پوری آزادی اور بے تکلفی سے گفتگو کی ہے اور اسکی کاروائی مین کسی مخالفانہ اثر کا کوئی شائبہ موجود نہ تھا لیکن ہندوستان کی رائے عامہ نے لارڈ کرزن کے اس بیان کو صحیح تسلیم نہین کیا بلکہ اسکے بعد جب حضور نظام کو جی۔سی۔بی۔ کا خطاب مرحمت ہوا تو ہندوستان کے ہر ایک انگریزی کلب مین کہا گیا کہ یہ حروف اس فقرہ کے مخفف ہین GAVE CURZAN BERAR (کرزن کو برار دے دیا۔)

یہ شہادت موجود ہے کہ نظام اس ملاقات سے سخت مایوس واپس ہوئے اگر اس کو مان بھی لیا جائے کہ وائسرائے کے فیصلہ کی منظوری آزادانہ اور بلا اکراہ تھی تاہم موجودہ نظام کے اس دعوی مین بہت کچھ وزن ہے کہ انکے والد مرحوم نے وہ شے دیدی جسکے دینے کا انکو استحقاق حاصل نہ تھا، ۱۸۷۸ء مین لارڈ سالسبری نے تجویز فرمایا کہ معاملہ زیر بحث مین رقبہ۔ مالگذاری اور ذاتی تعیش کا سوال نہین ہے بلکہ ۳۰ لاکھ نفوس کی جان و مال پر حکومت کرنیکا سوال ہے اس لحاظ سے بھی حضور نظام کی درخواست بیجا نہین ہے۔

موجودہ نظام نہایت مستقل مزاج شخص ہین اور اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کے لیئے پوری مستعدی اور تندہی سے کام کرتے ہین انھون نے ایک انتظامی کونسل بھی قائم کی ہے اور اسکے ذریعہ سے ریاست کے نظام و نسق مین بہت سی اصلاحین ہوگئی ہین۔

قانونی پہلوؤن کے علاوہ اس معاملے مین اہل برار کی رائے کو بھی دخل ہونا چاہیئے۔ حضور نظام کے دعوی واپسی برار اور لارڈ کرزن کے اس اصول سے کہ امتداد زمانہ سے وہ حق جاتا رہا یہ مسئلہ ختم نہین ہوجاتا۔ حضور نظام نے اپنی تحریر مین دکھایا ہے۔ کہ ۱۹۱۳ء سے ممالک متوسط کے تحت صوبہ برار کو دینے سے اہل برار کو بعض صورتون مین نقصان پہونچا ہے اور انھون نے جو مالگذاری ادا کی ہے وہ صوبہ متوسط کی خزانہ مین شامل ہوگئی ہے اور پولیٹکل حیثیت سے بھی برار کی وہ پوزیشن نہین ہے جو دیگر صوبجات برٹش انڈیا کی ہے۔ سنٹرل اور پراونشل کونسلون مین اس کے نمایندے

نامزدگی ہو جاتے ہیں اگرچہ انکو رائے دہندے نامزد کرتے ہیں، حضور نظام یہ بھی وعدہ کرتے ہیں کہ
وہ اہل برار کو ہرگز اپنے شخصی حکومت میں نہ رکھیں گے بلکہ ایک آئینی گورنر کے ماتحت برار کو آزاد
حکومت خود اختیاری دیدی جائیگی اور فوج و گورنمنٹ ہند کے معاملات کے علاوہ دیگر امور میں وہ
خود مختار رہیں گے۔ یہ شکل فی الحقیقت صوبجات برٹش ہند سے کہیں بہتر ہوگی اور اسکی بدولت
دیسی ریاستوں میں سیلف گورنمنٹ کی تحریک کو بھی ترقی حاصل ہوگی اور دیسی ریاستوں کے مطلق العنان
فرمان رواؤں کے اختیارات بھی محدود ہو جائینگے۔

اسلیے حضور نظام نے جو واپسی برار کا مطالبہ پیش کیا ہے اس کا دور تک اثر پڑتا ہے۔ بہر حال
جو دعوی کہ حضور نظام نے اپنے مراسلہ بنام وائسرائے میں پیش کیا ہے وہ عدل و انصاف پر مبنی ہے

## اقوال فریڈرک اعظم

حالات موافق ہونے کی حالت میں، خوشی سے پھول کر مغرور ہو جانا، اور فتح و فیروزی کے عالم
میں کبر و نخوت کے احکام کی پیروی کرنا بالکل جائز نہیں۔

---

شجاعت و تدبیر بے مہارت جلد یا بدیر دھوکا کھا جاتی ہے۔

---

اس شخص کے لیے جو سپہ گری سے اشتغال رکھتا ہے ادبیات بہت سود مند ہیں، بڑے بڑے
مشہور و معروف جنرل اور کمانڈر اپنی فرصت کے زیادہ اوقات ادبیات میں صرف کرتے ہیں

---

لڑائی کی حالت میں جس شخص کا قسمت پر بھروسہ نہیں ہے، وہ سب سے زیادہ لائق سپاہی ہے

ہاتف بھوپالی

# طلسمی خطوط

گانے والی لڑکی جھینپی، مسکرائی، چہرا تمتما اُٹھا، آنکھین چمکنے لگین۔ خیال ہوا کہ سعیدہ کے علاوہ میری آواز کوئی اور بھی سُن رہا ہے۔ جمیلہ نے یکایک بڑی آنکھون والی چھوکری کو گودی سے اتار دیا اور باجے کیطرف سے رُخ بدلکر کسی سے مخاطب ہوکر بولی یہ آپ یہان کب سے ہین ؟

سعیدہ ۔ خالہ جانی، گائے جاؤ۔ گیت ادھوری نہ چھوڑو، کپتان صاحب بھی سنین گے ۔

جمیلہ ۔ نہین بنو۔ بہت دیر ہوگئی ہے۔ سنو، وہ تمہاری کھلائی تمہین پکار رہی ہے۔
اچھی سی بچی ذرا دوڑ تو جا !

سعیدہ ۔ (مچل کر) بس پانچ منٹ اور

جمیلہ ۔ (جھک کر منھ چومتے ہوئے) نہین پیاری اب (ناخن دکھا کر) اتنا سا بھی نہین۔

آخر سعیدہ دایہ کی آواز پر دوڑتی ہوئی چلی گئی ۔

کپتان صاحب ۔ (جب لڑکی نگاہون سے اوجھل ہوچکی) اگر تم نہ ہوتین تو اس غریب پر جانے کیا کچھ گذر جاتی، مان کو مرے ہوئے چار برس ہوگئے ۔ اُسوقت وہ کتنی ہی کتنی ؟

جمیلہ ۔ میری بہن عزیزہ، سعیدہ کو پورے ایک سال کی چھوڑ کر مری تھی۔ خیر سے پانچوین سالگرہ پچھلے ہفتہ مین ہوئی ہے ۔

کپتان ۔ کیا تم اپنی بہن کو بہت چاہتی تھین ؟

جمیلہ ۔ ساری دنیا مین ان سے زیادہ مجھے کوئی عزیز نہ تھا۔ وہ مجھ سے تین برس بڑی تھین، کبھی جدا نہین ہوئین۔ صرف دو بار۔ ایک تو شادی کے بعد چند روز کے لیے اور دوسری

بار ریل والے حادثہ سے کچھ دنون پہلے۔ جسکے بعد .....

کپتان جیب صاحب۔ تم نے بھی بچپن مین کیسے کیسے داغ اُٹھائے۔ باپ کا جنازہ دیکھا مان کی گود سے جُدا ہوئین۔ بہن سے چھوٹ گیئن۔ اسوقت تمہارا سن ہی کیا تھا۔

جمیلہ۔ اک ذری سی تھی۔ مگر اب احساس ہوتا ہے کہ جوانی مجھ سے اور مین جوانی سے ہمیشہ کیلئے چھوٹ گئی (کانپ کر) خیران باتون مین کیا رکھا ہے۔

نوجوان کپتان۔ توبہ مین نے بھی کیسی دردبھری بھُولی ہوئی باتین یاد دلادین۔ کچھ اور کہنے آیا تھا۔ آؤ گلابی ٹیٹون مین چلے چلین دل بہل جائیگا۔

جمیلہ مڑی اور ساتھ ہولی۔ چہرے سے اتبک اوداسی ٹپک رہی تھی۔ ہونٹھ خشک ہورہے تھے۔ گلاب کی پنکھڑیون کی شکن۔ تڑپتی ہوئی بجلیون کا مخزن مین ہوئی تھی۔ گویا ہلالی ہونٹھ۔ تمدار سرود تھے۔ اور ان پر کی لکیرین تار، دیپردے جن سے آپ ہی آپ مایوسیون کے راگ نکل رہے تھے، اور گوش دل سے سننے والے تڑپ تڑپ جاتے تھے۔ پائین باغ کی عطر بھری ہوائین سرلون مین ایک جوش بھر رہی تھین، گلابی ٹیٹون مین پہونچکر نوجوان کپتان نے جمیلہ کے شانے پر ہاتھ رکھکر کہا۔

جمیلہ"!

حسینہ نے چونک کر سر اُٹھایا، آنکھین لڑین۔ نگاہین نیچی ہوگیئن۔

کپتان۔ (اپنی طرف کھینچتے ہوئے) پیاری تم جانتی ہو۔ مین کیا کہنے آیا ہون،

جمیلہ۔ (آہستہ سے ہاتھ کھینچ کر) تو پھر نہ کہئے۔ للہ کچھ نہ کہئے۔

نوجوان چونک پڑا، (نازنین نے کسی نامعلوم جذبہ کے جوش مین بے اختیار کپتان کے شانے پر ہاتھ رکھکر کہا) یون ہی چھیڑ رہی تھی، پریشان نہ ہوجئے۔ صرف یہی مجبوری ہے

کپتان۔ (بات کاٹ کر) کہ وہ کوئی اور ہے کیا جسے تم چاہتی ہو وہ کوئی اور ہے۔

جمیلہ۔ نہین تو، (چہرے پر ہلکا سا ازغوانی رنگ دوڑ گیا) یہ بات نہین۔

کپتان۔ مین تمہارے بغیر زندہ نہین رہ سکتا۔ مجھے اپنی غلامی مین قبول کرلو، اور میری زندگی

ٹھکانے لگا دو،

جمیلہ نے منہ پھیر لیا، اسکی آنکھیں آبگون تھیں،

کپتان - پیاری کیا تم مجھے ذرا سا بھی نہیں چاہتیں؟

نازنین نے آنکھیں اُٹھائیں اور نیچی کر لیں۔ بے باک نگاہوں نے رنگ رخسار سے سازش کر لی اور دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں وہ گفتگو کر لی۔ جسے جمیلہ کی زبان کبھی نہ ادا کر سکتی۔

نازنین - ہاشم! (بھرائی ہوئی آواز میں) شادی کبھی نہیں ہو سکتی، میں نے ایک خفیہ عہد نامے پر دستخط کر رکھے ہیں۔ مجبور ہوں۔

کپتان - میری ننھی نادان پیاری، تیری بھی کیا بھولی باتیں ہیں، آخر تجھے کیا خیال ستا رہا ہے۔ نہ سعیدہ سے جدا ہونا پڑے گا نہ کاظم صاحب کے سایۂ شفقت سے "نشاط افزا" یہاں سے دو منٹ کی راہ ہے، ابتو کوئی گنجائش نہیں۔ پیاری شادی کا وعدہ کر لے۔

مگر ......

"میں اگر مگر کچھ نہیں سنتا کہہ دو کہ میں تمہیں نہیں چاہتی، تو ابھی چلا جاؤں،

جمیلہ - افسوس ہے میں نہیں - ارے نہیں - (شرما کر رک گئی) اور اپنا سر نوجوان کے شانوں میں چھپا لیا۔

کپتان - تو پھر دل کی بات چپکے سے کان میں کہہ دو (کچھ سن کر) میں تو خوشی سے پاگل ہوا جاتا ہوں۔ میں اور تمہارا محبوب ......... خوب

یہ تو کاظم صاحب ٹہل رہے ہیں - چلی چلو شادی کے لیے تاریخ مقرر کرا لیں۔

جمیلہ - مگر آپ اکیلے جائیے۔

حسینہ مسکراتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ گو اسکے دولھا بھائی کاظم صاحب سائبان کے قریب کھڑے ہوئے آوازیں دیتے رہے۔ جمیلہ کھڑی رہو، اپنے نام کا خط لیتی جاؤ مگر مسکرانے والی دوشیزہ نے جوش مسرت میں مڑ کر بھی نہ دیکھا، کہ کاظم صاحب کے ہاتھ میں ہلکے آسمانی رنگ کا ایک لفافہ واقعی موجود ہے۔ ایک گھنٹے کے بعد جب جمیلہ کھانے کے کمرہ میں تھی تو کاظم صاحب بھی تشریف لائے اور کہنے لگے "سب سے پہلے میں مبارکباد دیتا ہوں،

خدا کرے تمہین تمام سزاوار مسرتین حاصل ہون ۔ میری نگاہ مین ہاشم سے اچھا کوئی اور نہین ہے جسکے سپرد مین تمہین کر سکون ،

جمیلہ ۔ بھیا اگر آپ ہمیشہ انکی خوبیان نہ بیان کیا کرتے تو شاید آج مجھے انکے فرشتہ صفت ہونا کا یقین نہ آتا ۔ مین اس معاملہ مین ایک حد تک آپ کی ممنون احسان ہون ۔

کاظم صاحب ۔ یہ ایک ہی کہی ۔ اور مین تمہارا کس حد تک شرمندۂ احسان ہون ۔

کاظم صاحب کی عمرہ ۴۲ کی تھی ۔ مگر غم نصیب چہرے سے دس برس زائد کے معلوم ہوتے تھے ۔ زرد ہونٹھ اور زعفرانی آنکھون کے اردگرد جھریون کے حلقے پڑے ہوتے تھے ۔ بالون مین کنپٹیون کے پاس سپیدی آچلی تھی ، مگر اسوقت انھین بے کیف آنکھونمین جو نازمین کے مسرت فریب چہرے پر جمی ہوئی تھین ، ایک ایسا خلوص و جوش کا پاکیزہ نور چھایا ہوا تھا ۔ جس سے ، تھوڑی کے لیے کاظم صاحب نئے سرسے جوان معلوم ہونے لگے ۔ معصوم حسن کے بے داغ اثر نے کایا پلٹ کر رکھی تھی ۔ وہ کہنے لگے ۔

"مین تمہاری ان ساہا سال کی شفقتون کا مقروض ہون جو تم میری شیر خوار بچی پر نچھاور کرتی آئی ہو ، تم نے اپنے شباب کے پورے چار انمول سال ، مجھ زخمی دل رکھنے والے بدنصیب بھائی کیخدمت اور بیجان کی بچی سعیدہ کے پالنے مین صرف کر دیے ہین ۔ عائشہ کی موت کے بعد اگر تم نہ ہوتین تو مین نے خودکشی کر لی ہوتی یا پاگل ہو گیا ہوتا ۔ مین نے زندگی بھر سوائے تمہاری بہن کے اور کسی عورت کو نظر بھر کے دیکھا بھی نہین ۔ وہ میرے لیے سب کچھ تھین ۔ خیر یہ سب ایکطرف اسوقت کی مسرت سب سے زیادہ ہے اس بھری پوری دنیا مین کوئی خوشی ایسی گرانقدر نہین ہے جو تمہارے لیے سزاوار نہو اور (دروازہ کی طرف اشارہ کرکے) سوائے انکے کوئی ایسا نہین ہے ، جسپر بھروسہ کرکے مین اپنی جان سے زیادہ پیاری بہن کو سپرد کر سکون ۔

ہاشم صاحب تنتے ہوئے ۔ ہنستے ہوئے کمرے مین داخل ہوئے ۔ جمیلہ نے بھی کنکھیون سے بھرپور جوان کی مردانہ سج دہج دیکھی اور بے اختیار مسکرادی ،

صندلی دروازون والے شیشہ دار کمرے مین خاصہ چنا گیا اور مست مسرت جماعت نے مل جل کر کھایا ۔

کاظم صاحب۔ (ختم طعام کے بعد) خوب یاد آیا۔ سعیدہ پیاری تم نے اپنی خالہ جان کو وہ لفافہ دیدیا کہ نہیں۔

ننھی نادان سعیدہ طفلانہ مجرمانہ انداز سے شرما گئی،

جمیلہ۔ (کچھ سمجھ کر) پیاری کچھ ہرج نہیں۔ کل سہی۔

سعیدہ۔ مگر مجھے... مجھے یاد نہیں کہ کب کہاں رکھدیا ہے۔

جمیلہ۔ (تھپک کر) لو پریشان نہ ہو، صبح کو آپ یاد آجائے گا، وقت آگیا جاؤ سو رہو،

معصوم سعیدہ اپنی کرسی پر سے سرک کر اتری اور سلام کرکے چپ چاپ چلی گئی۔ مگر ننھا سا پاک ضمیر ایک نازک ترازو تھا۔ جسکے داہنے پلّہ پر کھوئے ہوئے خط کا مجرمانہ خیال بھاری پن سے جھکولے لیتا رہا،

جمیلہ سونے کے لیے جاتے وقت حسب عادت دایہ خانہ مین آئی تھی کہ بھولی بچی کی تیز آواز سنائی دی، خالہ جانی یاد آگیا وہ خط صبح سے آپ ہی کمرے مین ہے، اس بوڑھے سپاہی (کھلونا) کے صافہ پر رکھا ہوا ہے جو کوئلے والی سے لڑرہا ہے۔ آپ تو جانتی ہین۔

نازنین نے اپنی خوابگاہ مین آتے ہی پچھم والی کھڑکی کھولدی۔ گرمیون کی تارون بھری سہانی رات سامنے تھی،

نشاط افزا،، سُسرال بھی جو آج ہی کل مین دولہن کا گھر ہوا چاہتی ہے۔ سامنے ہے۔ جہان ٹھیک اسی وقت ہاشم صاحب بھی کھڑے ہوئے اپنی جمیلہ کی یاد مین کھوئے ہوئے ہین۔ چمکتا ہوا چاند گویا لاسلکی پیام رسانی کا نورانی آسمانی مخزن ہے جہان طالب و مطلوب کی محو سیر نگاہین، جذبات محبت کا پُر اسرار خزانہ بنکر پہونچتی ہین۔ اور روحانی طور پر اسی مین راز و نیاز کی گفتگو، حسن و عشق کے پیام سلام ہورہے ہین۔ جمیلہ اور ہاشم دونون چاندنی کا لطف اُٹھارہے ہین۔ دونون کی نگاہین چاند پر اور دل ایک دوسرے کے پاس ہین۔ حسینہ سمجھ رہی ہے کہ ایسی خوشی دنیا مین کسی کو کبھی کاہے کو نصیب ہوئی ہوگی۔ جمیلہ کھڑکی کھولے جانے کتنی دیر تک دیوانہ مسرت، تصویر بیخودی بنی ہوئی کھڑی رہی اور آج سہ پہر کی ساری خوشیون بھری باتین ایک ایک کرکے یاد آتی رہین۔

گو یوں بھی حسینہ کی معصوم زندگی چین سے گذری تھی - مگر سچ تو یہی ہے کہ آج کی سی خوشی نہ کبھی حاصل ہوئی تھی نہ ہوسکتی تھی ایسے کو بیاہنے جا رہی تھی، جس پر دل صدقے تھا، جان نثار تھی لطف یہ کہ شادی کے بعد بھی سعیدہ کو اپنے کلیجہ سے لگائے رہ سکتی ہے،

سعیدہ کون؟ اسکی غریب بہن عرشیہ کی بیٹی - غریب عرشیہ کا خیال آیا ہی تھا کہ دوشیزہ کو اپنے گرم دل پر غم کا برفانی ہاتھ جکڑتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ ہلکی سی جھرجھری آگئی، "کھڑکی بند کرکے مڑ پڑی،، میں وہاں بہت دیر تک کھڑی رہ گئی۔ حسینہ نے یہ کہتے ہی کہتے بٹن دبا دیا۔ روشنی ہو گئی، مگر حسن اتفاق سے پہلی نگاہ اسی آسمانی لفافہ پر پڑ گئی جسکا ذکر ابھی سعیدہ کر چکی تھی جمیلہ اس خط کو لیے ہوئے روشنی کے قریب چلی آئی - لفافہ چاک کیا - دستخط دیکھتے ہی چہرہ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں، ساری لفظیں تڑپتی ہوئی بجلیوں کے طرح تیزی کے ساتھ نگاہوں سے گذر گیئں - تحریر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگی - جگر آگیا - کرسی پر بیٹھ رہی - ساری جان سے کانپ رہی تھی بڑی مشکل سے مقصد تحریر سمجھنے کی کوشش کرنے لگی - خط میں لکھا تھا -

مجھکو خود بھی عہد توڑنے کا افسوس ہے - طے کر لیا تھا کہ اب کبھی زحمت نہ دونگا مگر انسان ہمیشہ آپ اپنا مالک نہیں رہتا - آپ سے ملنا نہایت ضروری ہے - کل ضرور ملیے - ۶ بجے شام کو پورانے "ساون بھادون،، میں منتظر رہونگا - اگر آپ کسی وجہ سے نہ آسکیں تو میں خود راحت منزل آؤنگا" س - د "

مکرر یہ کہ آپ کو یاد ہوگا، دو برس ہوئے میں نے بتایا تھا کہ وہ "طلسمی خطوط،، جلا دیئے گئے - یہ بالکل غلط تھا - وہ اب بھی پوری حفاظت کے ساتھ موجود ہیں - کل بھی میرے پاس ہونگے - کلیجہ سے لگا کر لاؤں گا - ان کا جلانا نہ جلانا آپکے ہاتھ ہے،

جمیلہ نے دوسری بار خط نہیں پڑھا مگر دیر تک ایک سناٹے کا عالم طاری رہا - رات کی تاریکی میں اسکی تمنائیں گم ہو گیئں، اور اسکا دل رات سے بھی زیادہ تاریک ہو گیا -

دوسرے دن کاظم صاحب اور ہاشم صاحب ہوا گاڑی میں بیٹھ کر شہر چلدیئے - انکے جاتے ہی پیاری جمیلہ نے اپنا پرانے طرز والا سنگاردان کھولا جو ماں سے ترکہ میں ملا تھا، اوسمیں مخمل کے مختلف خانے - چندن ہار - کرن پھول، گوشوارے، جھومک، پہونچی، جوشن

اور انگوٹھیوں کے رکھنے کیلئے نہایت قرینے سے بنے ہوئے تھے - نگاہ پڑتے ہی سناٹا آ گیا، ہونٹھوں پہ پھیکی سی ہنسی دوڑ گئی ، وہی مخملی خانے جو کبھی ، دکان جوہری کی جان تھے ، آج خالی پڑے ہوئے ہین - تھوڑا سا معمولی کم قیمت زیور یہان وہان بچ رہا ہے وہ بھی اپنے بچھڑے ہوئے ہمنشینون کے سوگ مین ہے -

آخر کار حسینہ نے ہیرے کی ایک انگوٹھی نکالی ، اور روشنی مین لاکر دیکھنے لگی ، زبان پر بیساختہ جاری ہوگیا ، یہ نگینہ بھی سوسوا سو اشرفیون کی مالیت کا ہوگا پھر بھی اُسکے لیئے تھوڑا ہے

جمیلہ ! ساون بھادون ، مین ٹھیک وقت سے پہونچ گئی ، جہاں سایہ دار درختو نکی لپٹی لپٹائی ہوئی ڈالیون نے ایک خس پوش گنبد بنا رکھا تھا ، دوشیزہ نے ، دھندلکے مین قدم رکھا ہی تھا - کہ آفتاب کی جھٹ پٹے والی روشنی مین کوئی اور آتا ہوا دکھائی دیا ، آنیوالا نوجوان - خوبصورت اور دُہرے بدن کا تھا -

اجنبی :- ( رسماً ہاتھ بڑھاکر ) آپ وقت کی بہت پابند اور مین بہت بے چین ہون -

جمیلہ - ( بڑھتے ہوئے شوق والے ہاتھون سے ، جان بوجھ کر آنکھین چُراتے ہوئے ) تم چاہتے کیا ہو ؟

نوجوان - خط مین سب کچھ لکھا تھا -

جمیلہ - ( بے صبری اور ترش روئی کیساتھ ) تم نے خط لکھنے کی ہمت کیسے کی ؟

نوجوان - سب لوگ جن ضرورتون سے چھٹیان لکھتے ہین ، مجھے ان سب سے زیادہ ضروری باتین کہنی تھین -

جمیلہ - خیر تو جلدی سے کہہ سُن ڈالو ،

نوجوان - مجھے تو ذرا بھی جلدی نہین ، گلخپ کے لیے ، ساون بھادون سے زیادہ اچھی جگہ کہان ملے گی ، سچ کہیئے گا - یہان ہماری پہلی ملاقات نہین ہے -

جمیلہ - ( مٹھیان باندھکر ) اف وہ طلسمی خطوط ، اب بھی تمہارے پاس ہین ؟

نوجوان نے سر کے اشارے سے ہان کہدیا

جمیلہ - ( طنز یہ سرد مہری سے ) تو پھر کسقدر ؟

نوجوان ۔ انمول جواہر کی قیمت بھی ان گنت ہوتی ہے، مگر راجہ کے گھر موتیوں کا کال تھوڑا ہی ہوتا ہے۔

جمیلہ ۔ دو برس ہوئے میں نے تمہیں جواہر والے سارے زیور دیدیئے صرف سو سوا سو اشرفیوں والی ہیرے کی انگوٹھی بچ رہی ہے، وہ بھی لے لو، اور بس زیادہ کچھ نہیں دیسکتی،

نوجوان ۔ میں تو سب کچھ لیکر رہونگا ۔ دو برس ادھر ہم تم دونوں نادان تھے ۔ میں اب سیانا ہو کر پکا جواری ہو گیا ہوں، سٹے دیے کی لت، چھکے پنجے کی عادت جبھی جائیگی جب تم جیسی روپے رکھنے والی خاتون، میری بیوی بنے گی، اگر ایسا نہ ہوا تین کانے رہینگے نہیں تو پوبارہ ہیں تمہارے پاس چار ہزار سالانہ اشرفیوں کی جائداد ہے، جو خیر، مارے ڈھاڑے، ہماری غریبا مؤگذر بسر کے لیئے کافی ہو جائیگی ۔ میں اس داؤں پر اپنی جان بد چکا ہوں، کہ تمہیں جیت کر اور بیوی بنا کر رکھوں گا ۔

جمیلہ ۔ (قہقہہ لگا کر) دیوانے ہوش میں آ

نوجوان ۔ دیوانہ اور میں ؟ ہرگز نہیں ۔ اور اگر ہوں بھی تو تمہارا دیوانہ ہوں ۔ تم ہر بھید اپنے تک رکھ سکتی ہو،

ہاں ہاں تمہارے حسن کی کوئی خطا نہیں ہے میں حسن اتفاق سے دیوانہ ہو گیا،

جمیلہ واپس جانے کے لیے مڑی ۔ نوجوان نے بڑھکر راستہ روک لیا ۔ میں ہر پہلو کی سوچ بچار کو چکا ہوں، ہماری شادی بالکل خفیہ ہوگی ۔ پروانہ شاہی خاص طور پر ل چکا ہے بیاہ کے بعد کنبوں سے نبٹ لینا ۔ رسموں کی بچدا ری بیکار ہے ۔ این جانب منھ دکھائی میں انہیں طلسمی خطوط کی نقلیں نذر کرینگے ۔

جمیلہ ۔ واہ ۔ تم تو مزے میں آ گئے ۔ میری نسبت ہو چکی ہے اب میں ایک شریف النفس کی منگیتر ہوں ۔

نوجوان ۔ اونھ ۔ نسبت کو کچے دھاگے کی طرح توڑ دو ۔ رشتہ محبت مجھ سے جوڑ لو، میں بھی آدمی کا بچہ ہوں، فرشتہ نہ سہی پھر بھی بہتیری بیگمیں مجھ پر مرتی رہی ہیں ۔ خود تمہاری .....

جمیلہ نے خفا ہو کر اٹھا ہاتھ گال پر رسید کیا ۔ مگر دوسرے نے دست ناز کو آسانی سے پکڑ لیا

پیاری جمیلہ میری ننھی تیتلی جمیلہ۔ اگر تم نے کل شام کو اسی جگہ آکر شادی کا اقرار نہ کر لیا تو پرسون سویرے ساری دنیا جان جائیگی کہ اُن طلسمی خطوط مین کیا کچھ لکھا ہوا ہے۔

نوجوان یہ کہتا ہوا ایک طرف بڑھ گیا۔

دوسرے دن شام کو ہاشم صاحب ساون بھادون کے ایک گوشہ مین چھپے ہوئے کھڑے رہے جمیلہ کہہ رہی تھی۔

ہان ہان۔ مین نے سوچ لیا ہے۔ بیاہ کے لیے راضی ہون، مگر جیسا تم کہہ چکے ہو طلسمی خطوط مجھے ابھی دیدو۔

اب ہاشم صاحب کو تاب کہان؟ جھٹ سے نکلکر نازنین کا کانپتا ہوا ہاتھ تھام لیا

"جمیلہ"

حسینہ تڑپ گئی۔ مگر ہاشم صاحب کا داہنا ہاتھ رقیب کے گلے پر پہونچ چکا تھا، سلیم واسطی تم یہان کیا کر رہے ہو۔ بدمعاش اُٹھائی گیرے۔

سلیم واسطی۔ ہاشم تم بہت نازک وقت آدھمکے ہو (یہ ٹرا آدمی کنڑنی ہاشم کی مضبوط گرفت مین اسطرح تڑپ رہا تھا جیسے زبردست بلّے کے پنجون مین چوہا) چہرہ سُرخ ہوگیا۔ زبان دو اُنگل باہر نکل آئی۔ بولا تم تو مجھے مارے ڈالتے ہو۔

ہاشم۔ تو ساری دنیا کو تمھارے گندے وجود سے پاک کئے دیتا ہون۔ آخر تم جمیلہ خاتون سے کیون اُلجھے ہوئے ہو۔

سلیم۔ (حقارت سے) یہ معاملہ صرف میرا اور اس نازنین کا ہے، آپ ٹانگ نہ اڑائیے

ہاشم۔ یہ حسینہ میری منگیتر ہے۔

کبھی رہی ہوگی، اب مجھے پسند کرتی ہے۔ ابھی خود آپنے بھی اپنے کانون سے سنا ہوگا

ہاشم صاحب غضبناک ہوکر آگے بڑھے سلیم واسطی ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

پڑھنے والے نے مڑکر دیکھا تو نازنین چپکے چپکے بسور رہی ہے۔ گلے مین پھندے پڑگئے گلوگیر سسکیون کی دل ہلانے والی آوازین آرہی تھین۔ ہاشم نے پیار سے کہا۔

"پیاری تم مجھے اس لفنگے کے ساتھ اکیلا چھوڑ دو۔ خوب سمجھ لون گا۔ دس برس ہوئے

یہ اُٹھائی گیرا میرے ساتھ شیرازی دستہ مین رہ چکا ہے۔ سپہ سالار نے نکال دیا، یہ پاجی کھیلنے والے تاش کے پتون پر بے ایمانی سے داؤن لگاتا تھا۔ دغابازی سے ٹھگتا تھا۔ چار برس ہوے کہ ایک بار پھر ملاقات ہوئی تھی اور غائب۔ خوب اب مین سمجھا، اُسی بات پر یہ حضرت اپنی گیدڑ بھبکیان دکھا رہے ہین۔ اکڑ فون کی لے رہے ہین۔

حسینہ مسکرا دی، گلابی پنکھڑیان کھلکر رہ گئین۔ تیلیون مین ایک خاص چمک پیدا ہوئی ہاشم کی نگاہین سلیم داسطی کے چہرہ پر جمی ہوئی تھین،

"یہ حضرت مجھے بمبئی کے اسٹیشن پر ملے تھے۔ انکے ساتھ ایک خاتون تھین۔ آواز سے پتہ چل گیا کہ وہ بے چاری تمہاری بہن عریشہ خاتون۔ میرے پیارے دوست کاظم صاحب کی بیوی تھین مین بغیر کچھ پوچھے کچھے دوڑ پڑا۔ کہ انہین اس لفنگے سے چھڑا لون۔ مگر گاڑی ہوا ہوگئی مین تھک کر چپ چاپ ہو گیا۔ ایک گھنٹہ بعد خبر ملی کہ وہی گاڑی جبلپور والی ریل سے لڑ کر ٹکرا کر چور چور ہوگئی ہے، عریشہ خاتون کا نام بھی دم توڑتے ہوے زخمیون کی گنتی مین تھا۔ مین فوراً ہی راحت منزل پہونچا کیا دیکھتا ہون کہ کاظم صاحب نیم دیوانہ اور غریب عریشہ آفتاب لب بام ہو رہی تھی۔ مین نے دل سے دعا کی کہ مرنے والی، اپنے بھید اپنی قبر مین لیتی جاے اور دنیا والون کو کانون کان خبر بھی نہ ہو۔

جمیلہ۔ مگر مری پیاری بہن نے، مجھ جیتی کو مرنے سے پہلے سارا کچا چٹھا بتا دیا تھا۔ انکو دولہا بھائی سے کبھی محبت نہین ہوئی۔ سن کا فرق بہت بڑی چیز ہے۔ کاظم صاحب ان سے بہت بڑے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسی ساون بھادون مین پینگین بڑھنی گئین۔ خفیہ پیام و سلام ہوتے تھے۔ پوشیدہ خط و کتابت جاری رہی اور آخر کار وہ اسی کمینہ خصلت شخص کے ورغلانے اور خوشامدون سے، بھاگ جانے پر راضی ہوگئین۔ اسی روز ریل والا حادثہ ہو گیا۔ غریب عریشہ۔ سلیم پیارے سلیم پکارتے پکارتے مرگئی مگر طوطا چشم سلیم دغاباز سلیم کہین دکھائی بھی نہ دیا۔ دو برس ہوے اُنہون نے مجھے ایک خط لکھا کہ اگر میری منھ مانگی رقم نہ دیدو گی تو تمہاری بہن کے ہاتھ والے طلسمی خطوط تمہارے دولہا بھائی کے پاس بھیجدیے جائینگے۔ خیر مین نے انکا منھ بھر دیا۔ زبان بند کر دی۔ برسون سے پھر چھیڑ خانی مچا رکھی ہے۔ کل اور آج

کی واہی تباہی باتوں نے ناک میں دم کر دیا ہے،

ہاشم۔ (خاموش سلیم کیطرف مڑکر) اب حضور فرمائیں۔ کیا زہر اُگلتے ہیں

سلیم واسطی۔ مرتا کیا نہ مرتا۔ میں نہ دوں تو ہاشم صاحب بارکر چھین لیں گے۔

(جمیلہ کو دیکر) یہ لیجئے۔ "طلسمی خطوط"، کی پوری تھیلی موجود ہے،

سلیم کے جاتے ہی ہاشم صاحب نے پیاری جمیلہ کا سر اپنی چھاتی سے لگا لیا!

خاموش دوشیزہ، پیار بھری مسرت کیساتھ سر اوپر اُٹھا کر چپکے سے کہنے لگی آیئے

یہ خطوط جلا دیں اور یہیں جلا دیں۔ جہاں سے غریب عرشیہ کی دیوانی پینگیں بڑھی تھیں

دونوں لپٹے لپٹائے ہوئے۔ اُٹھتے ہوئے شعلوں کی سیر دیکھا کیے۔ طلسمی خطوط والی

تھیلی کی جگہ اب راکھ کا ایک ڈھیر رہ گیا تھا۔ جسمیں کہیں کہیں اب بھی ہلکی ہلکی چنگاریاں

سنہرے ستاروں کی طرح چمک رہی تھیں کہ اتنے میں معصوم سعیدہ کی تیز آواز، پر لطف

سناٹے کو توڑتی ہوئی ساون بھادوں میں گونج گئی

ابّا جان۔ دیکھئے وہ یہیں ہیں۔ میں نہ کہتی تھی کہ یہیں ملیں گے۔ اوئی اللہ یہاں تو

ہولی جلائی گئی ہے،

ہاشم۔ ہم دونوں جھگڑ رہے تھے کہ ساری عمر تمکو چاہے جائینگے۔ اور اسی خوشی میں یہ

ہولی جلائی گئی ہے۔ کیوں جمیلہ!

حسینہ سر جھکائے خاموش تھی، آخر سب لوگ ہنستے بولتے ہوئے راحت منزل

میں واپس آ گئے،

طالب الہ آبادی

*

(۱)

سیٹھ کشن نراین لکھنؤ کے دولت مند اور معزز طبقہ مین شمار کئے جاتے تھے، اقبال یاور تھا عزت انکی بلائین لیتی اور دولت انکے قدمون سے لگی ہوئی تھی۔ سیٹھ جی کی اکلوتی لڑکی کامنی ابھی بارھوین برس مین تھی کہ اوسکے حسن و شعور کی شہرت پھیل گئی، خالق حسن نے اُسے لا انتہا خوبصورتیون کا مظہر بنا دیا تھا، اوسکے سڈول اعضا مین بجلیان کوٹ کوٹ کر بھری تھین، سیاہ آنکھون مین جادو تھا اور گھنی پلکین تیر و ترکش کا کام کرتی تھین، نگاہون مین متانت تھی اور اداؤن مین بانکپن،

دولتمند والدین کی اکلوتی اور حسین لڑکی کی خوش نصیبی کا کیا کہنا، کامنی کی ہر وہ خواہش جو اوسکے معصوم دل مین پیدا ہوتی، ماں باپ کے لیئے باعث مسرت تھی، سیٹھ جی اگرچہ قدیم ہندو تہذیب کے دلدادہ تھے، نئی روشنی کے خیالات اونکے دماغ سے دور رہتے اور جدید فیشن کے رکھ رکھاؤ سے انھین طبعاً نفرت تھی، لیکن محبت کی مجبوری اور زمانہ کی روش کامنی کے معاملہ مین انکی سخت گیر طبیعت پر غالب آگئی تھی۔

کامنی ذہین تھی، اور علم کی شوقین، اوس نے ہندی مین خاصی قابلیت پیدا کر لی تھی انگریزی اور اردو بھی جانتی تھی، وہ فطرتاً درد آشنا اور حساس دل رکھتی تھی موسیقی اوسکی روحانی غذا تھی اور اس فن لطیف مین اوسے خداداد ملکہ حاصل تھا، کامنی کے حسن کی شہرت لکھنؤ اور اسکے گرد و نواح مین پھیل چکی تھی، جنس حسن کے خریدار ہاتھون مین دل لیکر اُسکے آستانۂ ناز پر حاضر ہونے لگے، لیکن سیٹھ جی کی نگہ انتخاب ہر ایک کے خرمنِ آرزو پر بجلیان گرا رہی تھی، ایک طرف سیٹھ جی اپنی اکلوتی لڑکی کے مستقبل کو خوشگوار بنانے کیلئے سیکڑون جان نثارون کی تمناؤن کا خون کر رہے تھے، اور دوسری طرف تقدیر اونکی اس سعی لاحاصل پر ہنس رہی تھی۔

آخر کار بنارس کے ایک مشہور دولتمند تاجر بابو ہردیو سنگھ کے لڑکے سندر سنگھ کا نصیب چمکا۔ قسمت نے یاوری کی یعنی سیٹھ جی کی نگہ انتخاب نے اوسے شرف دامادی بخشا، سندر سنگھ اگرچہ اتنا حسین اور دولتمند تھا کہ کامنی جیسی نازآفرین حسینہ اوسکے آغوش مین جا کر اپنی خوش نصیبی پر فخر کرسکتی مگر اوسکا قلب تاریک تھا، وہ کامنی کی اُن جلوہ بار شعاعون کی قدر نہ کرسکتا تھا۔ جو اسکی مینن اور محبت پرور آنکھوںسے گاہ من بن کر نکلا کرتی تھین، اس کسوٹی کے ذریعہ شاید نظرت اُن قلوب کا مطالعہ کرنا چاہتی تھی جو طمع کے دھوکے مین آکر پیتل کو سونا سمجھ لیتے ہین

دولتمند والدین نے سندر سنگھ کی تعلیم و تربیت کی طرف بالکل توجہ نہین کی تھی اور اب جبکہ وہ بیس برس کا تھا، علم سے ناآشنا، اور عقل سے بیگانہ تھا ہردیو سنگھ نے یہ دیکھکر کہ سندر سنگھ کی توجہ حصول علم کی جانب بالکل نہین ہے کچھ پروا نہ کی اور جب اونکا کوئی دوست انہین اسطرف توجہ دلاتا تو وہ ایک شان استغنا کے ساتھ یہ جواب دیدیتے تھے کہ "میرا دھن سندر سنگھ اور اوسکی سات پشت کے لیئے کافی ہے"، شاید وہ سمجھتے تھے کہ علم صرف حصول دولت کا آلہ ہے آہ یہ دولت ہی تو اکثر بربادیون کی جڑ ثابت ہوتی ہے،

(۲)

بارات کی دھوم دھام کا کیا ٹھکانا، دونون فریق "لکشمی جی" کے منظور نظر، ایسا مبارک موقعہ روز کسے نصیب ہوتا ہے، بات بات مین ہزارون لاکھون کے وارے نیارے ہورہے تھے، ایسا معلوم ہورہا تھا کہ سیٹھ جی اور بابو صاحب نے اپنے خون دل کے اُن قطرات کو شاید منجمد کردیا ہے جو طمع اور بخل کی حرارت سے ہر لحہ جوش مین رہا کرتے تھے، اور چند گھنٹون کے لیے فیاضی کی وہ شان پیدا کرلی ہے گویا اونکی دولت (جو مکر، فریب اور خدا جانے کن کن تکالیف جسمانی و روحانی کے ساتھ حاصل کی گئی تھی) وہ چمکتی ہوئی ریت ہی جسکے ذرون کو قدرت نے ایکجا کرکے انکی بے خبری کی حالت مین صندوقون مین بھر دیا ہے۔

محفل کی شان طوائفون سے سمجھی جاتی ہے، اسلیئے آگرہ، بنارس، اور لکھنؤ کی کوئی مشہور طوائف ایسی نہ تھی جو مدعو نہ کی گئی ہو، اور جس نے اپنے عارضی حسن، شوخ چتونون، اور دلشربا نگاہون سے بندگان نفس کی ہوس پر سینون مین ایک ہیجان عظیم نہ پیدا کردیا ہو،

اپنے بیباک تبسم کے ساتھ ایک زہر آمیز نشتر، اور اپنی شوخ نگاہ کے ساتھ ایک سم آلود تیر دلون مین نہ اُتار دیا ہو، سی غصمت فروش صنف ورا سی حیا سوز گروہ مین آگرہ کی مشہور طوائف موہنی بھی تھی

موہنی فن رقص و نغمہ کی ماہر ہونیکے علاوہ دلربائی کی صنعتون مین بھی کامل تھی، بوالہوس بندگان نفس تو اوسکی ہر جنبش ابرو پر رقص کرتے تھے بلکہ عزم صمیم رکھنے والے قدم بھی اوس کی سحر کار نگاہ کے سامنے ڈگمگانے لگتے، غرضکہ موہنی اپنے حسن فریب کار کی دلکش اداؤن سے بےحس قلوب مین بھی ایک احساس مضطرب پیدا کر دیا کرتی تھی، ابھی وہ شباب کے اس مست مغرور دور مین تھی، جس نے اسکی نگاہ شوخ کو ساقیۂ حسن بنا رکھا تھا،

محفل گرم تھی اور اپنی دلفریبیون سے اندر سبھا کو شرما رہی تھی۔ دلکش نغمہ کی سُریلی تانون سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج یہ طبقۂ زمین پر لگا کر اُڑ جائیگا۔ یکایک چھم چھم کی آوازنے لوگونکو اپنی جانب متوجہ کیا، موہنی بصد ناز و کرشمہ محفل مین آئی اور اپنی مقررہ جگہ پر بیٹھکر مستانہ نگاہون سے جذبات شوق کے متوالون کو شراب محبت پلانے لگی،

موہنی سے محبت کی بھیک مانگنے والون مین سندر سنگھ بھی تھا، نہین کہا جا سکتا کہ موہنی کا تیر نگہ کس طرح اوس کے جگر کے پار ہو گیا۔ جبکہ اوسے ابھی چند منٹ پہلے آنے والی رات کا بیچینی کے ساتھ انتظار تھا۔ اور کامنی کے خلوت خانۂ حسن کی تمنا اوسکے ناشانہ دل کی شمع دل افروز تھی

بارات اوسی دھوم دھام کے ساتھ رخصت ہوئی، اب کامنی کے حسن کی شعاعین لکھنو کے بجائے بنارس کو جگمگانے لگین، ہردیو سنگھ نے بارات کی واپسی پر امرار بنارس کو دعوت دی مہمان کھانے کے بعد ایک وسیع ہال مین جمع ہوئے جو مخصوص طور پر رقص و سرود کے لیے سجایا گیا تھا۔ چند منٹ کے بعد وہ کمرہ پرستان کا نمونہ بن گیا، موہنی کی سُریلی اور دلکش تانین تیرون کی طرح لوگون کے دلون مین اُترنے لگین، ''سندر'' بھی ایک طرف بیٹھا ہوا موہنی کے بادۂ حسن سے مست ہو رہا تھا، اُسکی حریص نگاہون سے معلوم ہوتا تھا کہ اوسکی شادی صرف موہنی کا دیدار ہے۔

آہ اس بےثبات دنیا مین حقیقی مسرت کا وجود معدوم ہے، جسطرح گلاب کے خوشنما پھولون

کی طرح فریب شاخ کانٹون سے خالی نہین ہوتی اوسی طرح حیات انسانی کی خوش ادا مسرتون کا دلفریب چمن خار زار الم سے لبریز ہوتا ہے، یا اسطرح سمجھیے کہ غم ایک کریہ المنظر تصویر ہے اور مسرت اوسکا منقش آئینہ، اس آئینہ کی نقوش و گلکاریان اسقدر جاذب نظر ہین، کہ انسانی نگاہین اسمین الجھکر رہ جاتی ہین اور وہ نہین دیکھ سکتین کہ آئینہ کے پیچھے کیا شے ہے اس آئینہ کی نزاکت نگاہون کی متحمل نہین ہوتی اور فوراً یا چند لمحہ کے بعد آئینہ چور چور ہوکر گر پڑتا ہے اور تصویر سامنے آجاتی ہے مگر بیوقوف انسان اب بھی نہین دیکھتا، بلکہ خواہش کرتا ہے کہ اوسکی نگاہین چور چور آئینہ کے ہر ذرہ کو اُٹھا کر تصویر پر ہمیشہ کے لیے لگا دینے کی سعی لاحاصل مین کامیاب ہوجائین،

آہ گھر برباد ہو رہا تھا، خانہ بربادی پس پردہ کھڑی ہنس رہی تھی، مگر سب سمجھ رہے تھے کہ سندر سنگھ کی خانہ آبادی ہو رہی ہے، اور فرائض انسانی مین سے ایک ایسا فرض ادا ہو رہا ہے جس مین تخلیق عالم کا راز مضمر ہے۔

موہنی جہاندیدہ تھی، اور تجربہ کار، ایک عصمت فروش کے لیے، بیوقوف اور ناتجربہ کار دولتمند سے زیادہ قابل توجہ شکار اور کون ہو سکتا ہے، موہنی کے ترکش مین اسوقت فریب محبت کے جسقدر تیر تھے اوسنے وہ سب سندر سنگھ پر صرف کر دیئے، غرضکہ محفل کے ختم ہونیسے پہلے سندر سنگھ بسمل تھا اور موہنی کے منتر کا مسیحا

(۳)

دوسرے دن موہنی آگرہ جانے والی تھی، رات کے ۲ بج چکے تھے، محفل برہم ہو چکی تھی شمعین جھلملا رہی تھین اور موہنی اپنے کمرہ مین ایک مسہری پر لیٹی ہوئی سوچ رہی تھی،

"کاش یہ سونے کی چڑیا ہاتھ آجائے، مین نے نشانہ بنانے مین تو کوئی کسر نہین اُٹھا رکھی. مگر شکار کا زخمی ہونا قسمت کی بات ہے، ........"

وہ اسی خیال مین محو تھی کہ آہستہ سے دروازہ کھلا، سندر سنگھ کمرہ مین آیا اور بولا، "موہنی موہنی! کیا سوگئین؟" اوسکی آواز مین لرزش تھی،

موہنی نے مضطربانہ طور سے سر اُٹھا کر سندر سنگھ کو متحیر اور پرشوق نگاہون سے دیکھتے ہوئے کہا "جی نہین" اور جلدی سے اُٹھکر مسہری پر بیٹھتے ہوئے بولی "تشریف رکھیے"،

سندر سنگھ پاس پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔ ”مجھے معاف کرنا، مین نے تمہین آرام کے وقت تکلیف پہنچائی، حالانکہ مین تمہارا مہمان ہون“۔

موہنی نے خفیف تبسم اور ایسی ادائے دلربایانہ کے ساتھ جسکو صرف اہل نظر محسوس کر سکتے ہین، جواب دیا ”بابو صاحب! آپ یہ کیا کہتے ہین، اگر عزت کسی کے لیے باعث تکلیف ہو سکتی ہے تو شاید مین آپکے اس محبت آمیز تبر ندامت کا نشانہ بننے کی جرات کر سکتی لیکن مین سمجھتی ہون اور داد دیتی ہون کہ آپ نے اپنی تکلیف کا اظہار مستحسن طرز بیان مین ادا کرنیکی اچھی قابلیت پائی ہے، اسلیے مین آپ کی اس تکلیف فرمائی پر اظہار امتنان و تشکر کرتی ہون“

سندر سنگھ ”تمہارے پاس آنے مین مجھے تکلیف ہوگی؟ افسوس تم نے میرے اُس جذبہ کی توہین کی، جو مجھے باوجود تمہاری تکالیف کے احساس کے یہان تک کھینچ لایا“

موہنی اسطرح ہنسی گویا ابھی نہین سمجھی کہ سندر سنگھ کا لفظ ”جذبہ“ شرمندہ معنی بھی ہے، اور بولی ”بہرحال اسوقت کیسے تکلیف فرمائی“

سندر سنگھ نے مسکرا کر دبے لفظون مین جواب دیا ”یہ اپنی نگاہون سے پوچھو“

موہنی نے بھولے پن سے سندر سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ”صاف صاف کہئے، مجھے پہیلی بوجھنا نہین آتا“ یہ الفاظ اس انداز سے ادا کیے گئے گویا موہنی کا دل اپنے مخاطب کے تاثرات سے متحرک ہے،

سندر سنگھ مضطربانہ لہجہ مین بولا ”دیکھو موہنی! زخم پر نمک چھڑکنا اچھی بات نہین، تیر لگا کر شکار کو تڑپتا چھوڑ دینا بڑی سنگدلی ہے، تم جان کر انجان بنتی ہو“

موہنی مسکرائی گویا حسن کی کلی کھل گئی اور بولی ”مین تو کچھ نہین سمجھی آپ اپنے دل کی بات تو کہین“

سندر سنگھ بیقرار ہو گیا، اُسنے بیتابانہ موہنی کا ہاتھ اپنے ہاتھ مین لیکر کہا ”ہان! ہان! پیاری موہنی، مین تمہین اپنے دل کی بات بتاتا ہون، کیا تم مجھے محبت کی بھیک دے سکتی ہو؟“

موہنی نے بجلی کی سی سرعت کیساتھ سندر سنگھ کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچکر جواب دیا۔

”جی نہین! مین خود محبت سے محروم ہون، آپ کو کہان سے دے سکتی ہون، بابو صاحب!

طوائف وہ عورت ہے جسکے پاس محبت کا سودا نہین ہوتا، آپ تو اسے وہان تلاش کیجیے۔ جہان آپ کو مل سکتی ہو،

سندر سنگھ "موہنی! تم یقین کرو مین اسے وہین ڈھونڈھ رہا ہون جہان وہ مجھے مل سکتی ہے

موہنی "کہان؟ کامنی کی ادا ؤن مین"،

سندر سنگھ "نہین! موہنی کی آنکھون مین"،

موہنی نے اپنے جذبہ مسرت کو چھپاتے ہوئے کہا "شاید ہی وہان مل سکے"،

سندر سنگھ نے التجا آمیز نگاہون سے دیکھتے ہوئے جواب دیا "مجھے یقین ہے، موہنی! اب زیادہ نہ ستاؤ اور وعدہ کرو کہ اپنے ہونٹون کے امرت سے میری محبت اور شوق کی پیاس بجھاؤ گی"،

موہنی جانتی تھی کہ محبت کی تشنگی بجھانے کی تمنا محبت کی موت ہے، اسلیے وہ سندر سنگھ کے آخری حیلہ پر ملتفت نہوئی، اب اسنے اپنے فریب کو ایک جدید سانچے مین ڈھالکر اور زیادہ دلکش بنانے کی کوشش کی، اور ایک نئے انداز سے بولی "مین آپسے عہد تو کر سکتی ہون مگر افسوس کہ ایسا کر نہین سکتی"،

سندر سنگھ" یہ کیون؟

موہنی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اسلیے کر سکتی ہون کہ آپ کے اصرار محبت نے مجھے مجبور کر دیا، اور جانتی ہون کہ آپ میری محبت کی قدر کر سکتے ہین، اور اسلیے نہین کر سکتی کہ مین صبح آگرہ جانیوالی ہون اور سمجھتی ہون کہ میرے آگرہ جانے کے بعد "عہد محبت" ایک بے معنی لفظ ہو جائیگا۔

بوالہوس سب سے پہلے نفس کیجانب جھکتا ہے "عہد محبت" کے بے معنی ہو جانے کا بیتاب کن فقرہ ایک درد بھرے دل ہی کو وقف اضطراب کر سکتا ہے، لیکن نفس پرست انسان اس نشتر سے احساس درد نہین کر سکتا"،

سندر سنگھ نے گھبرائے ہوئے لہجہ مین پوچھا "کیا تم صبح جانے کے لیے بالکل تیار ہو؟

موہنی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "ہان اب میرے یہان رہنے کی کوئی وجہ نہین"
سندر سنگھ نے یاس انہ انداز سے موہنی کی طرف دیکھا اور دریافت کیا " تو کیا میری ساری التجائین پامال کردی جائینگی ؟
موہنی " بابو صاحب ! پھر آپ ہی بتلایئے مین کیا کرسکتی ہون "
سندر سنگھ نے کہا " تھوڑے دنون نہ جاؤگی تو تمہارا کیا ہرج ہوجائیگا "
موہنی نے متین انداز مین جواب دیا " نہین ، ایسا نہین ہوسکتا ۔ بابو صاحب ! مین بے بس ہون ، میری مان اب ایک دن بھی نہین ٹھہرسکتی "
سندر سنگھ نے کہا " انکار روک لینا میرے بس کا کام ہے ۔ مین سو روپیہ روز دینے کو تیار ہون ، مگر موہنی تم جانے کے خیال سے باز آؤ ، مین مرجاؤنگا "
موہنی نے دیکھا : شکار پھنس چکا ، اب جھٹکے دینا بیکار ہے ، ممکن ہے کوئی تار ٹوٹ جائے اسلیئے بولی " بابو صاحب ! میرا دل خود یہان سے جانے کو نہین چاہتا ، نہ جانے بنارس کی دلچسپیان میرا دامن کیون نہین چھوڑنا چاہتین ....... "
موہنی کے ان جملون نے سندر کی نیم مردہ آرزوؤن کے ساتھ آبحیات کا کام کیا اور گویا وہ یک بیک جی اُٹھین ، اُس نے کرسی سے اُٹھکر مسہری پر بیٹھے ہوئے بیتابانہ انداز سے موہنی کے گلے مین باہین ڈالدین اور کہا " تم بنارس کی دلچسپیون کا فریب کھا رہی ہو اور حقیقت تو یہ ہے کہ میری محبت تمہارے قلب پر اثر کئے بغیر نہ رہ سکی ، دیکھو تو سہی مین کتنا خوش نصیب ہون ، محبت کی بازی مین آخرکار تمہین مین نے جیت لیا "
موہنی نے ایک دلربایانہ انداز سے سندر سنگھ کیطرف دیکھا اور خاموش ہوگئی ، موہنی کیلیئے یہ وقت بیش قیمت تھا ، یہ لمحے ، اسکی پرفریب اداؤن کے لیے مغتنم تھے ، اُس نے اس مکڑی کی طرح جو اپنے شکار کو ذرا سا موقع ہلنے پر چارون طرف سے جالے مین جکڑ لیتی ہے ، سندر سنگھ کو اپنے دام مین اچھی طرح پھنسالیا ۔

(۴)

وقت اور دریا کا بہاؤ یکسان ہے ، انھین جتنا ہی غور سے دیکھو اتنا ہی تیز جاتے ہوئے

دکھائی دیتے ہین، سندر سنگہ کی شادی کے ایام ہوا کے تیز جھونکون کی طرح گذر گئے، سائنس کا ایک اصول ہے جو چیز جسقدر جلد گرم ہو سکتی ہے اُسیقدر جلد سرد بھی ہو جاتی ہے، جذبۂ نفس ایک قسم کی حرارت خون کا فوری نتیجہ ہے، اسلیے اوسکا چڑھا ہوا دریا بہت جلد اُتر جاتا ہے مگر سننے والونکو تعجب ہوگا کہ سندر سنگہ اس کلیہ سے مستثنےٰ تھا، جسقدر وقت گذرتا گیا، اتنے ہی موہنی سے اوسکے تعلقات بڑھتے گئے اور اوسکے دل پر موہنی کا اقتدار مستحکم ہوگیا،

موہنی ایک تجربہ کار اور چالاک عورت تھی وہ خوب جانتی تھی کہ اوسکے حسن عریان کا راز آتش شوق کے شعلہ مین پنہان ہے، اس شعلہ کا افسردہ ہونا افشائے راز کی دلیل روشن ہے

طبیعت انسانی جس فعل کی عادی ہو جاتی ہے وہ طبیعت کا ایک جزو ہو جاتا ہے، سندر سنگہ کا نفس پرست دل، عریان اداؤن سے اسدرجہ مانوس ہو چکا تھا کہ انکے بغیر ہروقت کھویا سا رہتا تھا،

جذبۂ گناہ کو جتنا ہی چھپایا جائے اُتنا ہی ظاہر ہو جاتا ہے، سندر سنگہ اگرچہ پوشیدہ طور پر موہنی سے ملتا تھا، لیکن تھوڑے ہی دنون مین یہ بات کھل گئی، ہر دیو سنگہ نے بہت کوشش کی کہ کامنی کی برگشتہ قسمت، راہ راست پر آجائے مگر وہ ناکامیاب رہا اور اوسوقت تک ناکامیاب رہا جبتک کہ اوسکی روح اس غم کے باعث جسم سے مفارقت نہ کر گئی، غریب بڈھا جسوقت دم توڑ رہا تھا اسوقت بھی کامنی کا مستقبل ایک تصویر بیکسی بنکر اوسکی نگاہون کے سامنے پھر رہا تھا، یہان تک کہ مرنے والے نے آخری سانس بھی بدنصیب کامنی کے نام پر وقف کردی

باپ کے مرجانے پر سندر سنگہ نے اور گل کھلانا شروع کئے، وہ دولت جسے ہر دیو سنگہ سندر کی سات پشت کے لیے کافی سمجھتا تھا، اب آدھی رہ گئی تھی اور نہین کہا جا سکتا تھا کہ وہ سندر سنگہ جیسے اوباش جاہل اور فضول خرچ آدمی کو کتنے دن کفایت کر سکتی ہے، دن کا زیادہ حصہ سندر سنگہ اپنے باہر والے کمرہ مین خود غرض اور بدچلن دوستون کی صحبت مین بسر کرتا اور شام سے صبح کی پہلی کرن کے جلوہ گر ہونے تک موہنی کے پاس رہتا۔ غرضکہ اوسکی حیات بدنام بندگی نفس مین یون ہی بسر ہوتی رہی، ایسی بندگی نفس مین جسمین زمانۂ تمدن و ارتقای انسانیت کا کوئی جزو شامل نہ تھا،

کامنی کمسنی ہی مین بلا کی حسین تھی، مگر اب جبکہ اُسنے سولھوین برس مین قدم رکھا تھا، ایک فتنہ تھی یا قیامت، اوسکی آنکھون مین شباب کا نشہ، اور دلمین اُمنگون کا جوش پیدا ہوگیا تھا، وہ فطرتاً ذہین تھی، سینے مین حساس دل اور دماغ مین عقل سلیم رکھتی تھی، وہ اسوقت بھی جبکہ سندر سنگہ کی اوباشیان ظاہر بین نگاہون سے پوشیدہ تھین، اوسکے عدم التفات اور اوسکی نگاہ بی نیازی سے یہ سمجھ چکی تھی کہ "میرے نصیب پھوٹ چکے، اب میری دنیا ویران ہی رہے گی"،

فطرت کا مبارک ترین انعام "حسن" اوس معصوم لڑکی کے حق مین ایک بدترین عذاب تھا اور حیات کا بہترین حصہ "شباب" اس بدنصیب کے صحیفۂ حیات کا غم آموز باب، کاش حسن کا احساس ہونے سے پہلے متخیلہ کی وہ قوت سلب ہوجاتی جو پندار ناز کی پیدا کرنے کا باعث ہے اور شباب آنے سے قبل دلکا وہ حصہ بےحس ہوجاتا جو رنگین تمناؤن کا آفریدگار ہے شاید تقدیر اُس بدنصیب کو فطرت کی تکمیل غم کے نذر کرنے کیلئے بیتاب تھی،

کامنی جب سوچتی کہ وہ حسین ہے، مگر اسکا خریدار اسکے حسن کا قدردان نہین تو دلکے فطری جذبات پژمردہ ہوجاتے، اور چند لمحون کے لیے اوسکی آنکھین اشک بار ہوکر اوسکی خوشنما ساری کے سُرخ رنگ کو اور شوخ کردیتین، اور جب سمجھتی تھی کہ وہ جوان ہے تو اوسکے دل پر ایک بجلی گرتی اور اوسکی آرزوؤن کا خرمن ناز خاکستر ہوجاتا، وہ اکثر ٹھنڈی سانسین بھر کر کہا کرتی، "ایشورا تونے مجھے یہ خوبصورتی کیون دی ہے"، گھر والے سب اوسے حقیر نگاہون سے دیکھتے، بڑی بوڑھیان طعن کرتین "ایسی نیک قدم (نحس قدم) بہو آئین کہ سسُر تو تین ہی مہینے کے اندر کال دیو کی بھینٹ چڑھ گئے، چھوٹے بابو کی حالت ایسی بگڑی کہ پرماتما ہی انہیں راہ پر لگائین تو بیڑا پار ہو"، نندین کہتین "بھابھی بھیا کو ناخوش رکھتی ہونگی جبھی تو وہ پھٹے پھٹے رہتے ہین، اڑوس پڑوس کی آنے جانے والی ہمجولیان یون ہنسی اڑاتین کہ "انہین اپنے پت سے پریم ہی ہوگا نہین تو چھوٹے بابو کاہے (کیون) کو ویشیاؤن سے پریم کرتے پھرین"،

مگر بدنصیب کامنی سب کی باتین سنتی، اور گردن جھکا کر رہ جاتی، سب کی حقارت آمیز نگاہون کا نشانہ بنتی اور ایک ٹھنڈی سانس بھر کر دوسری طرف منھ پھیر لیتی، سب کے طعنون کا ہدف بنتی اور کلیجہ مسوس کر رہ جاتی، وہ اکثر راتون کو چونک اُٹھتی اور پہرون اس خیال مین محو رہتی، کیا مسرت نہین

بیسوا اون کا حصہ ہے،، کبھی بیساختہ اوسکی زبان سے نکل جاتا ورکاش موہنی کی قسمت میری تقدیر ہوتی

،،سچ یہ ہے کہ عورت اپنے شوہر کی بیوفا چوکھٹ پر اپنی ناکام زندگی کی بھینٹ چڑھا سکتی ہے زمانہ کے دلگداز مصائب، دنیا کی سخت ترین تکالیف صبر وسکون کے ساتھ برداشت کرسکتی ہے۔ لیکن یہ اوسکی نطرت کے خلاف، اوسکی طاقت برداشت سے باہر ہے کہ اوسکا شوہر دوسری عورت سے محبت کرے،،

(۵)

ایک دن کامنی اپنے کمرہ مین لیٹی ہوئی تھی، اوس کمرہ مین جس کے فرش پر بارہا اوسکے آنسوؤن کا چھڑکاؤ ہوچکا تھا، جسکی دیوارین اوسکی معصوم بیکسی پر اکثر لرز اُٹھی تھین، اسکا دماغ امید و یاس کی حوصلہ شکن کشمکش کا جولانگاہ بنا ہوا اسکی مایوس زندگی کے تاریک پہلو کا نقشہ کھینچ رہا تھا۔ وہ اپنے خیالات مین ہمہ تن مستغرق تھی، واقعہ یہ ہے کہ تنہائی اور خیال مین چولی دامن کا ساتھ ہے انہین خیالات کے ہجوم مین اسکے دلمین دفعتاً یہ خیال پیدا ہوا۔

،،دنیا کیون کہتی ہے کہ مین حسین ہون، اگر مین حسین ہوتی، تو وہ کیون ایک بازاری عورت کے ساتھ اپنا دل بہلاتے، آہ مجھے یہ فریب کیون دیا جارہا ہے، اندرا! مجھے تیری بات یاد ہے تو اکثر کہا کرتی تھی ،، خوش نصیب ہے، وہ مرد جو کامنی کے پیر چومکر اوسکا دل حاصل کرسکے،، میری پیاری سکھی تجھے کون بتلائے آج وہی کامنی ایک مرد کا پیر چومنے کو ترس رہی ہے۔ اندرا کیا تو بھی مجھے فریب دیتی تھی،

ہان اب مین سمجھ گئی، حسن اسکا نام نہین ہے جسکے فریب مین مین مبتلا ہون، حسن شاید اوس کشش کا نام ہوگا جسکی مالک دنیا مین صرف موہنی ہے، دنیا جانتی ہے مین ایک دولتمند کی لڑکی ہون اور بہو بھی، میری ہمجولیان کہتی تھین، دولت کا دوسرا نام سُکھ ہے، آہ! مین اِس فریب مین بھی پھنسی ہوئی تھی، سکھ بھی میرے پاس نہین ہے، اچھا کھانا اور اچھا پہننا سکھ نہین ہے سُکھ شاید اُس لذت کا نام ہوگا، جسکی مالک دنیا مین صرف موہنی ہے،

اے پرماتما! حسن اور سُکھ جو عورت کی حقیقی زندگی ہین اگر تو نے مجھے نہین دیئے تو صرف اتنا بتا دے کہ کیا تو نے مجھے انہین مایوسیون مین غوطہ کھانے کے لیے پیدا کیا ہے مین تجھ سے یہ نہین چاہتی کہ تو وقت مقررہ سے پہلے میرے جسم کی متحرک تصویر کو ساکت کردے، مین تو

صرف یہ پرارتھنا کرتی ہوں کہ اس تصویر سے تمام رنگ و روغن جدا کرکے فضا میں منتشر کر دے تاکہ دیکھنے والے میرے سنگدل پت کی طرح آنکھیں بصیرلیں اور اس طرح میری آتما بہت جلد وہ سکون حاصل کر سکے جو موت سے پہلے اوسے ساکت کر سکتا ہے، مجھے یاد ہے، میں نے ایک مشہور کتاب میں پڑھا تھا، ویشیا سے بڑھکر دنیا کی ذلیل ہستی کوئی نہیں، تو کیا موہنی ذلیل ہے . . . . ؟ ہرگز نہیں، کتنا سفید جھوٹ، کیسی کھلی ہوئی غلط بیانی . . . . مگر آہ شاید دنیا کے بڑے بڑے دانشمند اس فریب میں مبتلا ہیں،

میں حسن اور سکھ کے متعلق اپنے تمام خیالات بدل دونگی، تمام سنے ہوئے الفاظ کو دل سے محو کر دونگی، مگر لے پرماتما! میں اس پر قادر نہیں ہوں کہ اُس تمنا کا گلا گھونٹ دوں جو میرے ٹوٹے ہوئے دل کی رونق ہے،

میری زندگی بربادی کے دامن میں تھی اور میں نے کبھی نہ سوچا کہ میری اس بربادی کا باعث کون ہے، میرے ماں باپ؟ نہیں وہ بے قصور ہیں؟ دولت اندھی ہوتی ہے، اور انسان کی ظاہری حالت اکثر و بیشتر ملمع مادر بدقسمتی سے اوسکے دیکھنے والے اور پرکھنے والے بھی بے بصیرت اور کم سواد ہوتے ہیں،

پھر کون؟ میرا پت، نہیں وہ بھی نہیں، دل کسی کے اختیار کی چیز نہیں، جس طرح ہیں میں اپنی جانب نہیں کھینچ سکتی، اسی طرح وہ موہنی کی کشش سے نہیں بچ سکتے، تو موہنی ہوگی ہاں! . . . . مگر نہیں وہ بھی نہیں ہے، دنیا مطلب کی ہے حیات کا خمیر خود غرضی سے بنایا گیا ہے، جس طرح میں چاہتی ہوں کہ وہ میرے ہو کر رہیں، کیا اوسی طرح موہنی کی خواہش نہ ہوگی کہ اوسکی ادائیں ایک لمحہ کیلئے اونکا دامن نہ چھوڑیں، اگر میری یہ آرزو جائز ہے تو اوسکی بھی وہ تمنا بیجا نہیں ہو سکتی،

پھر آخر کون اس سنگین خطا کا مرتکب ہے؟ میں؟ ہاں ہاں بیشک میں ہی ہوں میرے ہی کرم میں یہ دکھ لکھے ہوئے ہیں!

پرماتما! میں خود اپنی گنہگار ہوں، آخر میری قسمت میری دشمن کس لیئے ہے؟ ایک عصمت فروش، ایک حیا سوز، ایک بدآموز ہستی کو سکھ اور حسن حاصل ہے، اور

اوسے نہین۔ جو شوہر پرست ہے، جس نے اپنی عصمت، اپنی عزت، اور اپنا سب کچھ صرف ایک ہستی پر نچھاور کر رکھا ہے۔

فطرت، فطرت! کیا تیرا یہ قانون منصفانہ ہے؟

خیالات کے سلسلہ مین یہان پہونچکر کامنی ضبط نہ کر سکی، اوسکے جذبات دل رقیق ہوگئے اوسکی بڑی اور خوبصورت آنکھون سے آنسو ٹپکنے لگے، تھوڑی دیر تک یہ کیفیت طاری رہی! مگر جسطرح پانی برسنے کے بعد بادل کھل جاتا ہے اوسیطرح رونے سے بخار نکل جانے کے بعد دل ہلکا ہو جاتا ہے، آخرکار وہ ایک ٹھنڈی اور گہری سانس بھر کر اٹھی اور دل بہلانے کی غرض سے کوٹھے پر چلی گئی،

( ۲ )

آسمان کامنی کے دل کی طرح صاف اور نکھرا ہوا تھا، اشٹمی کا چاند بلند ہو چکا تھا، اور چھٹکی ہوئی چاندنی اوسکے پیرون پر لوٹ رہی تھی، تارے جھلملا رہے تھے اور ہوا کے نرم نرم جھونکے اوسکی سرخ ساری سے اٹھکھیلیان کر رہے تھے، یہ ہوشربا منظر اوسکے شباب کے نشہ کو تیز کر رہا تھا، وہ فطرت کی اس فیاضی کا لطف اٹھا رہی تھی، چند لمحون کے بعد اسکا دل پھر مختلف خیالات کا آماج گاہ بن گیا، جسطرح سنگ مرمر کی ایک مورت سرخ ملبوس مین کھڑی ہوئی اچھی معلوم ہوتی ہے، اوسیطرح کامنی اپنے خیالات مین مستغرق بے حس و حرکت کھڑی ہوئی بے حد دلفریب معلوم ہو رہی تھی،

یکایک پاس سے بانسری کی ایک سریلی تان آئی جسکو سنکر کامنی چونک پڑی، اس کا سکون اس باندھ کی مانند جو پانی کی رو کو روکے رہتا ہے ٹوٹ گیا، خون رگون مین بڑی تیزی کے ساتھ حرکت کرنے لگا، اوپر نگاہ جو اٹھی، تو دیکھا کہ سامنے والے کوٹھے پر ایک خوبصورت نوجوان ہاتھون مین بانسری لیے اوسے للچائی نگاہون سے دیکھ رہا ہے، گویا چاہتا ہے کہ اوسکی حسن کو اپنی نگاہون مین جذب کر لے،

اگر شرم عورت کی فطرت نہوتی، اگر غیرت،، نسائیت،، کا جزو نہ ہوتی اور اگر خیالات پریشان سد راہ نہ ہوتے، تو کون کہہ سکتا تھا کہ کامنی اس حالت اضطرار و اضطراب

اور اس عالم محویت میں گردن جھکالی، گو اُسنے آنکھیں نیچی کرلین، مگر بانسری کی سریلی تان اوسکے دل کے پار ہوگئی، اور من کا سانپ اسکی مست آواز پر لہرانے لگا، چند لمحون کے بعد کامنی کی معصومیت نفس پر غالب آگئی، مگر اب اوسکے خیال کی دنیا اور بھی وسیع ہوگئی

اوسیوقت ایک بوڑھی عورت کسی کام سے کوٹھے پر آئی، اُسے سب "رمتا" کہا کرتے تھے۔ رمتا کامنی کی ساس کے پیرون نین منہدی لگانے، بدن مین بٹنا ملنے بالون مین کنگھی کرنے، اور چوٹی گوندھنے پر نوکر رکھی گئی تھی، کامنی کی ساس کا سہاگ اُجڑ چکا تھا، اب وہ بہو اور بیٹیون کی مشاطہ گری کرتی تھی،

رمتا ذات کی نائن تھی اور اپنی طویل عمر مین ہر قسم کے پاپڑ بیل چکی تھی اُسنے کامنی سے تعجبانہ لہجہ مین پوچھا، "ائین بہو! تم اتنی رات گئے اکیلے یہان کیا کر رہی ہو"،

جملہ ختم ہوتے ہی اوسکی نگاہ سامنے والے کوٹھے پر کھڑے ہوئے نوجوان پر پڑی، نوجوان اسی طرح بانسری ہاتھ مین لیے ہوئے کامنی کیطرف دیکھ رہا تھا۔

چالاک عورت نے کامنی کو مصنوعی غصہ کی نگاہون سے دیکھتے ہوئے کسیقدر سخت لہجہ مین کہا "اچھا، تمہارے یہ ڈھنگ ہو رہے ہین، چلو نیچے، دیکھو تو سٹھانی جی سے کہکر تمہاری کیا گت کراتی ہون"،

جسطرح چور چوری کرنے کے بعد ایک معمولی راہ گیر کے ٹوکنے پر کانپ اُٹھتا ہے، اوسی طرح کامنی اپنی ملازمہ کی تہدید سنکر سر سے پیر تک لرز گئی، خوف اوسکے حواس پر غالب ہوگیا، اور چاندنی رات مین چارون طرف اوسے تاریکی نظر آنے لگی وہ رمتا کو کچھ جواب نہ دے سکی، اور نگاہین نیچی کرکے رہ گئی، گویا وہ زمین پر گری ہوئی اس شراب کو دیکھ رہی ہے۔ جو تھوڑی سی اوس کے جام حیات مین باقی رہ گئی تھی،

مکار عورت نے اب سامنے والے نوجوان کو مخاطب کیا "منوہر بابو! آپ کچھ پرائی بہو بیٹیون کا بھی لحاظ کرتے ہین"،

منوہر نے لاپروائی سے جواب دیا "کیون؟ کیا تم لوگون کی وجہ سے مکان چھوڑ دون" رمتا منوہر سے کچھ نہ کہہ سکی، اور خود منوہر بھی اب سامنے سے ہٹ چکا تھا، اسلیے غریب کامنی

پر برسنے لگی،

دو بھلے گھر کی بہو بیٹی ہو کر تم دوسرون سے آنکھ لڑاتی ہو، کیا اپنے کُل مین داغ لگاؤ گی، بابو جی سُن پائین، تو ابھی جانے کیا کر ڈالین،

کامنی کے حواس درست ہو چکے تھے، ایک نائن کی تنبیہ ادسکے سینہ مین آگ بھڑکا رہی تھی آخر کار ضبط نہ ہو سکا۔ بگڑ کر بولی۔

تو کیا بک رہی ہے مین آپ ہی اپنی تقدیر کو رو رہی ہون، مین نے تو دیکھا بھی نہین کہ کون کھڑا ہے"

چالاک عورت نرم ہوگئی اور دوسرا رنگ بدلتے ہوئے تسلی آمیز لہجہ مین بولی" بہو! مین سب سمجھتی ہون، مین اچھی طرح جانتی ہون، بابو جی ایک دیشیا کے جال مین پھنس گئے، ہائے یہ بھری جوانی اور یہ غم، پھر کیا کیا جائے۔ جو دکھ بھاگ مین بدا ہے بھگتنا ہی پڑے گا،،

جلتی ہوئی آگ مین جو کام گھی کرتا ہے، رمتا کی تسلی نے کامنی کے دل کے ساتھ وہی کام کیا، وہ بیچین ہوگئی، بھرّائی آواز سے بولی" میرا کون ہے، ماں باپ نے اندھے ہو کر بھاڑ مین جھونک دیا، جیسے پتلے سے بندھی، اُسنے آج دو برس مین دو مرتبہ بھی اچھی نگاہون سے نہین دیکھا کہتے ہوئے لاج آتی ہے، مین نے تو یہ بھی نہین جانا کہ پت کسے کہتے ہین، رہی دکھ کی بات اب تک جیسے بنا بھگتا، اور اب جو کچھ کرم مین ہے بھگتونگی، شاید پرماتما کی یہی مرضی ہے کہ مین ابھاگنی کال دیو کی بھینٹ چڑھنے تک دکھ بھوگتی رہون،،

کامنی کا دل بھر آیا، وہ زار زار رونے لگی، چالاک عورت اُسے تسلی دے رہی تھی، تھوڑی دیر کے بعد دونون کوٹھے سے اُتر نیچے چلی آئین، سندر سنگھ کھانا کھا کر باہر جا چکا تھا، کامنی کی ساس کھانے کے لیے کامنی کا انتظار کر رہی تھی رمتا اسے بلانے ہی کے لیے بھیجی گئی تھی، باتون مین کچھ دیر ہوگئی، ساس نے بہو کے آتے ہی ایک فقرہ کسا" بہو! کیا ہوا کھا رہی تھین

کامنی خاموش ہوگئی مگر رمتا نے اُسکے جواب مین کہا" سٹھانی جی! کیون بیچاری پر طعن کر رہی ہو وہ آپ ہی بیٹھی رو رہی تھین،،

سٹھانی جی آگ ہوگئین، بات کی تاب کہان تلوون سے لگی تو سر مین جا کر بھی تنک کر

جواب دیا۔ "ایسی کونسی آفت آگئی تھی جو رانی جی رو رہی تھین، مین تو یہ سمجھ رہی تھی کہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا مین سیر کر رہی ہونگی "

کامنی کا زخم بات کا تیر کھا کر ہرا ہو گیا، لیکن آج یہ کوئی نئی بات نہ تھی، حسب معمول آنکھین ڈبڈبا گئین، اور آنسوؤن کی تری سے پلکین نم ہوگئین، دل سے ایک آہ اٹھی اور لبون پر خفیف جنبش پیدا کرکے مٹ گئی، رتنا بھی خاموش ہوگئی اور کامنی کے سوا سب نے سمجھ لیا: بات آئی گئی ہوگئی،، کھانا لایا گیا، کامنی نے جسطرح بنا اگل نگل کر دو چار لقمے کھائے، اور اٹھ کھڑی ہوئی سچ پوچھو تو کیا، کوئی جھوٹون بھی یہ پوچھنے والا نہ تھا کہ "ہو کیا بات ہے کہ آج کھانا اچھی طرح نہین کھایا،

(۷)
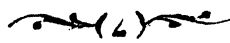
رسوئی سے اٹھکر کامنی اپنے کمرہ مین جا کر پڑ رہی، آج وہ بہت بے چین نظر آتی تھی مشہور ہے کہ بیمار کی رات مشکل سے کٹتی ہے، کامنی بیمار سے بدتر تھی، ہر سانس اوسکی روح کو مضمحل بنانے مین سرگرم تھی، کامنی اگرچہ بانسری کی دلنواز تان کو بھول چکی تھی، مگر اسکا پر سوز اثر ابھی روح مین باقی تھا، وہ منوہر کی ملتجی نگاہونکو فراموش کرچکی تھی مگر اوسکا دل ایک نامعلوم خلش محسوس کر رہا تھا وہ اپنے خیال مین کچھ ایسی مستغرق تھی کہ اوسے یہ بھی خبر نہ ہوئی کہ کب اوسکی خادمہ آئی اور مسہری کے پاس بچھی ہوئی شطرنجی پر سوگئی، رات کے گیارہ بج چکے تھے، یکایک کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا کامنی کا سلسلۂ خیالات ٹوٹ گیا، چند سکنڈ کے لیے اوسکے دماغ کی تمام قوتین بیکار ہوگئین سنبھلنے کے بعد وہ متحیر تھی کہ آج خلاف معمول اتنی رات گئے دروازہ کون کھٹکھٹاتا ہے۔

اے امید کی دیوی! تیری طاقت کے کرشمے بے مثال ہین، تنکے کے مقابل دریا کو حقیر بنا دینا سمندر کے سامنے ایک قطرہ کو ممتاز کر دینا، تیرے صرف ایک اشارہ پر منحصر ہے، مایوسیون کی فوجین جب حملہ کر رہی ہون، اسوقت محض تیری یاد فتح کی ضامن ہوسکتی ہے۔

کامنی کا چہرہ کندن کی طرح دمکنے لگا، گلاب تازہ ہوگیا، اوسکے رخسارون سے سرخی پھوٹ نکلی، بجلی کی سرعت کی طرح ایک خیال دماغ مین پیدا ہوا۔ لبوں کو خفیف جنبش پیدا ہوئی، خیال نے امید اور امید نے اضطراب کی صورت اختیار کی اور دفعتاً شوہر کی صورت آنکھون مین پھر گئی، وہ اٹھی اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ، کانپتے ہوئے ہاتھون سے دروازہ کھولدیا

سندر سنگھ اندر آیا۔ اوسکے پیرون مین لرزش تھی، خادمہ جو دروازہ کھٹکنے پر جاگ اوٹھی تھی، سندر سنگھ کو دیکھتے ہی متحیر ہو گئی مگر اوسے کیا حق تھا کہ وہ خاموش چلے جانے کے سوا کسی دوسری حرکت کا اظہار کرتی،

جسطرح برسات کی پہلی بارش سے خشک گھاس ہری ہو جاتی ہے، اسی طرح سندر سنگھ کو دیکھکر غمزدہ کامنی کی مردہ آرزؤن مین جان پڑ گئی، اُسنے بڑے احترام و شوق سے شوہر کے چرن چھوئے اور گردن نیچے جھکا کر مہین شیرین آواز مین کہا "پران ناتھ بڑی کرپا کی"،

سُندر سنگھ اُسے نفرت کی نگاہون سے دیکھکر آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ اچھا!! اب ہٹو بھی، مجھے ایک ضروری چیز لیکر ابھی واپس جانا ہے"،

جسطرح بجلی پانی برسنے کی حالت مین بھی گرکر کسی ہرے بھرے درخت کو خاکستر کر دیتی ہے اسیطرح ظالم سندر سنگھ کے ان الفاظ نے غریب کامنی کی تمناؤن کو فنا کر دیا، مگر انسان کا دل سمندر ہے، جسمین ہر لحہ لہرین بنتی اور بگڑتی رہتی ہین، اگر اسمین سمندر کی لہرون کیطرح آرزوئین مٹتی اور اُبھرتی نہ رہین تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے، کامنی پیچھے ہٹ گئی اور بیدرد سندر سنگھ کو منت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی "رات زیادہ گئی ہے اب کہان جاؤگے

سندر سنگھ نے جواب دیا، میرا جانا ضروری ہے، رات کچھ زیادہ نہین گذری"

کامنی "بارہ تو بج چکے ہونگے"،

سندر سنگھ "بہر حال مین یہان رہنے کے لیے نہین آیا ہون"،

کامنی نے سوچا، آج مدت کے بعد موقعہ ملا ہے، شرم کب تک کیجا ئیگی، آخر گھٹ گھٹ کر کب تک جان دونگی، اسلیئے ہاتھ جوڑکر بولی،۔......

(باقی آیندہ)

عابد لکھنوری

# رموز توحید

ہر پھول کے رنگ و بو میں تو ہے
کونپل میں نمو، نمو میں تو ہے

یہ رنگ خمار کہہ رہا ہے
تو ہے، میرے سبو میں تو ہے

جلوہ ترا یار سو عیاں ہے
چھایا ہوا چار سو میں تو ہے

سر کیوں نہ جھکے برہمن کا
بہتے ہوئے آب جو میں تو ہے

جلوہ کس کا، کلیم کیسا
اس یار کی گفتگو میں تو ہے

کیسا گو تم، کہاں کا جنگل
خود اپنی ہی جستجو میں تو ہے

دل میں میرے آرزو ہے تیری
تو ہے مری آرزو میں تو ہے

جب شرق میں صبح مسکرائی
تو نے اپنی جھلک دکھائی

ذرے ذرے پہ ہے یہ تحریر
زیبا ہے تجھے تری خدائی

پھولوں کو کیا ہے تو نے خوش رنگ
دولھن بن کر بہار آئی

ظاہر ہے ہزار رنگ سے خود
دنیا اسواسطے بنائی

ہر چیز میں تو ہے جلوہ فرما
اللہ رے تیری خود نمائی

سب ہو گئے محو سننے والے
نفس نے جو تیری حمد گائی

حامد اللہ ا

# حسن گریان

اشک ہین کیون بھرے ہوئے چشم فسون طراز مین
غم کی جھلک ہے کس لیے؟ تیری جبین ناز مین

بیٹھی ہوئی ہے آہ کیون اشکون کو تو پیے ہوئے
ہاتھ پہ سر دھرے ہوئے نیچی نظر کیے ہوئے

جنبش قلب سے تری حشر ہے اک جہان مین
کانپ رہی ہے کائنات لرزہ ہے آسمان مین

تیرا سکوت اضطراب شرح خموش درد ہے
چہرہ کا رنگ زرد ہے جسم تمام سرد ہے

کانپ رہے ہین ہونٹ ادھر کوشش ضبط آہ سے
تھمتی نہین پلک اُدھر گریہ بے پناہ سے

طرز لباس سے ہے خود راز عنا کھلا ہوا
بال الگ ہین منتشر رخ ہے جدا کھلا ہوا

زلف سیہ مین ہے تری تیرگی فضائے غم
سانس جو کوئی تو نے لی چلنے لگی ہوائے غم!

ہونٹون پہ کھیلتی تھی جو اب وہ ہنسی نہین کہین
حسن فسردگی تو ہے رنگ شگفتگی نہین

کس کو بھلا یقین ہو تیرے اس اضطراب کا
حسن بھرا اوس پہ ایسا حسن اور یہ ہین شباب کا

حسن و شباب کو بھلا رنج و الم سے کیا غرض
درد سے کوئی واسطہ، کاہش و غم سے کیا غرض

کاش کہ میری آنکھ کا یہ بھی کوئی قصور ہو
کاش تجھے بجائے غم، خرمی و سرور ہو

رنج تو ہے مرے لیے تجکو نہ ہو خدا کرے
لا۔ مجھے دے۔ جو ہو تجھے رنج تری بلا کرے

حسن کی شان ہے نشاط عشق کا کام رنج ہے
حسن کا نام انبساط، عشق کا نام رنج ہے

غم کے نشان جب ترے پیکر دلستان مین ہین
کون یہ کہہ سکیگا پھر عیش و خوشی جہان مین ہین

میرے لیے تو مٹ گئین دہر کی سب مسرتین
غم نے ترے نکال دین عیش و طرب کی حسرتین

مجکو خوشی سے کیا غرض، غم ہے ازل سے جب حبیب
میری خوشی تو ہے یہی تجکو خوشی رہے نصیب

کاش کہ ہو یہ دسترس کاش بدل سکون ابھی
تیرے ہر ایک رنج سے اپنی ہر ایک خرمی

لمحۂ حزن پر ترے صدقے حیات انبساط
کس کا تجھے یہ رنج ہے، کیون نہین رغبت نشاط

عشق کا یہ تو کام تھا حسن نے کیون کیا الم
کاش کہ مجکو دے خدا رنج سے بڑھکے کوئی غم

گو یہ سمجھ رہا ہون مین غمزدہ حزین ہے تو
اپنی نظر کو کیا کرون پھر بھی بہت حسین ہے تو

[illegible]

# کلام ناشاد

(نتیجۂ فکر جناب بابو رام پرشاد صاحب کھوسلہ ایم اے (آکسن))

زمانے مین کسی کو ناز ہے شیرین زبانی کا
ہماری خامشی مین ہے اثر جادو بیانی کا

ہوئی ہے بیخودی جس کو مئے وحدت کے ساغر سے
وہ دلدادہ نہین لطف شراب ارغوانی کا

خدا جانے تپش ہے کس بلا کی آتش دل مین
پتہ ملتا ہے کچھ آہ سے سوز نہانی کا

پرون کو نوچکر ڈالا قفس کی قید مین تو نے
ٹھکانا بھی ہے کچھ صیاد تیری بدگمانی کا

مناسب ہے اسے دشت فنا کی راہ پیمائی
جو ہے جویا زمانے مین متاع زندگانی کا

جلاتی ہے جو پروانہ کو خود بھی شمع جلتی ہے
ثمر ہے باغ دنیا مین یہی کچھ دلستانی کا

جہان والون کی ہستی اک خیال چند روزہ ہی
جو رہتا ہے تو کوئی دم جہان مین نقش بانی کا

نہ بیم موج ہے اسکو نہ ہے گرداب کا خطرہ
جو متلاشی ہے بحر عشق مین دُر معانی کا

ہوا جو غوطہ زن اسمین قضا کے ہاتھ سے چھوٹا
اجل ہے ایک قطرہ بحر عمر جاودانی کا

لگائے تم جو رہتے ہو لبون پر مُہر خاموشی
کہو کچھ تو سبب ناشاد اپنی سرگرانی کا

# کلام اثر

قطرے عرق کے رُخ پہ نہین ہین نقاب مین
تارے چھٹک رہے ہین شب ماہتاب مین

رکھتی ہے لطف برق کی چشمک سحاب مین
ہان ہان یونہین چھپائے رہو منھ نقاب مین

قطرہ ہون وہ جو بند ہے چشم حباب مین
دریا ہون وہ جو موج کشا ہے سراب مین

تڑپائے جا مجھے یونہین کچھ دیر ابھی کہ ہے
اک شائبہ سکون کا مرے اضطراب مین

بے ربط ہو گئی تھی عبارت کہین کہین
کا فرنے نقل کی وہی خط کے جواب مین

اے مطرب خیال سنا دے پھر ایکبار
نغمہ شکست دل کا شکست حباب مین

اُف شرم معصیت کہ زبان لڑکھڑا گئی!
مین! اور عرض حال! پھر ایسی جناب مین

آنکھون سے وہ نہان ہے مگر جلوہ آشکار
حیران ہون فرق کیا ہے شہود و حجاب مین

یہ کون سوے گور غریبان گذر گیا
پھر ہچکیان اُلٹ گیئن ارباب خواب مین

اس بیقرار دل کو مقابل مین برق کے
طغرائے امتیاز ملا پیچ و تاب مین

پژمردہ ہو کے پھول گرا شاخ سے تو کیا
وہ موت ہے حسین جو آئے شباب مین

تیرے ایاغ حسن سے جو بچ رہی شراب
تلچھٹ اُسی کی ہے قدح آفتاب مین

ہنگامہ فراق مین تھی دل کی کیا بساط
اک آبلہ تھا پھوٹ گیا اضطراب مین

دل خون کیا ہوا کہ زمانہ بدل گیا
سو انقلاب ہو گئے ایک انقلاب مین

شیرازۂ حیات بکھر جائیگا اثر
پیمان گسل کو یاد نہ کر اضطراب مین

مرزا جعفر علیخان صاحب اثر لکھنوی

# سہرا

## بتقریب شادی سری نراین نگم خلف منشی دیا نراین نگم

### از حضرت نازش بدایونی

نظام فطرت کی زیب سہرہ بہار فطرت کی آب سہرا
چمن میں ہے انتخاب سہرہ گلوں میں ہے لاجواب سہرا

چنے ہوئے باغ کے یہ گل ہیں تو کیون نہ ہو شان دلفریبی
ہری ہری شاخ کی ہیں کلیان تو کیون نہ ہو لاجواب سہرا

بہار گلشن کی بن پڑی ہے ترانۂ دلکشا ہیں نغمے
ورق ورق گل کی پنکھڑی ہے فسانۂ لاجواب سہرا

تجلیاں ہیں کہ نور افشان بنی ہیں گیتی ضرور لڑیاں
جھلک میں ہے ماہتاب سہرا چمک میں ہے آفتاب سہرا

مراد کی بو ہے عطر آگیں رخ سعادت ہے نقش رنگین
مشام جان ہو جو زندگی میں دکھا رہا ہے وہ خواب سہرا

نسیم آئی ہے بن کے مالن کئے ہیں کچھ پھول زیب دامن
یہ آرزو ہے کہ بزم نوشہ میں ہو ابھی کامیاب سہرا

سپہر پائے وہ بے بہا تئے جسے کیا گم شعاع خور نے
بنے جو شیشہ کے آئینہ میں نمود گوہر کی تاب سہرا

صفائے رخ میں یہ کچھ لطافت خجل ہے آئینۂ سکندر
شبک تری میں یہ کچھ نزاکت بنا ہے رشکِ گلاب سہرا

چمن کو رنگینیاں مبارک صبا کو گلچینیاں مبارک
نشاط انگیز ہے دکھا کر ادائے حسن شباب سہرا

دیا نرائن تم مبارک تمہیں ہو لختِ جگر کی شادی
دعا کے آغوش میں اثر ہو اثر سے ہو کامیاب سہرا

دماغ تازہ ہے بوئے خوش سے چمن شگفتہ ہے رنگ و خوش سے
اُبل رہی ہے شراب رنگین حیا سے ہے آب آب سہرا

نوا میں انداز نو دکھائے یہیں سے نازش کو وجد آئے
جو محفلِ عیش میں سنائے وہ شاہدِ بے حجاب سہرا

نازش بدایونی

# فریبِ نظر

میں دیکھتا ہوں باغ میں پھولوں کا جب جمال
پھرتا ہے میرے دیدۂ دل میں ترا خیال
ہر گل میں حسن تیرا ضیا تیری خو تری
انداز تیرا رنگ ترا اور بو تری
رنگت تری جمال ترا دلبری تری
صورت تری ادا تری جلوہ گری تری

سب کچھ ہے آہ پھر بھی یہ دل مانتا نہیں
ان میں ترا سخن نہیں تیری صدا نہیں

جب دیکھتا ہوں سرِ لبِ جوئبار کو
لگتی ہے ایک ٹھیس دلِ بیقرار کو
ہو جاتا ہے گمان ترے قدِ بلند کا
بڑھتا ہی ملال دلِ دردمند کا

کہتا ہوں پھر یہ دل سے کہ اندوہگیں ہے کیوں
غافل وہی ہے گر تو خراماں نہیں ہے کیوں

اصغر حسین خاں نظر

# بزم سخن

## (انتخاب گلدستۂ معیار سخن بابتہ جولائی ۱۹۲۴ء)

### جناب کیفی کاکوری

قتل کا ارمان کیا کمبخت میرے دل مین تھا | جب سے مین پیدا ہوا تھا کوچۂ قاتل مین تھا
جلوۂ حسنِ صنم اللہ رے تیرا فروغ | شمع کا شعلہ بھی پروانہ تری محفل مین تھا
جان کر انجان بنجاؤ تو اس کا کیا جواب | ورنہ صورت سے عیان تھا جو دلِ سائل مین تھا

### جناب اختر از المنیر

غضب تھا طور پہ برقِ جمالِ یار کا گرنا | نکلتے ہین شرارے نور کے وادیِ ایمن سے

### جناب جلیس نذرآبادی

نہ وہ انداز پہلے سے نہ پہلی سی نظر اُن کی | الٰہی خیر ہو وہ اب نظر آتے ہین بدظن سے

### جناب منیر ناگپارڈہ

کہان بالغیر وہ روشن کہان بالذات نور اسمین | قمر کو کیسے نسبت دون تمھارے روئے روشن سے

### جناب نوح ناروی

جنون مین کس طرح لیجاؤن چن کر پھول گلشن سے | گریبان کے بھی ٹکڑے اب گرے پڑتے ہین دامن سے
بہارِ جلوۂ گل دیکھنے کو ہم ترستے ہین | وہ کیسا وقت تھا نکلے تھے جب اپنے نشیمن سے
وہ آکر دیکھ لین جن کو یقین [illegible] مرنے کا | مری بربادیان ہوتی ہین ظاہر میرے مدفن سے
بہارِ باغِ الفت کا مزا اک [illegible] نے لوٹا | گرہ [illegible] داغ گلشن سے

گرفتار قفس کو اے صبا بھولے نہین ابتک سلام شوق کہدینا مرے یاران گلشن سے

## جناب مولانا حسرت موہانی

جس فتنۂ دوراں کو ابھی آئے تھے کل دیکھ چلتے ہین یہ پھر تجھے ایدل وہین چل دیکھ

یہ بھی ہے کوئی بات کہ وعدے ہی کئے جا اور حال مرا آنکے دیکھ آج نہ کل دیکھ

دل کو مرے قابو مین بناکر وہ بصد ناز بولے کہ نہ دیوانہ بن اتنا بھی سنبھل دیکھ

اے وہ کہ تجھے شوق ہے تحسین سخن کا میرا جو کہا مان تو حسرت کی غزل دیکھ

## جناب حفیظ جونپوری مرحوم

عقل حیران ہے جنون فتنہ سامان دیکھکر ناخدا کے ہوش اُڑے ہین جوش طوفان دیکھکر

بے نیازی کیجئے بے التفاتی کیجیے میری حالت میری حسرت میرا ارمان دیکھکر

کثرت داغ جگر سے دل ہوا ہے باغ باغ آپ سے باہر ہوا خرمن کو دہقان دیکھکر

غور سے دیکھو تو اک تاریخ ہے ہر آدمی کیوں سبق لیتا نہین انسانکو انسان دیکھکر

## جناب دبیر

سرمگین چشم سے آئینہ نہ دیکھو۔ دیکھو یہ فسون وہ ہے فسونگر پہ بھی چل جاتا ہے

ابھی آغاز محبت ہے نہ گھبرا ناصح آدمی آپ ہی گر پڑکے سنبھل جاتا ہے

راز الفت جو چھپاؤں تو چھپاؤن کیونکر نالہ رکتا ہی نہین مُنہ سے نکل جاتا ہے

## جناب دل شاجہانپوری

وعدۂ دیدار محشر کی خوشی کیا خاک ہو یاس کہتی ہے کہ اس کو اک زمانہ چاہیئے

حُسن سرگرم تماشہ خود ہوا روز الست ناصح نادان کو وہ قصہ سنانا چاہیئے

دیر سے پھر کر حرم مین بھی رہے محروم دید اب کہان اے جستجوے یار جانا چاہیے

خاک ہو کر کوے جاناں مین مثال گردباد اے دل مضطر ہوا پر گھر بنانا چاہیے

ارے دل مہجور دفع غم کی صورت ہے یہی واقعات زندگی کو بھول جانا چاہیے

# علمی خبرین اور نوٹ

نہایت خوشی کی بات ہو کہ سر محمد اقبال صاحب کے اردو نظمون کا مجموعہ "بانگ درا" کے نام سے شایع ہو گیا ہے۔

---

حکیم سید شمس اللہ قادری صاحب چوتھی صدی کے مشہور اسلامی سیاح حکیم ناصر خسرو کے فارسی سفرنامے کو ایڈیٹ کر کے چھاپ رہے ہین اسکے ابتدا مین ایک عالمانہ دیباچہ لکھا ہے اور توضیح مطالب کے لیئے تاریخی جغرافیائی علمی حواشی بھی اضافہ کیئے ہین۔

---

منشی اقبال ورما صاحب سحر ہتگامی نے شیخ سعدیؒ کی کریما کا ہندی نظم مین ترجمہ کیا ہے۔ جو زیر طبع ہے۔

---

مسٹر حامد اللہ صاحب افسر کی نظمونکا مجموعہ "پیام روح" کے نام سے جلد شایع ہونیوالا ہے، اسمین جا بجا تصویرین بھی دی گئی ہین

---

افسوس کہ ۱۹ اگست سنہ ۱۹۲۴ء کو اردو کے ایک مشہور ادیب سید افتخار عالم صاحب مارہروی، نے اس دار فانی کو چھوڑ کر عالم جاودانی کیطرف رحلت فرمائی، ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کی سوانح عمری آپ کی مبسوط تصنیف ہے مرحوم امیر خسرو کی سوانح عمری (تاج خسروی) کی تالیف مین مصروف تھے، مگر اسکی تکمیل نہ ہو سکی اور پیام اجل آپہونچا۔

ڈاکٹر رابندرناتھ ٹیگور حال ہی مین چین کے سفر سے واپس آئے ہین - چینیون نے آپ کو چوچن ٹام کا لقب دیا ہے جسکا مفہوم چینی زبان مین "ہندوستان کا گرجنے والا مطلع ہے" چینی زبان مین لفظ چو کے معنی ہندوستان کے ہین -

---

خوشی کی بات ہو کہ گورنمنٹ نے ہندوستانی فوج کے لیے اُردو کو ایک "مشترکہ زبان" قرار دیا ہے - ہر ایک سپاہی کے لیے اسکی تعلیم لازمی ہوگئی ہے اب خواہ کوئی سپاہی بالکل ان پڑھ ہو یا اپنے صوبہ کی زبان مین نوشت خواند کی مہارت رکھتا ہو - مگر فوج مین داخل ہونے پر اول ہی روز سے اسکو اردو کی باقاعدہ تعلیم دیجائیگی اور اسکا سلسلہ اول درجہ مین اسکی تعلیم مکمل ہونے تک جاری رکھا جائیگا، اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ مختلف رجمنٹون کے سپاہی اپنی فوجی ضرورتون کے وقت ایک بیڑہ یا دستہ مین ملکر کام کر سکینگے - دیگر صوبون کی دیسی زبانون کی تعلیم کو صرف اسقدر دیجائیگی کہ وہ سادہ عبارت مین اپنے مکان کو خط لکھ سکین اور وہ اپنی مذہبی کتابین پڑھ سکین - مگر فوجی ضروریات کے لیے تحریر کیواسطے رومن رسم الخط تجویز کی گئی ہے -

---

امریکہ کا ایک دولتمند ڈاکٹر جسکا نام لزودن پنج ہے اسوقت انگلستان مین نادر کتابین جمع کر رہا ہے وہ کتابون پر نہایت بے تکلفی کیساتھ روپیہ خرچ کرتا ہی حتی کہ اگر کسی دن اوسکے ۱۰ ہزار پونڈ بھی صرف ہوجادین تومطلق کوئی پرواہ نہین کرتا - خیال ہے کہ امسال یورپ کے سفر مین کتابین خریدنے پر اوسکے تین یا چار لاکھ پونڈ صرف ہو جائینگے -

ایک چھوٹے سے انگریزی کتبخانہ مین ڈاکٹر لزودن پنج کو دس صفحہ کا ایک رسالہ - جو ۱۹۲۰ء کا لکھا ہوا تھا جسکو اسنے ۲۴ پونڈ دیکر خرید لیا - وہ کہتا ہی کہ دنیا مین اسکے صرف ۲ نسخے اور ہین ایک بوڈلیین لائبریری مین اور دوسرا برٹش میوزیم مین -

---

دیگر ممالک کی اولوالعزمی کا اندازہ اہل ہند کو مشکل سے ہوتا ہے - انجمن اشاعت توریت نے اکیس زبانون مین ۲۱ لاکھ نسخے طبع کرائے ہین -

---

اس نمبر مین ایک کارٹون ......
سوراج پارٹی کے متعلق ہمعصر پربھا کانپور سے ماخوذ ہی- اور باقی تین کارٹون یورپین سیاسیات کے متعلق ہین- دو کارٹون روس کے متعلق ہین انگلستان کے اہل دول ابھی تک روس کو "ہوّا" سمجھے ہوئے ہین اور اسکے نام سے بھاگتے ہین- تیسرے کارٹون مین وزیر اعظم میکڈانلڈ روسی وفد کے ساتھ معاہدہ روس و انگلستان کے متعلق باتین کرتے ہوئے دکھائے گئے ہین- معاہدہ پر اب جانبین کے دستخط ہو چکے ہیں- لیکن ابھی تک دلون کی صفائی پورے طور پر نہین ہوئی ہی اور انگریزی اخبارات مین روزمرہ روس کی ہجو چھپتی رہتی ہی- اور روس کے مدبر لب بھی اپنے ملک مین انگلستان کے خلاف زہر اُگلا کرتے ہین دیکھئے یہ افراط تفریط کب تک رہتی ہی- یہ کارٹون انگریزی صحائف سے ماخوذ ہین-

# زمانہ

جلد ۴۲ اکتوبر سنہ ۱۹۲۴ء نمبر ۴

# نارائن وامن تلک

غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود
ہرچہ رنگ تعلق پذیرد آزاد است (حافظ)

آج ہم اپنے ناظرین کرام کی خدمت مین ایک ایسے بزرگ کے حالات پیش کر رہے ہین جو ہندوستان مین عیسائی مذہب کے اُفق پر روشن ستارہ بنکر چمکا اور جو اپنی عملی زندگی سے اہل ہند کو خواہ وہ ہندو ہون یا مسلمان یا عیسائی، یہ بیش بہا سبق دیرہا ہے کہ کس طرح دلدادگان مذہب اپنے اصول و روایات پر سختی سے عمل کرتے ہوے بھی سچے دل سے قولاً و فعلاً ہند و اہل ہند کی حقیقی بہبودی کیلئے جانفروشی کر سکتے ہین۔

مسٹر نارائن وامن تلک مہاراشٹر کے چت پاون برہمنون مین سے ہین۔ یہ فرقہ ہندوستان کے بہت سے سپوتون کا جنم داتا ہے جسٹس مہادیو گوبند راناڈے۔ پنڈتا رامابائی۔ نہمیاہ گورے انریبل گوپال کرشن گوکھلے بزرگ قوم پنڈت بال گنگادھر تلک موجودہ مشہور ماڈریٹ مسٹر

NEHEMIA GOREH

جی ۔ کے ۔ دیو دھر موجودہ مشہور قوم پرست مسٹر این ۔ سی ۔ کیلکار آسی آسمان حیثت پاون برہمنان کے روشن ستارے ہین ۔

مسٹر نارائن کا جنم موضع کزرگانون تعلقہ (پرگنہ) داپولی ضلع رتناگری صوبہ بمبئی مین تقریباً ۱۸۶۲ عیسوی مین ہوا۔ موضع مذکور بمبئی کے جنوب ومشرق مین سو میل کے فاصلہ پر مغربی گھاٹ کے سلسلہ کوہستانی مین واقع ہے ۔ یہ مقام دلکش نیچرل سینریون اور جانفزا سبزہ زارون کیلئے مشہور ہے ۔ ان کے بچپن کا زمانہ اپنے ناناکے مکان پر جو اک درویش صفت بزرگ تھے گذرا جب یہ چھوٹے سے تھے تو انکے نانا انکو اپنے ہمراہ جنگل کو لیجاتے جہان وہ اپنا وقت عبادت الٰہی اور بھجن گانے مین صرف کرتے ۔ انکی والدہ ماجدہ کا نام جانکی بائی تھا ۔ یہ بھی مذہب کی دلدادہ روشن خیال اور شاعرہ تھین ۔ انکے والد بزرگوار وامن راؤ نہایت سخت مزاج اور تنہائی پسند تھے ۔ یہ سرکاری ملازم تھے اور انکے حلقہ مین متعدد دیہات تھے جنمین انکو باقاعدہ متواتر دورہ کرنا پڑتا تھا ۔ ان وجوہات سے انھون نے اپنی بیوی جانکی بائی اور اپنے بچے نارائن کو اپنے سسرال مین چھوڑ رکھا تھا ۔ انکے دو بھائی سکھارام اور مہا دیو تھے اور دو بہنین تھین ۔

دنیا کے اکثر بڑے آدمی دنیوی مصائب کا شکار رہے ہین ۔ مسٹر نارائن بھی اس عام اصول سے مستثنےٰ نہ رہے ۔ ابھی اُنکی عمر گیارہ سال کی تھی کہ انکی والدہ کا انتقال ہوگیا ۔ وامن راؤ چونکہ اعلیٰ پایہ کے جوتسی تھے اُنھون نے انکے زائچہ سے معلوم کرلیا تھا کہ یہ بچہ ترک مذہب اختیار کریگا اسلیے وہ نرائن سے محبت نکرتے تھے ۔ ادھر سے بھی نفی کا جواب نفی مین تھا ۔ جانکی بائی کی وفات کے بعد نارائن کو مکان سے وابستہ رکھنے کا کوئی ذریعہ نرہا اس اثنا مین نارائن کو مرہٹی زبان پر عبور حاصل ہوگیا تھا ۔ وہ پڑھنے کے اسقدر شوقین تھے کہ انکو کتابون کا کیڑا کہنا بیجا نہو گا ۔ مرہٹی زبان مین شعر کہنا شروع کردیا ۔ ان کی ابتدائی نظمین اسی زمانہ کی ہین ۔ جانکی بائی کی کریاکرم سے فارغ ہونیکے بعد یہ چپ چاپ ناسک چلے آئے اور وہان دریائے گوداوری کے کنارے بے یار ومددگار غم سے نڈھال ہوکر جا بیٹھے ۔ اب قدرت خدا کے کرشمے دیکھیے ۔ شخصے از غیب برون آید وکارے بکند کا معاملہ ہوتا ہے ۔ یہان دریا پر مایالے سے ملاقات ہوئی جو نارائن کے کے ہم عمر تھا اور دریا پر نہانے آیا تھا ۔ نارائن اور مایالے کی گفتگو ہونے لگی اور یہ اس کو

اپنے مکان پر گیا۔ ماپالے اپنی بیوہ والدہ جیسو بائی کا اکلوتا بیٹا تھا۔ جیسو بائی نہایت نیک مزاج غریب خاتون تھین۔ نارائن کے ساتھ وہ شفقت مادرانہ سے پیش آئین لیکن ان کا افلاس روپیہ پیسے سے مدد کرنے مین مانع تھا۔ اسلیے نارائن دن مین مزدوری کرکے اپنا پیٹ پالتا اور رات کو ایک مندر مین چراغ کی دُھندلی روشنی مین تحصیل علم کرتا۔ یہان ویدون کے مشہور عالم گنیش شاستری لیلے سے ملاقات ہوئی جنہون نے نارائن کی ذہانت وذکاوت سے متاثر ہوکر اسکو مُفت سنسکرت پڑھانا شروع کردیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نارائن سنسکرت کے فن تقریر کے امتحان مقابلہ مین جسکو مرحوم جسٹس راناڈے نے قائم کیا تھا اول نمبر رہا۔ نارائن کا باربار یہ کہنا کہ صرف اسکی والدہ جانکی بائی اور شاستری لیلے اوسکے دینوی گرو ہین اور اسکی جملہ روحانی ودنیوی ترقی کا راز ان دونون کی تعلیم مین مضمر ہے نہایت درست ہے ہمارے وہ ہندو احباب جو اپنے ویدون اور شاسترون کی تعلیم کو بھولکر اس شعر

اگر نیک بودے سرانجام زن　　زنان را مزن نام بودے نہ زن

کی تعلیم کے معتقد ہوگئے ہین۔ ذرا صنف نازک کی تقدیس کو مسٹر نارائن کے مندرجہ بالا اقبال اور شت پتھہ براہمن کے مقولہ "ماترو ان پترو ان اچاریہ وان پرشو وید،، (یعنی صرف وہی شخص عالم باعمل ہوتے ہین جنکی اول مان دوم باپ اور سوم گرو عالم باعمل ہون) پر غور کرکے تسلیم کرین اور دیکھین کہ وہ کہان سے کہان پہونچگئے ہین ہم عیسائی مشنری صاحبان کے مشکور ہین جنھون نے عورتون کے احترام کا سبق پڑھاکر ہمکو ہماری پُرانی ویدک تعلیم یاد دلادی۔ جسمین تمام طاقتون کا مالک صنف نازک کو مانا ہے نہ کہ مردون کو، مثلاً دیکھیے سرستی علم کی لکشمی دولت کی شکتی جنگ کی دیوی ہین۔ وغیرہ وغیرہ۔

ایک دوست کی ترغیب سے جو انگلش ہائی اسکول ناسک مین تعلیم پاتا تھا نارائن کو انگریزی سیکھنے کا شوق ہوا۔ اور اُسکے ایما سے انگریزی زبان کی لغت حفظ کرنا شروع کردی۔ جب نصف کے قریب حرف ایم M تک نوک زبان کرلی تو نارائن ایک دن ہیڈ ماسٹر اسکول کے پاس گیا تاکہ آیندہ کیلئے تحصیل زبان کیواسطے ہدایات حاصل کرے۔ جب ہیڈماسٹر کو معلوم ہوا کہ نارائن نے ڈکشنری حفظ کرنا شروع کردیا ہے تو، اس کی سادہ لوحی پر مُسکرایا اور استقلال سے نہایت

متحیر اور خوش ہوا۔ اور اسکو اسکول مین مفت تعلیم حاصل کرنیکے لیے داخل کرلیا۔ ابھی پانچوین درجہ کی تعلیم ختم نہونے پائی تھی کہ انکے والد وامن راؤ نے انکے بھائیون سکھارام اور بھادیو کو بھی بغرض تعلیم نارائن کے پاس بھیجدیا اور آٹھ روپیہ ماہوار دینے لگا۔ نارائن نے اپنے بھائیون کی تعلیم مین بڑی دلچسپی سے کام لیا مگر مالی دقتون کی وجہ سے اسکو اپنی تعلیم چھوڑنی پڑی بھادیو نے میٹرکولیشن تک تعلیم پائی لیکن سولہ سترہ سال کی عمر مین اس عالم فانی سے سدھار گیا۔ سکھارام نے بی۔اے پاس کیا اور وکیل ہائی کورٹ بنگیا۔ تقریباً ۱۸۸۰ء مین نارائن کی شادی منو بائی کے ساتھ جو خاندان گوکھلے سے تھی ہوگئی۔ یہ نارائن کی خوش قسمتی تھی کہ اسکو بیوی بھی شاعرہ ملی۔ باوجود اس تمام مصروفیت کے نارائن نے سلسلۂ تعلیم جاری رکھا۔ فن تقریر سے قدرتی شوق تھا اوس نے برک۔ پٹ اور ڈیموستھینز کی تقاریر کے انگریزی تراجم حفظ کرلیے۔ سنسکرت۔ مرہٹی اور انگریزی کا شوق بدرجہ عشق تھا سنسکرت زبان مین بھی کچھ نظمین کہین لیکن زیادہ شوق نہونیکی وجہ سے کچھ عرصہ بعد ترک کردیا۔ البتہ مرہٹی اور انگریزی زبانون مین مشق سخن کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

۱۸۸۸ء مین نارائن کا لڑکا وریادھر پیدا ہوا لیکن یہ ایک سال کی عمر مین مرگیا۔ اس موقعہ پر نارائن نے ایک نظم موسومہ "اشک پدری" لکھی۔ بعد مین ایک لڑکی پیدا ہوئی وہ بھی مرگئی ۱۸۹۱ء مین دوسرا لڑکا دتاتریہ نامی پیدا ہوا اور یہ زندہ رہا۔ اسی زمانہ مین اپا صاحب بوٹی نے جو ناگپور کے علم دوست رئیس تھے سنسکرت کی کتابون کا مرہٹی زبان مین ترجمہ کرنیکا اہتمام کیا اور اس کار عظیم مین نارائن سے طالب امداد ہوا۔ ترجمہ کا کام شروع ہوگیا۔ ایک رسالہ موسومہ رشی جاری کردیا گیا۔ ناگپور مین اسوقت مذہبی مباحثون کا بازار گرم تھا نارائن نے اسمین حصہ لیا اور خراج تحسین مین شاستری پنڈتون سے پنڈت کا خطاب حاصل کیا رسالہ رشی مین مذہبی اور فلسفیانہ مضامین پر مباحثے ہوتے تھے۔ نارائن کی آزادانہ روش بغیر رنگ لائے نہ رہی اور بہت سے مسائل مین وہ موجودہ برہمنون سے مختلف الرائے ہوگیا چندماہ کے اجرا کے بعد رسالہ رشی بند ہوگیا اور نارائن نے بھی جس نے ذات پات کی تفرلق

کے خلاف صداے احتجاج بلند کی تھی ناگپور چھوڑ دیا۔ اور مثل سادھو کے جا بجا اپنے خیالات کی اشاعت کرتا پھرا۔ نارائن کا یہ خیال تھا کہ جبتک مراسم قبیحہ و بدعات ذمیمہ کا جنہون نے ہندو قوم کو بدست و پا کرکے جان بلب کر رکھا ہے بالکل قلع و قمع نکردیا جائیگا ہندو قوم اپنی گذشتہ عظمت کو حاصل نہین کر سکتی۔ نارائن کی تمام تعلیم کا لب لباب یہ تھا۔

(۱) تمام دنیا کی خالق اک ہی شکتی ہے جسکے تمام انسان بچے ہین

(۲) تمام کتب مقدسہ وسماوی خواہ وہ کسی مذہب کی کیون نہون انسانی تصنیفات ہین صحیفہ قدرت ہی محض وہ کتاب ہے جہان خدا اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے۔

(۳) تناسخ کوئی چیز نہین۔ انسان کی موجودہ حالت اسکی پیدائش گردوپیش کے حالات اور اسکی ذاتی کوششوں کا نتیجہ ہین۔

(۴) خدا اور بنی نوع انسان سے محبت کرنا ہی سچا یہ مذاہب کی تعلیم کا خلاصہ ہے۔

(۵) ہر سچے مذہب کا یہ فرض اولین ہے کہ بُت پرستی کا خاتمہ کردے مگر محبت سچائی رحم وغیرہ صفات کی انسانی مورتیان قائم کیجا سکتی ہین اور انکی پرستش کیجا سکتی ہے۔

نارائن کا خیال تھا کہ کوئی مذہبی پرچارک اپنے خیالات کی اشاعت مین کامیاب نہین ہو سکتا جبتک کہ وہ یوگ نہ کرے۔ اس خیال کو مد نظر رکھ کر اس نے دو سال تک سخت ریاضت کی۔ جب لوگون کو اس کا حال معلوم ہوا تو دنیوی اغراض کے اندھے جوق درجوق اسکے پاس آنے لگے۔ اور اپنی حاجات برآری ہوتی دیکھ کر عقیدتمندانہ پرستش کرنے لگے۔ لیکن اس سے نارائن کی طبیعت بیزار ہوگئی۔ اسکو تجربہ سے معلوم ہوا کہ دنیا دار اس کی نئی تعلیم کو قبول نہین کرتے محض اپنی دنیاوی اغراض کی تکمیل کے لیے اسکے پاس آتے ہین۔

۱۸۹۲ء مین راجہ ریاست راج نندگانون کی طلبی پر جو ناگپور سے ایک سو ستر میل کے فاصلہ پر ہے۔ نارائن وہان گئے۔ راستہ مین ایک یوروپین عیسائی مشنری سے اُنکی ملاقات ہوگئی۔ مذہب پر گفتگو ہونا قدرتی بات تھی۔ انکی آزاد خیالی کو دیکھ کر انہون نے مقدس انجیل انکو پڑھنے کے لیے عطا کی۔ جسکو راج نندگانون پہونچکر نارائن سے غور سے پڑھنا شروع کردیا

اسکے متعلق ناراین نے لکھا ہے،

"میں نے حسب عادت کتاب (انجیل مقدس) پڑھنا شروع کردی اور جا بجا پنسل سے نشانات بناتا چلا گیا۔ لیکن جب میں (پہاڑی کے وعظ) پر پہونچا تو میں اس محبت مروت اور سچائی سے بھرے ہوئے کلام کو پڑھ کر اپنے آپ کو ضبط نکر سکا۔ ان تین بیانوں میں ہندو فلسفہ کے دقیق ترین مسائل کا حل تھا۔ مجھ کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ کسقدر مکمل طور پر سخت ترین مسائل حل کردیے گئے تھے۔ میں نے نہایت ذوق و شوق سے انجیل مقدس کو آخری صفحہ تک پڑھا۔"

اسکے بعد نارائن نے عیسائی مذہب کے متعلق دیگر کتب و رسائل دیکھے رفتہ رفتہ مذہب کی محبت اور اُسکی عزت انکے لوح دل پر نقش ہوتی چلی گئی۔ اور ۱۰ فروری ۱۸۹۵ء کو بمبئی جا کر وہ عیسائی ہوگئے۔ تبدیلیٔ مذہب کی بدولت ملازمت و احباب و رشتہ داروں سے تمام تعلقات منقطع ہوگئے۔ اب نارائن امریکن مرہٹی مشن میں اشاعت مذہب کا کام کرتے تھے۔ کچھ عرصہ تک بعض متعصب اہل ہنود انکو ہر قسم کا نقصان پہونچانیکے درپے رہے، ایک مرتبہ کسی مہربان نے زہر آلودہ مٹھائی کا پارسل انکے پاس بھیجدیا لیکن کچھ ایسے اتفاقات پیش آئے جسکی وجہ سے یہ اسکو اس وقت نہ کھا سکے اور کہیں باہر چلے گئے واپسی پر دیکھا کہ ایک بلی جس نے وہ مٹھائی کھائی تھی مسموم ہوکر مرگئی ہے۔

لیکن تبدیلیٔ مذہب نے نارائن کو غیر ہندوستانی نہ بنایا۔ انکے دل میں سنسکرت و مرہٹی لٹریچر اور اہل ہنود کے مذہبی بزرگوں و فقرا کی وہی تعظیم و تکریم تھی جو عیسائی ہونیکے قبل تھی۔ بیوی مانوبائی (جنکا دوسرا نام لکشمی بائی بھی تھا) اور بچہ کی محبت نارائن کو بہت ستاتی تھی۔ جب ہندوؤں نے یہ دیکھا کہ مذہب کا تبادلہ محض خیالات کی تبدیلی کا نتیجہ تھا۔ اس سے ہندو مذہب سے دشمنی یا پرانے دوست و رشتہ داروں کی تحقیر مدنظر نہ تھی تو اُنھوں نے نارائن کو واپس لینے کی سرتوڑ کوشش کی۔ آنجہانی بزرگ وطن پنڈت بال گنگادھر تلک نے بنارس اور مہاراشٹر کے پنڈتوں کی بیوستھا (مذہبی فتویٰ) نارائن کو شدھ کرکے ہندو مذہب میں واپس لینے کے لیے منگائی لیکن عیسائی مذہب کی عظمت اُنکے دل پر نقش ہوچکی تھی۔

نارائن سچے دل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا گرو تسلیم کر چکے تھے اور مثل ایک سچے ہندو کے اپنے مذہبی اعتقاد کے لیے سب کچھ قربان کر چکے تھے وہ باوجود بیوی اور بچہ کی سخت محبت کے عیسائی مذہب کے ترک کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔

جسقدر نارائن کو اپنی بیوی لکشمی بائی عرف مانو بائی سے محبت تھی اُسی قدر وہ بھی اپنے خاوند کی دلدادہ تھی۔ عیسائی مشنریون نے بارہا نارائن پر زور دیا کہ وہ اپنے بچے کو بیوی کے پاس سے لے آئے لیکن اس خداترس نیکدل شخص نے بیوی اور بچہ کی یاد مین خود تو مصیبتین اُٹھانا برداشت کیا لیکن بچہ کو ماں سے جدا نہ کیا۔ آخر جامع المتفرقین نے ان کی مشکلات کو آسان کیا اور ۱۹۰۰ء مین پانچ سال کے بعد جب لکشمی بائی نے اپنی مرضی سے عیسائی ہونا منظور کر لیا اور بچہ کا مذہب تبدیل کر دیا گیا اور یہ سب ایک جگہ عیش و اطمینان سے رہنے لگے۔

اکیس سال تک نارائن کا تعلق امریکن مرہٹی مشن سے رہا۔ یہ مشن ۱۸۱۳ء مین قایم ہوا اور اسکی شاخون کا جال تمام مہاراشٹر مین پھیلا ہوا ہے۔ مغربی ہند مین یہ سب سے بڑا مشنری نظام ہے۔ احمدنگر اسکا مرکز ہے اور اشاعت مذہب کی سہولیت کو مدنظر رکھتے ہوے تمام علاقہ کو مختلف اضلاع مین تقسیم کر دیا گیا ہے ان مین سے ایک ضلع راہوری ہے۔ نارائن کا قیام زیادہ تر احمدنگر یا راہوری مین رہتا تھا۔

راہوری مین نارائن نے اپنا ذاتی مکان بنا لیا اور اسکا نام کرایسٹ سدن رکھا جہان ہر غریب بیکس و طالب امداد اور متلاشی حق انتہائی آزادی اور سہولیت کے ساتھ رہ سکتا تھا۔ اسکا مکان خانۂ شعرا تھا خود شاعر۔ بیوی شاعرہ اور بچون مین بھی شعرگوئی کا مادّہ تھا۔ مہاراشٹر کا مشہور شاعر تریامبک تھومرے جو بال کوی کے نام سے مشہور ہے کئی سال تک یہان نارائن کے پاس رہا اور دونون لطف سخن سے بہرہ اندوز ہوتے رہے۔

مرہٹی زبان سے نارائن کو بدرجہ کمال محبت تھی نظم و نثر دونون لکھتے تھے ان کا تمام وقت ادبی خدمات یا تبلیغ مذہب مین صرف ہوتا تھا۔ اور ان مین نئے نئے جدت طبع کے جوہر دکھاتے تھے۔ اوّل ہم ان کی ادبی خدمات کا ذکر کرتے ہین۔ احمدنگر مین مشن کے زیر نگرانی ایک مذہبی کلب موسومہ تھیولوجیکل سیمینری تھا جسکے ذریعہ سے عیسائی مذہب کے پرچارک و مناظرہ کرنیوالے تیار کیے جاتے تھے۔ یہان مسٹر نارائن باقاعدہ ہندو و دیگر غیر عیسائی مذاہب سنسکرت فلاسفی۔ مرہٹی و سنسکرت ادبیات

شریمد بھگوت گیتا۔ تفسیر گیتا مصنفہ شری سوامی سنکراچاریہ پر باقاعدہ مسلسل لیکچر دیا کرتے تھے۔ اور اپنے لیکچرون سے ہندی عیسائیون کے دلون مین مرہٹی علم ادب و سنسکرت فلسفۂ ادب کی تکریم اور دیش بھگتی کے آگ روشن کرتے تھے اور فنون لطیفہ مثلاً ڈرامانویسی۔ نقاشی۔ مرہٹی ادب ڈرائنگ وغیرہ کی طرف لوگون کو شوق دلاتے تھے۔

میدان نظم مین آپ کم وبیش تیس ۳۰ کتابون کے مصنف ہین جو آپ کی انگریزی و مرہٹی تصنیفات پر مشتمل ہین۔ انکے علاوہ آپ نے دو ڈرامے مرہٹی زبان مین سلم پر تماہو شتم اور گئورکشنا لکھے ہین جنمین سے ڈراما گئورکشنا ابتک ناگپور مین وسلم پر تماہو شتم ہائی اسکولون مین کھیلے جاتے ہین۔ آپ کی نثر نویسی کی قابلیت کا اظہار اس امر سے ہوسکتا ہے کہ آپ متعدد کرسچین انگریزی و مرہٹی رسائل کے نامہ نگار اور مدیر رہے ہین۔ دین اودے۔ کرسچین سٹی زن Christian Citizen کرسٹی (Christi) بال بودھ۔ منورنجن رشی وغیرہ متعدد رسائل کو آپ کے زیر ادارت رہنے کا فخر حاصل ہے ان خدمات کے صلہ مین آپ مئی ۱۹۱۵ء مین ناٹیہ سمیلن کے پریسیڈنٹ منتخب ہوئے۔ جو مہاراشٹر مین ادبی خدمات کا بہترین صلہ و اعزاز ہے۔ آپ ساردا پریشد منڈل کے سکریٹری اور روح رواں تھے۔ منڈل مذکور موجودہ مرہٹی علم ادب کا جنم داتا ہے اور اسلیے آپ کو موجودہ مرہٹی لٹریچر کا ممتاز درجہ دیا جاتا ہے۔

ہندوستان کا کرسچین طبقہ نارائن کو نہایت عقیدتمندی واحترام سے یاد کرتا ہے۔ آپ کا خیال تھا کہ اہل ہنود اور ہندو تہذیب پر نکتہ چینی کرنے سے پیشتر معترضین کا یہ فرض اولین ہے کہ وہ ہندو ادبیات اور فن موسیقی سے بخوبی واقفیت حاصل کرین۔ ہندوٗن کی جملہ لٹریچر و راگ ودیا پریم بھگتی کے جذبات سے بھرپور ہین جنکے بغیر روحانی ترقی ناممکن ہے۔ اس روحانی ذخیرہ پر ہندو اہل ہند جسقدر بھی فخر کرین بجا ہے۔ باوجود عیسائی ہوجانے کے نارائن کو سوامی تکارام کے ابھنگون (روحانی نغمون) اور ایکناتھ اور گرو رامداس کی تصانیف مین اسیقدر لطف آتا تھا جسقدر کہ انجیل مقدس مین۔ چنانچہ دیسی عیسائیون کی روحانی ترقی کے لیے۔ آپ نے مرہٹی زبان مین سوامی تکارام کے ابھنگون کی تقلید مین عیسائی مذہب کی ابھنگا نجلی نظم مین تصنیف فرمائی دوسری کتاب

کرسٹیان[1] رامائن کے طرز پر تصنیف کرنا شروع کی مگر وہ ختم نہوسکی متعدد بھجنوں کی کتابین جنکو بھجن سنگرہ کہتے ہین لکھین۔ عبادت کے وقت کیرتن کا رواج دیا۔ عیسائیون کو ہندو مہاتماؤن کے کلامون کے پڑھنے کی ترغیب دی جس سے انکے دلون مین بھگتی و پریم کے جذبات اور بھارت ورش کی اصلی تہذیب اور لٹریچر پر فخر کرنے کے خیالات پیدا ہوسکین تاکہ ہندوؤن عیسائیون مین جو باہمی مذہبی منافرت کی دیوار پیدا ہوتی جاتی ہے۔ جو اتحاد ملکی مین بھی رخنہ زن ہوسکتی ہے۔ دور ہو جائے اور ایک دوسرے کے مذہب کو رواداری اور احترام کی نظر سے دیکھ سکین۔ اور ہندوستان کی متفقہ قوم بنانے مین مدد دے سکین۔

ہمارے مسلم لیڈرون کو نارائن کے مندرجۂ بالا خیالات سے سبق حاصل کرنا چاہیے اور اہل اسلام کو ہندوؤن کے خلاف مذہبی اشتعال دلانے کے بجائے ہندو مذہب کی خوبیون کو ان کے دلون پر منقش کرنا چاہیے تاکہ اہل اسلام ہندو باشندگان وطن کو کفاران عرب کے دوش بدوش خیال کرنا چھوڑ دین۔ اور حقیقی معنون مین ہندوستان پرست بن جائین۔ جس سے ہندو مسلم اتحاد مستقل طور پر قایم اور حصول سوراج ممکن ہوسکے۔ جب تک ہند کے مختلف مذاہب کے پیروان کے دلون پر دیگر مذاہب کی خوبیان منقش نہ کی جائین گی آئے دن کے مذہبی فسادات ہوتے رہین گے۔ اور مذہبی رواداری مفقود۔ ہندو مسلم اتحاد ناممکن الحصول اور حصول سوراج کا خیال محض ایک دل خوش کن افسانہ بنا رہے گا۔

کچھ عرصہ کے بعد نارائن نے مشن کی ملازمت ترک کردی اور مفت پرچار کا کام کرنا شروع کردیا۔ ایک جماعت موسومہ والنٹیر کرسچین سروس قائم کی جسکے ممبران مذہبی پرچار کا کام مفت انجام دیتے تھے۔ دیسی عیسائیون کو آپنے بتلایا کہ مذہبی پرچار اور روحانی کام کے لیے غیر ہندوستانی لوگون کا مالی طور پر محتاج رہنا بعید از دانشمندی ہے۔ دیسی عیسائیونکو چاہیئے کہ انڈین کرسچین سروس کو اہل یورپ و امریکہ کی غلامی سے جو بوجہ مالی امداد کے ہے آزاد کرائین اور ہندوستانی قومی جذبات وخیالات کو قائم رکھتے ہوے اور ہند و اہل ہند سے سچا پریم کرتے ہوے عیسائی مذہب کا پرچار کرین۔ عیسائی مت کے خیالات وجذبات کو جذب کرین لیکن

[1] Christayan

اپنی قومی ہستی خودداری خود اعتمادی وتفاخر کے خیالات کو فنا ہونے دین اور مغربی طرز معاشرت وتہذیب کے غلام نہ بنین۔

نارائن نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ مہاتما گاندھی کے کھدر پرچار کے بہت پہلے سے آپ ہاتھ کا بُنا ہوا اور ہاتھ کا کتا ہوا کھدر استعمال کرتے تھے۔ ہندوا ور اہل ہند کی سچی محبت دلمین موجود تھی فخر قوم آنجہانی مسٹر تلک کے خاص دوستون مین تھے۔ مرحوم نے جب اپنی مشہور عالم کتاب گیتارہسیہ تصنیف فرمائی تو اسکی ایک جلد نارائن کو بھی نذر کی۔ آپ مہاتما گاندھی کے بڑے مدّاح تھے لیکن ہند کی اخلاقی تنزل کو مدنظر رکھتے ہوے آپ کو ستیاگرہ کی کامیابی مین شک تھا۔ آخر مین آپ نے اہل ہنود کی تقلید مین اور عیسائی مذہب کی روایات کے خلاف سنیاس دھارن کرلیا۔ اور باوجود سخت مالی دقتوں کے عزیز سے عزیز کے سامنے دست سوال دراز نہ کیا۔ آپ کو سینٹ پال سے خاص عقیدت تھی اور حضرت عیسیٰ کو اپنا مذہبی پیشوا اور گرو سمجھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کو عالم مراقبہ مین حضرت عیسیٰ کے درشن بھی ہوئے۔ گوشت وشراب قطعی استعمال نکرتے تھے۔ زمانہ سابق کے ہندوستانیون کیطرح اپنا وقت توشت وخواند درس وتدریس اور عبادت آلٰہی مین صرف کرتے تھے۔ عدم تشدد کے آپ زبردست حامی اور عامل تھے۔ اس کے متعلق یہان پر صرف ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔ ایک دن آپ کی چھوٹی بچی بازار مین سے کسی سبزی فروش کی دوکان سے ایک ادرک کا ٹکڑا اُٹھالائی اور اسکو والدین کو دکھلایا اسکو یہ ذرا بھی خیال نہ تھا کہ اُسکا یہ فعل چوری کی حد تک پہونچتا ہے نارائن اسکو اپنے کمرہ مین لے گئے اور یہ کہکر کہ تمھارا اورک کا اُٹھالانا صرف ہماری ناقص تعلیم کا نتیجہ ہے اپنے آپ کو بید سے پیٹنا شروع کردیا۔ اِس عجیب وغریب سزا کا یہ اثر ہوا کہ لڑکی عمر بھر کے لیے تائب ہوگئی اور پھر وہ اخلاقی یا اور کسی قسم کے جرم یا گناہ کے مرتکب ہونے کی تمام عمر جراءت نہ کرسکی یہ ہے حضرت عیسیٰ کی تعلیم اور عدم تشدد کا سچا نمونہ۔

نارائن ابتدا ہی سے ذات پات کی تفریق اور چھوت چھات کے سخت خلاف تھے۔ گرے ہوؤن کو اُٹھانا مصیبت زدون کی مدد کرنا اور جاہلون کو تعلیم دینا انسانی فرائض مین داخل سمجھتے

تھے۔ صوبجات بمبئی و مدراس کے ہندو قوم کے مذہبی رہنماؤن یعنی براہمنون کے غیر براہمنو ن
اور اچھوتون کے ساتھ ناانصفانہ وظالمانہ سلوک نے آپ کو مروجہ ہندو مذہب سے متنفر کر دیا تھا۔
چونکہ ہندو رہتے ہوئے آپ اچھوتون کا اُپکار نہین کر سکتے تھے۔ آپ عیسائی ہو گئے۔ اسطرح ہندؤن
کی تنگ خیالی اور ویدون و دیگر مذہبی کتب کی تاویلات کی بدولت نارائن اور پنڈتہ راما بائی جیسے
قابل رتن ہندو قوم کے ہاتھ سے نکل گئے۔ ایشور کا شکر ہے کہ سوامی دیانند کی تعلیم کی بدولت ہندؤن
نے اپنے فرائض کو پہچاننا شروع کر دیا ہے۔ اور اچھوت اودہار کیطرف قوم مائل ہو رہی ہے۔ جنوری
۱۹۱۹ء مین نارائن بیمار ہو گئے۔ جب مہاتما گاندھی نے اپنی تحریکات کی ابتدائی تو آپ صاحب فراش
ہو گئے تھے۔ اور قبل اسکے کہ اہل ملک نے مہاتما جی کے ارشادات پر عمل کرنا شروع کیا آپ ۹ مئی
۱۹۱۹ء کو رہگزائے عالم جاودانی ہو گئے۔

آخر مین ہم نارائن کے کلام کا کچھ نمونہ پیش کرتے ہین تاکہ ناظرین کو آپ کے خیالات و جذبات
مذہب و وطن پرستی کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ آپکا دل بچون۔ پھول اور روشنی کی الفت سے معمور رہتا لہذا
آپکی نظمین بھی زیادہ تر بچون پھولون یا مذہبی رنگ مین ڈوبی ہوئی ہین۔ آخری قسم مین وہ تمام نظمین جو آپنے
ہندوستانی حرچ مشن کریفارم اور روحانیت کے جذبات سے پر ہو کر لکھی ہین اختصار کو مد نظر رکھکر ہم انکا حتی الامکان اردو ترجمہ کرینگے

(۱) نظم موسومہ جنگل کا پھول[1] مین فرماتے ہین

"اے پھول تجھ سے زیادہ کسی شاعر کے ذہن الہامی کیفیت پیدا کرنیوالی کوئی دوسری
چیز تمام دنیا مین نہین ہے۔ اور اے پیارے پھول جسقدر نظمین مین نے تیری تعریف مین لکھی
ہین کسی دوسری مخلوق کی تعریف مین نہین لکھین۔

(۲) نظم موسومہ اے میری لڑکی مین لکھا ہے:۔

"اے لڑکی تو میرے لیے اک چھوٹا خوبصورت پھول ہے رات کا روشن و خوشنما ستارہ ہے
میرے سر پر اک بہشت بہا جواہر ہے۔ اک چھوٹا پرند ہے۔ نہین نہین تیری شان کی بابت کچھ
نہین کہا جا سکتا وہ ان سب سے کہین زیادہ ہے۔

(۳) نظم موسومہ امریکہ کی لڑکی[2] کا اختتام اسطرح کرتے ہین۔

---

[2] American Girl [1] Flower of the Forest.

”وہ صبح کی روشنی کے مانند ہے جو روئے زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک خندان خندان چلی جاتی ہے یا خواب شیرین ہے جو کبھی شاعر کے دل کو خوشی سے معمور کرتا ہے یا مجسم سادگی ہے یا خوبصورتی کا اوتار ہے جو کہ آج ہی بہشت برین سے ہماری دنیا کو زینت دینے کے لیے اُتر آئی ہے“۔

ہندوستانی کرسچین مشن کا شد ہار۔ ہیمین خودداری اور خود اعتمادی کی روح پھونکنا اور اُسکو غیر ملکی مشنریون کی مالی اور علمی غلامی سے نجات دلانا نارلین کی زندگی کا نصب العین تھا آپ کا مندرجہ ذیل کلام اس تحقیر آمیز سلوک کا جو غیر ہندوستانی مشنری ہندی مشنریون کے ساتھ روا رکھتے ہین اور اُن طریقون کی جن سے کہ اول الذکر آخر الذکر کے دلون سے قومی جذبات کو نیست و نابود کرنا اور انکو ظاہری اور باطنی طور پر غیر ملکی جذبات کا شکار اور غلام بنانا چاہتے ہین جیتی جاگتی تصویر ہے آپ کا خیال تھا کہ انڈین چرچ مشن کی بہبودی کے واسطے غیر ملکی اور ملکی مشنریون مین باپ اور بیٹے (یعنی حاکم و محکوم) کا تعلق نہین رہنا چاہیئے بلکہ بھائی بھائی (مساوی) کا درجہ ہونا چاہیئے۔

شکر کا مقام ہے کہ نارلین کی تعلیم پر عمل پیرا ہوکر ہندوستانی کرسچین انڈین کرسچین سردس کو غیر ملکی مالی امداد و نظامی غلامی سے آزاد کرانے کی کوشش کر رہے ہین۔

تم نے (ہندوستان مین) غلام مشنریون کی سلطنت قائم کی ہے اس کا نام خدا کی سلطنت نہ رکھو۔ ہم مثل کٹھ پتلیون کے ناچتے ہین اور دھاگہ تمہارے ہاتھ مین ہے۔ یہ مضحکہ خیز حالات کبتک قائم رہ سکتے ہین“

”اُن تمام آدمیون کو جنکو بھارت ورش پسند نہین کرتا ہے اپنا بندھنا بوریہ باندھکر فوراً ملک سے چلدینا چاہیئے۔ یہ خیال نہکرو کہ روپیہ اور حکومت ہم کو بچا سکتے ہین۔ یہ محض باطل اور لغو خیالات ہین ہمکو باپ اور دیوتا نہین چاہیئے والون کی ضرورت نہین ہے۔

آؤ تاکہ ہم آپسمین بھائی بھائی کا رشتہ قائم کرین۔ نو تلک (نارلین کا تخلص ہے) کہتا ہے کہ زمانہ گذشتہ کو بھول جاؤ اور دیو قد مین نئے خیالات اور جذبات سے آراستہ ہوکر کام کرو“۔ (ابھنگا نجلی ابھنگ نمبر ۱۹۰ و ۹۴)

پھر ابھنگا نجلی مین ابھنگ ۱۶۵ مین رقم فرماتے ہین۔

"ہندوستان کو بچون کا کھیل تصور نہ کرو اور نہ اسکو کسی مسخرے کی رکیک حرکات خیال کرو۔ یہ اُن زبردست ہادیان مذہب کا جنم داتا ہی جنکے نام سے دنیا کانپتی ہے، یہاں بڑے بڑے رشی اور مہرشی پیدا ہوئے ہین جو یوگیشور تھے اور جنکے الوندہ ہدایات سے اہل عالم آجتک مستفیض ہورہے ہین۔ یہان اُن پوتر ہستیون نے جنم لیاہے جنکا قول اُنکی جان کیساتھ تھا اور جو بات کیواسطے ہر چیز کو قربان کرسکتے تھے۔ اور جن کا گھر تمام دنیا تھی۔ ہان ہان اس ملک مین وہ رشی راج پیدا ہوئے ہین جنکی فیضان تعلیم سے آجتک لوگون کے کاشانۂ دل منور ہین۔ تمکو اس مُلک مین (عیسائی مذہب کیساتھ ساتھ) غیر ملکی جذبات ورسوم ورواجات کی اشاعت سے کیا ملے گا؟ تمہاری تمام کامیابی بالآخر خاک مین ملجائیگی، اور بدنامی کا طوق تمہاری گردن مین ہوگا۔

نظم موسومہ سوشیلا مین ظاہری اور باطنی خوبصورتی کا موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہین،

"ظاہرا خوبصورتی اور عالم جوانی سے خواہشات نفسانی کو حظ حاصل ہوتا ہے لیکن اصلی محبت کا مرجع یہ چیزین نہین ہین۔ مین گو ہر شاہوار کا طلبگار ہون مجھکو صدف درکار نہین مین تیری صورت کا شیدائی نہین تیرے دل کا خواہشمند ہون۔ خواہ وہ ساغر زرین مین ہو یا مٹی کے ٹھیکرے مین مین بادۂ محبت سے سرشار ہوجاتا ہون اور مجھ پر اس سے ایک وجدانی کیفیت طاری ہوجاتی ہے،،

اُپاسنا سنگیت نمبر ۲۵ مین عبادت کی بابت مرقوم ہے۔

"عبادت صادق جو نیازمندانہ عقیدت کے ساتھ ہوتی ہے بہشت برین کا دروازہ کھولدیتی ہے" کسی اردو شاعر نے کہاہے۔ ؎

خضر طلب نے جوش مین خود کو مٹا دیا + ہمین تلب کے تشیب مین راہین ثواب کی

کتاب کرشایان مین بھگتی کی تعریف مین یون نغمہ زن ہین:۔

"بارہا یہ میرے تجربہ مین آیاہے کہ بھگت کو پرماتما کے پیچھے دوڑنا نہین پڑتا بلکہ خود پرمیشور کو اپنے بھگت کی محبت اور سیوا مین اُسکے پیچھے پیچھے دوڑنا پڑتا ہے،،

نارائن کا مندرجہ بالا عقیدہ ہندو فلسفہ و تعلیم "بھگت کے بس مین ہین بھگوان" کا صریح نتیجہ ہے۔

جب انسان ایشور کے پریم مین غرق ہو جاتا ہے دوئی مٹنے لگتی ہے اوسوقت کے جذبات کی تصویر یا سانسگیت مین اسطرح کھینچتے ہین۔

"جسطرح چاند اور اُسکی کرنین ایک ہین اسیطرح اے پرمیشور مین تجھ سے واصل ہونا چاہتا ہون یہی میری پرلرتھنا ہے اور یہی مین تجھ سے بطور خیرات کے مانگتا ہون۔

جسطرح بیوی کا دِل خاوند کی محبت سے معمور ہوتا ہی۔ جس طرح جوش محبت سے دوڑکر بیٹی مان سے چمٹ جاتی ہے یا بہن بہن سے گلے ملتی ہے اسی طرح میرا دل تیری محبت مین محو ہے۔

جسطرح الفاظ اور انکے معانی بظاہر دو مختلف چیزین ہوتے ہوئے باطناً ایک ہی ہین اور دونون ملکر ایک ہی غرض (غایت) کو پورا کرتے ہین اسیطرح اے بحرابدی مین اور تو ملکر ایک ہو جائین اور میری زبان سے تیرے احکامات جاری ہون۔

اے نور حقیقی مین اپنے صاف و شفاف آئینہ دل مین ہمیشہ تیرے جمال ازلی کا شاہد رہون۔ اور میرا دماغ۔ میری گویائی اور میری زندگی تیری حقیقتون کا مظہر بنجائین۔

پریم اور نجات کے نازک تعلقات پر نظم موسومہ "جنگل کا پھول" مین روشنی ڈالتے ہوئے اسطرح دُرفشان ہین۔

"پریم ہی دنیوی خوشیون کا منبع ہے۔ پریم ہی نجات یعنی موکش ہے پریم ہی بہشت برین ہے۔ اور خود خدا پریم ہے۔" فقط

ہری کشن (بلند شہر)

# ورسیلیز کا عہدنامہ

(۱)

جنگ یورپ کو ختم ہوئے چار سال ہو چکے ہین لیکن ابھی تک یورپ کے سیاسی مطلع سے لڑائی کے بادل دور نہین ہوئے۔ روس کی حکومت ابھی تک باقاعدہ طور پر تسلیم نہین کی گئی ہے۔ جرمنی ابھی تک انجمن الاقوام کے دائرہ سے باہر ہے۔ فرانس شکست یافتہ جرمن کو ابھی تک اپنا دشمن سمجھ رہا ہے۔ آسٹریا قومی ذمہ داریون سے باہر نکلنے کا راستہ ڈھونڈھ رہا ہے۔ ہنگری والے ابھی زیر باری کے جوئے سے آزاد ہونے کی راہ دیکھ رہے ہین۔ انگلستان کے تعلقات عرب کی آزاد سلطنتون کے ساتھ پورے طور پر سلجھے نہین ہوئے ہین مصر کا سوال اب پھر سوڈان کے قبضہ کی بدولت پیچیدہ ہو رہا ہے۔ انگلستان یورپ کے سوا ہر ایک قوم قرضون کی زیر باری سے گھبرائی ہوئی ہے۔ چھوٹی چھوٹی نئی سلطنتین ابھی تک اپنی حیثیت سے واقف نہین ہوئین اور نہ ان کی ہستی خطرے کے دائرے سے باہر نکلی۔ یورپ مین اگرچہ جنگ کے شعلے شرر افشان نہین تاہم ابھی تک سیاسی فضا پرامن بھی نہین ہوئی غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ یہ سارے حالات ورسیلیز کے اُس عہدنامہ کے پیدا کردہ ہین جسکے ذریعے سے دُنیا مین امن قایم کرنے کا دعوی کیا گیا تھا۔

امن کے شاندار خواب دیکھنے کے لحاظ سے یہ عہدنامہ کوئی نرالی حیثیت نہین رکھتا۔ دنیا مین جب کبھی کوئی خطرناک جنگ شروع ہوئی تو اُسکے خاتمے پر مدبران وقت ہمیشہ ہی جنگ کو دنیا سے مٹا دینے کا وعدہ کرتے آئے ہین۔ ۱۸۱۵ء مین وی آنا کی کانگریس نے جب نپولین کی شکست کے بعد یورپ کا نقشہ نئے سرے سے کھینچا تھا اسوقت بھی یہی وعدے کئے گئے تھے۔ اور یہی موہوم اُمیدین دلائی گئی تھین وہ اُمیدین بھی اسی طرح سے مدبرون کی چالون کا شکار ہوئی تھین۔ انسان کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ وہ ہمیشہ مصیبت پڑنے پر توبہ کرتا ہے اور بھلے دن آنے پر پھر وہی پُرانی چالین اختیار کر لیتا ہے۔

تاہم بیسوین صدی اور انیسوین صدی مین فرق ہے۔ پچھلے جنگ یورپ کے خاتمے پر امن کے

وعدے بہت ہی زور و شور سے کئے گئے تھے سائنس کی ترقی نے طرفین پر ثابت کر دیا کہ بیسوین صدی کی جنگ ایک بہت بڑی ہولناک چیز ہے۔ اسلیے اسبات کی کوشش ہونی چاہیے کہ آگے کے لیے جھگڑون کا فیصلہ کرنے کے لیے تلوار بندوق۔ اور ہوائی جہاز سے کوئی بہتر منصف اور ثالث بنایا جائے۔ جنگ کی طوالت نے بھی طرفین کو مجبور کیا کہ وہ معمولی مادّی سوالات کے دائرے سے گذر کر ایک اونچے طبقے مین پہنچین اور بنی نوع انسان کی حمایت کرین۔ غرض امن قایم رکھنے کے لیے اس جنگ کے خاتمے پر زیادہ سنجیدگی سے غور کیا گیا اور اس غور و خوض کا سہرا مرحوم پریسیڈنڈنٹ ولسن کے سر ہے جن کی وجہ سے انجمن الاقوام وجود مین آئی۔

(۲)

پریذیڈنٹ ولسن ہی تنہا ورسیلیز کے صلح نامے کا منصف نہ تھا بلکہ اورون کی بھی اسمین شرکت تھی صلحنامہ کو سمجھنے سے پہلے ہمین اسبات کو سمجھ لینا چاہیے۔ کہ ورسیلیز کی صلح کن حالتون مین ہوئی۔

ایک آسٹرین شہزادے کے قتل کا یورپ مین عظیم الشان ہولناک جنگ پیدا کر دینا بذات خود ایک حیرت انگیز معمہ معلوم ہوتا ہے لیکن بات یہ تھی کہ تمام یورپ بارودخانہ بنا ہوا تھا۔ اور جیسی ہی کہ کوئی جلتا ہوا عمداً یا قصداً شعلا اسکے نزدیک پہنچا۔ اس میگزین کا اڑجانا اور دنیا مین آگ لگا دینا یقینی تھا۔ یورپ دو مسلح جماعتون مین تقسیم تھا۔ اور دوسری طرف آسٹریا اور جرمنی تھے۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو یورپ کے سیاست دان پچھلی زنجیرون سے بندھے ہوئے اس میدان مین کود پڑے۔ عرصہ دو سال کا ہوا جب ہمنے زمانہ مین ایک آرٹیکل بین الاقوامی تعلقات کے عنوان سے لکھکر مختلف قومون کے جنگ یورپ مین شامل ہونے کی وجوہ پر اصلی معاہدہ جات کے مطالعے سے روشنی ڈالی تھی۔ اور بتایا تھا کہ کس طرح (جب ایک طرف آزادی کے نام پر اپیلین ہو رہی تھین) اتحادی سیاست دان آسٹریا۔ جرمنی۔ ٹرکی۔ اور غریب ایران کے حصے بخرے کرنے مین مشغول تھے۔ جب صلح کے لیے کوششین شروع ہوئین تو یہ سب عہدنامے موجود تھے۔ ۱۲ر دسمبر ۱۹۱۶ء کو جب اتحادی طاقت زوال پر تھی اسوقت جرمنی نے اتحادیون کو صلح کے متعلق بات چیت کرنے کے لیے مدعو کیا لیکن شکست یافتہ اتحادی ابھی ہمت نہین ہارے تھے۔ اور انھون نے فرداً فرداً و نیز کلیتہً اس دعوت کو رد کر دیا اسپر پریذیڈنٹ ولسن نے ۱۸ر دسمبر کو فریقین سے اپنے نقطۂ خیال سے لڑائی کے مقاصد کے متعلق استفسار کیا۔

اسکے جواب مین اتحادیون نے اپنے مقاصد بیان کر دیئے۔ لیکن جرمنی نے ٹال مٹول کرنا شروع کیا۔ آخر کار پریسیڈنٹ ولسن نے ہار کر اور جرمنی کی جنگی ریشہ دوانیون سے تنگ آکر ۲ اپریل ۱۹۱۷ء کو جرمنی کے برخلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اس اثنا رمین آسٹریا علیحدہ طور پر صلح کرنے کے لیے بھی کوششین کرتا رہا۔ لیکن اتحادیون کے آپس کے عہد نامے جرمنی اور آسٹریا کی سلطنتون مین سے کچھ ٹکڑے اٹلی اور اور فرانس کے حوالے کرنے پر مُصر تھے۔ اسلئے گو جرمنی کے مدبرین نے بھی صُلح کے متعلق کوششین کین۔ لیکن یہ کوششین ناکامیاب رہین۔ فرانس والے جرمنی سے اپنی ۱۸۷۱ء کی شکست کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ اور وہ علاقہ جو اس شکست کے بعد جرمنی کی سلطنت مین شامل کر لیا گیا تھا اس کے و اپسی پر بضد تھے۔ جرمنی نے برسٹ لٹوسک کے مقام پر (جہان سے کہ زار کو نکالکر ایک نئی طرز کی جمہوری سلطنت قایم کر لی گئی تھی) رُس سے جو عہد نامہ کیا اسمین روس کا حصّے بخرے کر لیے گئے اور کئی سرحدی ریاستین قایم کر دی گئی۔ اس عہد نامہ نے صلح کو دُور ہی رکھا اور اتحادیون کے فاتحانہ صلح کے ارادے مضبوط ہوتے چلے گئے۔

جنوری ۱۹۱۸ء مین مسٹر لائڈ جارج نے اتحادیون کی طرف سے ان شرائط کا ذکر کیا جنپر صلح کی جاسکتی تھی۔ یہ شرائط دسمبر ۱۹۱۷ء کی شرائط سے بہت کچھ کم تھین۔ ۱۵ جنوری ۱۹۱۸ء مین پریسیڈنٹ ولسن نے امن کے چودہ اصول قایم کئے۔ جنپر مستقل صلح کی جاسکتی تھی۔ مختصراً ان مین اسبات پر زور دیا گیا تھا کہ ہر قسم کی رکاوٹین جو مختلف قومون نے ایک دوسرے کے برخلاف پیدا کر رکھی ہین دُور کر دیجاوینگی فرانس کو ۱۸۷۱ء کا علاقہ واپس ملیگا۔ بلجیم آزاد کر دیا جائیگا۔ پولینڈ کی ایک آزاد سلطنت قایم ہوگی۔ رُوس کے متعلق کامل غور و خوض کرکے فیصلہ کیا جائیگا۔ اور سب سے زیادہ لازمی امر یہ کہ سب صلحنامہ کھلے بندون روز روشن مین کیے جائینگے۔ اور اقوام عالم کی ایک انجمن بنائی جائیگی جو کہ دنیا کے امن کو قائم رکھنے کی ذمہ دار ہوگی۔ اس طرح صلح کو فاتحانہ اصولون سے آزاد رکھنے کا اعلان کر دیا گیا۔ امریکہ کی فوجون نے اب آکر جنگ کی صورت بدل دی۔ اگست ۱۹۱۸ء مین فرانسیسی محاذ جنگ پر جرمنی کے جارحانہ حملے ناکامیاب ہوگئے۔ اور انگلستان اور فرانس کی متحدہ فوجون نے آگے بڑھنا شروع کیا۔ آسٹریا نے ستمبر کے مہینے مین زبانی بات چیت کے لیے اپیل کی اور ۱۵ ستمبر کو بلگیریا نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ۳۱ اکتوبر کو ترکی بھی ہمت ہار بیٹھی اور اسنے ایک عارضی صلحنامہ پر دستخط کر دیئے ۱۵ اکتوبر کو جرمنی نے بھی صلح کے لیے

پریسیڈنٹ ولسن سے درخواست کردی اور ۷ اکتوبر کو آسٹریا نے بھی صلح کے لیے کوشش کی۔ صلح جنگ کے ختم ہونے سے پہلے ہی ۱۱ نومبر کو آسٹریا ہنگری کی سلطنت کا فاتحہ پڑھ دیا گیا ۹۔ نومبر کو جرمن مین بھی جمہوری سلطنت قائم ہوگئی اور ۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء کو نئی گورنمنٹ نے عارضی صلحنامہ کے کاغذون پر دستخط کر دیے۔

## ۳

ان سب واقعات کا اعادہ کرنا ضروری تھا۔ ان سے دو باتین ظاہر ہوتی ہین۔ امریکہ کے شامل جنگ ہونے سے پہلے اتحادیون کی مختلف طاقتون کے درمیان عہد نامے ہوچکے تھے جنکے ذریعہ سے اونھون نے فتح کی حالت مین مختلف علاقون کو آپسمین بانٹ لینے کا عہد کر لیا تھا جب اضلاع متحدہ امریکہ ۱۹۱۷ء مین شریک جنگ ہوا تو وہ ان بہت سارے عہد نامون سے بے خبر تھا۔ صلح کے چودہ اصول اسی بے خبری کا نتیجہ تھے۔ لازمی طور پر جب ورسیلز مین صلح کے متعلق بات چیت شروع ہوئی تو دو طاقتون کی آپسمین مڈبھیڑ ہوگئی۔ ایک طرف تو فرانس اور اٹلی دوران جنگ کے عہد نامون کی روسے جرمنی اور اسٹریا کی سلطنتون مین سے حصہ لینے پر مصر تھے دوسری طرف پریسیڈنٹ ولسن اس بات کے خواہان تھے کہ ان اصولون کے مطابق ہر ایک قوم کو اپنی قسمت کا خود فیصلہ کرنیکا حق دیا جائے۔ دوران بحث مین عام طور پر یہ پایا گیا کہ انگلستان کا چونکہ یورپ کے براعظم کے جھگڑون سے کوئی واسطہ نہ تھا اس لیے وہ غیر جانبدارانہ روش سے انصاف کے لیے امریکہ کا ہم آہنگ تھا۔ لیکن پھر بھی ۱۹۱۸ء کے انتخاب پارلیمنٹ کے دوران مین مسٹر لائڈ جارج نے کئی ایسے وعدے کر دیے تھے جو ان چودہ اصولون سے بالکل مختلف تھے۔ اس بات کو چھوڑ کر بھی یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا اوسوقت پریسیڈنٹ ولسن کے اصولون کے مطابق ایک صلحنامہ مرتب کیا جا سکتا تھا یا نہین۔ مدبران یورپ پچھلے جھگڑون مین جکڑے ہوئے ابھی ایسی آزادانہ اور منصفانہ تجاویز کے لیے طیار نہ تھے۔

ایسے صلحنامہ کا ہونا اوسوقت ممکنات سے نہ تھا۔ جب یہ فیصلہ کیا گیا کہ صلح کانفرنس کی کارروائی پیرس مین کی جائے اور ولسن کے اصولون کے برخلاف یہ قرار دیا گیا کہ اخبارات کے نامہ نگار مضامین کو آزادانہ طور پر کانفرنس کی کارروائی کو شائع کرنے سے منع کر دیا جائے،

اگر جنیوا یا ہیگ مین یہ کانفرنس منعقد ہوئی اور اخبارات کو اسکے کارروائی شائع کرنے کی اجازت مل جاتی تو ممکن تھا کہ صلح کانفرنس فرانس کی خود پرست اور خودغرض کارروائیون سے ساری تہذیب یافتہ دُنیا کے طبقون کے ڈر سے باز رکھی جاسکتی لیکن ابھی امن دور تھا - اور صلح کانفرنس کامیابی کا منھ نہ دیکھ سکی -

ولسن - لائڈ جارج اور کلنمنشو اس کانفرنس کے بانی مبانی تھے - پریسیڈنٹ ولسن مونشییر کلنیمنشو کے دعودن کے برخلاف ایڑی چوٹی کا زور لگایا کیے - ولسن صاحب کے سامنے سوال یہ تھا کہ آیا وہ تھوڑی سی خامیون کو مان لین یا کانفرنس کو چھوڑ کر چلے جائین اور دیانتداری کو بھی اپنے ساتھ لیتے جائین - اٹلی کا وزیر اعظم مسٹر اورلینڈو بھی بہت سے جھمیلون کا موجب بنا اور جب اوسے فیوم کا علاقہ دینے سے انکار کر دیا گیا تو وہ کانفرنس چھوڑ کر اٹلی کو چلا گیا - لیکن شروع سے ہی صلح کے ارادے بجائے اسکے کہ کانفرنس کے مدعو کردہ ممبرونکی وساطت سے طے پاتے - یہ کام انگلینڈ - فرانس - اٹلی - امریکہ اور جاپان کے وزراء اعظم اور وزراء خارجیہ نے بطور خود کرنا طے شروع کیا - کانفرنس کا کام اِن دس آدمیون کے فیصلون کی تصدیق کرنا ہی رہ گیا - ۱۸ جنوری کو کانفرنس کا پہلا اجلاس ہوا - مارچ کے مہینے مین کانفرنس کے کام دس آدمیون کے ہاتھ سے نکلکر صرف چار آدمیون ولسن - لائڈ جارج - کلنیمنشو اور اورلینڈو کے ہاتھ مین رہ گیا - اس دوران مین کانفرنس کی پہلی ناکامیابی رونما ہو چکی تھی - کیونکہ روس کے متعلق کانفرنس کوئی فیصلہ نہ کر سکی - فرانس والے ایک جمہوری سلطنت ہوتے ہوئے بھی روس کی نئی جمہوریت کے مخالف تھے اور مسٹر لائڈ جارج مین اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ فرانس کی مخالفت کر سکتے - کانفرنس کے سامنے روس کو چھوڑ کر آٹھ ضروری سوالات درپیش تھے - جرمن کی مغربی سرحد کا سوال نہایت پیچیدہ بن گیا کیونکہ فرانس دریائے رائن سے اوس پار کے سارے علاقے کا دعوے دار تھا - دوسرا سوال انجمن الاقوام کے قائم کرنیکے متعلق تھا - یہ سوال چنداں مشکل نہ تھا - لیکن جب آسانی سے اس کے متعلق سمجھوتہ ہو گیا اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم فرانس کی رائے اسکے متعلق بہت سنجیدہ نہین تھی تیسرا سوال قیصر ولیم اور اسکے ساتھیون پر باقاعدہ مقدمے چلا کر اُنہین اُس کشت وخون کے لیے ذمہ دار

ٹھہرانا تھا جو دوران جنگ مین رونما ہوا تھا۔ مسٹر لائیڈ جارج نے پارلیمنٹ کے انتخاب کے دنون مین وعدے وعید کیے تھے۔ اس لیے یہ ممکن نہ تھا کہ ولسن صاحب قیصر ولیم کو بچانے مین کامیاب ہو جاتے۔ تاوان جنگ نے چوتھی بڑی مشکل پیش کی۔ امریکہ نے دیانت داری سے اس بات پر زور دیا کہ تاوان جنگ کے ذریعے سے صرف وہ رقم وصول کیجائے۔ جس کے ذریعے سے وہ نقصانات جو مختلف علاقون مین شہریون کے ہوئے ہون۔ پورے کیے جاسکین۔ اسکے برخلاف مسٹر لائڈ جارج اور فرانس کا وزیر اعظم دونون اس بات پر تلے ہوے تھے کہ تاوان جنگ کے ذریعے سے لڑائی کا سارا خرچ وصول کیا جائے۔ یہ بات صریحًا پریسیڈنٹ ولسن کے چودہ اصولون کی مخالف تھی۔ اور ایک طرح سے جرمن والون کو صریحًا دھوکا دینا تھا۔ اٹلی اور اس کے نئے ہمسائے جگوسلیو (پرانی سرویا) کے درمیان حدود بندی کا کام بھی بڑی ٹیڑھی کھیر تھی۔ اٹلی کو اپنی طرف کرنے کے لیے اتحادیون نے ۱۹۱۵ء مین کئی وعدے کیے تھے جو صریحًا چودہ اصولون کے خلاف ورزی کرتے تھے۔ لیکن جنگ کے خاتمے پر اٹلی نے اُن وعدون سے بھی بڑھکر دعوے کرنے شروع کر دیے جسکی وجہ سے مسٹر ولسن اور اٹلی کے وزیر اعظم اورلینڈو کے درمیان ایک بڑی خطرناک بحث شروع ہوگئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ اٹلی کا وزیر اعظم آخرکار کانفرنس چھوڑ کر چلا گیا۔ چھٹی بڑی مشکل پولینڈ کی حدبندی تھی۔ صدیون سے یہ سلطنت روس۔ اسٹریا۔ اور جرمنی کی چیرہ دستیون کا شکار بنی ہوئی تھی۔ اس لیے اب پولینڈ کے باشندون کا دعویٰ یہ تھا کہ پولینڈ اتنی بڑی سلطنت بنا دی جائے جس پر ان تینون مین سے کسی کے بھی دانت نہ ٹھہر سکین۔ یہ دعویٰ ایسا ہی بے معنی تھا جیسا کہ فرانس کا اصرار جو رائن کے اس پار کے علاقے سے متعلق تھا۔ اس دعوے کی مخالفت صرف مسٹر لائڈ جارج نے کی۔ مسٹر ولسن قومیت کے اصول کے زیر اثر تھا۔ فرانس پولینڈ کو اپنے زیر اثر رکھنا چاہتا تھا۔ اس لیے اوسے زیر احسان بنانیکے لیے وہ اُس کا ساتھ دینے کیلئے طیار تھا۔

ساتوان سوال ایشیا کے حدود مین پیدا ہوا۔ جب کہ شانٹنگ کے چینی علاقے مین جاپان نے جرمنی کا وارث بننے کا دعویٰ کیا۔ ٹرکی کے سوال نے بھی کافی مشکل پیدا کی۔ لیکن یہ اس صلحنامہ کا کوئی جزو نہ تھا۔ آسٹریا کی حدبندی کا سوال بھی پیچیدہ تھا۔ آسٹریا کے دو بڑے

حصے تھے۔ ایک مین تو جرمن نسل کے لوگ آباد تھے دوسرے مین کروٹ۔ میگا ئر۔ سلیو
اور دوسری نسلون کے باشندے تھے۔ اسکا سیدھا ساحل تو یہ تھا کہ جرمن نسل کے
باشندون کو جرمنی کی نئی جمہوریت کے زیر اثر کر دیا جاتا۔ لیکن فرانس کو بھلا کب یہ گوارا تھا کہ وہ
جرمن کو طاقت ور بننے دیتا۔ غرضیکہ ہر ملک اپنی اپنی خودغرضانہ خواہشونکو پورا کرنے کیلئے
طیار تھا۔ انگلستان والے جرمنی کی نوآبادیون پر نظر رکھتے تھے۔ صرف امریکہ ہی ایک ایسا
حصہ دار تھا جوکہ اپنے لیئے کسی قسم کا مفاد کا خیال رکھے بغیر صلح کی کانفرنس مین شامل تھا۔
اِن سوالات کے فیصلے مین فرانس اور امریکہ بہت دفعہ ایکدوسرے کے مخالف ہوگئے
فرانس ظاہرا تو یہ چاہتا تھا کہ جرمنی کو پھر اتنی بڑی جنگ کرنیکے ناقابل بنا دیا جائے لیکن
دراصل وہ اپنی ۱۸۷۰ء کی شکست کے لیے انتقام کا دعویٰ دار تھا۔ اس خواہش کا نتیجہ یہ ہوا
کہ فرانس نے پریسیڈنٹ ولسن کے چودہ اُصولونکو پس پشت ڈال دیا۔ باقی اتحادی کسی طرح سے
فرانس کے دعوون کو رد نہین کر سکتے تھے۔ ایک تو وہ خود ایسے ہی خودغرضانہ اغراض کے
پابند تھے۔ دوسرے وہ دوران جنگ کے عہدنامون سے بندھے پڑے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب
جرمنی کے سامنے صلح نامہ کا مسودہ پیش کیا گیا تو دیانت داری سے جرمن مدبر یہ کہنے کی جرأت
کرسکے کہ اونہین دھوکا دیا گیا ہی اور اتحادی فاتحون نے اپنے ارادے فتح کے جوش مین آکر
بدلدیے ہین آخر ۲۸ جون ۱۹۱۹ء کو صلحنامہ پر دستخط ہوگئے اور جرمنی اور اسکے ساتھ یورپ کے
باقی سارے ممالک نے اپنے پاؤن پر آپ کلہاڑی مار لی۔

ورسیلز کے صلحنامے اور اسکے ساتھ دوسرے اور صلحنامون نے ایک نیا یورپ پیدا
کر دیا ہے۔ جرمن ایک جمہوریت مین تبدیل ہوگئی ہی اور اسکی نئے سرے سے حدبندی کیگئی
ہے۔ زار روس معہ اپنے خاندان کے تلوار کے گھاٹ اتارے جاچکے ہین اور روس کی پرانی
سلطنت کی جگہ پر کئی آزاد جمہوری ریاستین موجود ہین ان سب مین سے سب سے بڑی روس کی
جمہوریت نئے اصولون پر حکومت کرنے کے تجربہ کر رہی ہے۔ آسٹریا اور ہنگری کی صدیون
کی پورانی سلطنت کے حصے بخرے کیے جاچکے ہین۔ پولینڈ۔ لتھونیا۔ اور بوہیمیا کی پرانی
سلطنتین اپنے جوؤن آزاد ہوگئی ہین۔ سردیا ایک بڑی سلطنت بن چکی ہے۔ فن لینڈ۔

استھونیا۔ اور لیٹویا۔ آزاد ہوگئی ہین۔ یورپین ٹرکی کے حصے یونان کی نذر ہوگئے ہوتے اگر کمال پاشا اپنی تلوار کے زور سے اور ہندوستانی اپنی جدوجہد کے زور سے برطانیہ کو عہدنامہ سیورز پر نظرثانی کرنے پر مجبور نہ کرتے۔ پرانی روایات ختم ہوچکی ہین۔ انجمن الاقوام دنیا کی سلطنتون مین امن قائم رکھنے کی ذمہ دار ہے۔ چار سال کے تجربے نے ظاہر کر دیا ہے کہ یہ سب تبدیلیان بے معنی ہین جبتک لوگون کے دلون مین سے پرانے کینے دور نہ ہوجائین اور پچھلے بغض نہ نکل جائین +

سری رام شرما۔ ایم۔ اے

---

مایوسی روح کے لیے موت ہے۔

آرزو کا ترک کرنا ہی تونگری ہے۔

ایک دوسرے کے احترام ہی سے محبت باہمی کو استحکام ہوتا ہے۔

انسان کا پیٹ ہی اُسکا دشمن ہے۔

تحمل و بردباری سے علم کی زینت ہوتی ہے

راحت صرف اچھے کامون مین ہے۔

باطل کی حکومت چند لمحون تک قایم رہتی ہے۔ اور سچائی کی حکومت قیامت تک۔

(ارشادات حضرت علیؑ) (سوز و ساز)

---

# کون مقدّم ہے

قومی تحریک مین جن دشواریون کا سامنا ہے انمین سب سے زیادہ مہیب یہ اعتراض ہے کہ اسکی بنیاد کمزور ہے۔ کیا کوئی انکار کرسکتا ہے کہ اس تحریک سے صرف تعلیم یافتہ جماعت کو دلچسپی ہے۔ یہ قول کہ عوام نے گاندھی جی کی تجاویز کو اہمیت دی ہمارے دعوے کی تردید نہین کرتا کیونکہ کثرت رائے اسطرف ہے کہ عدم تعاون کے مذہبی نہ کہ سیاسی پہلو نے جمہور کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ دلون پر گاندھی "مہاتما" نہ کہ گاندھی "مدبر" کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ انکا اثر اُسی وقت گھٹنا شروع ہوگیا جب گاندھی راج جسکا وعدہ کیا گیا تھا خواب خیال ثابت ہوا۔ سب پہلوؤن پر غور کرتے ہوئے حقیقت یہی معلوم ہوتی ہے کہ اگرچہ جمہور نے تحریک عدم تعاون مین غیر معمولی جوش کا اظہار کیا اور حصہ لیا لیکن اسکا باعث مہاتما جی کی شخصیت تھی نہ کہ وہ کام جسکا انھون نے بیڑا اُٹھایا تھا۔ بات یہ ہے کہ عوام کو سیاسی اُمور سے وقفیت یا دلچسپی نہین صدیان گذرگئین کہ وہ اقتصادیات سے بے تعلق ہین۔ مقامی انتظامات مین تو کچھ کچھ دخل رہا لیکن وسیع پیمانہ پر حکمرانی کا خیال اُنکے فہم سے خارج ہے وہ اُسے اپنے دائرۂ عمل سے باہر سمجھتے ہین۔ انکی روایات کا یہ مقتضا ہے کہ اقتصادیات کو اُنھین پر چھوڑ دیا جائے جنھین پشتہا پشت سے اسکی استعداد چلی آتی ہے یعنی جو صاحب سیف یا اہل قلم ہین۔ لہٰذا یہ امر غیر معمولی یا قابل تعجب نہین کہ قومی تحریک کی عنان ایک مخصوص طبقہ کے ہاتھون مین ہے۔ لیکن تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسی تحریک مین بغیر عوام کی شرکت کے کامیابی نہین ہوتی۔ آیا کوئی اُمید ہے کہ عوام الناس بحیثیت مجموعی مطالبۂ حکومت خود اختیاری مین تعلیم یافتہ اصحاب کا ساتھ دینگے؟ اس سوال کا جواب خود تعلیم یافتہ گروہ دیسکتا ہے۔ کچھ عرصہ سے یہ ضرور ہے کہ اُس خلیج کو پاٹنے کی بیحد کوشش کیجارہی ہے جو تعلیم یافتہ و غیر تعلیم یافتہ فرقون کے درمیان حائل ہے۔ اس امر کا بھی ادعا کیا جاتا ہے کہ ہماری آواز جمہور کی آواز ہے۔ لیکن نگاہ غور سے دیکھئے پر یہ دعوے اُن وجوہ قابل قبول نہین ٹھہرتا ملک مین تعلیم یافتہ جماعت کا اثر ضرور ہے

لیکن دائرۂ اثر محدود ہے۔ وہ عامۂ خلائق کو خواب غفلت سے بیدار اور خاص خاص طریقون سے آمادۂ کار کرسکتے ہین لیکن بارہا افسوسناک تجربے ہوئے ہین کہ عوام الناس عرصے تک اُنکی رہبری قبول نہین کرتے بلکہ بہت جلد آزاد ہو جاتے ہین۔ یہ ایسا واقعہ ہے جس سے لفظ "اشتعال" کا اطلاق ایسی تحریکات پر درست گو ناگوار ہے۔ حامیان تحریک قومی کا اثر کلی نہین بلکہ جزئی ہوتا ہے۔ جہانتک قتل و غارت سے تعلق ہے اسکی قوت و حقیقت سے انکار نہین۔ لیکن ایسا نظام حکومت قایم کرنے مین جو قابلِ عمل ہو اسکا عمل بہت سُست ہے۔ ہندوستانی مدبرون کا جمہور پر اثر ہو تو ہو وہ جمہور کے مطالبات کے صحیح ترجمان نہین ہین۔ یہ لیڈر اول تو اپنے ہی طبقہ کے نمایندے ہوتے ہین جو ذی اثر و صاحب اقتدار ہے۔ مگر یہ طبقہ پورا ملک تو نہین۔ اور جب اسکے اور عوام کے مطالبات مین نقیض پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً مالی مسئلون پر تو ایسی صورت مین اپنے ہی طبقہ کے خیالات غالب آتے ہین جمہور اور مخصوص طبقون کے نقطہائے نظر جسقدر ہندوستان مین مختلف ہین اسکی مثال کسی مغربی ملک مین نہین ملتی یورپ اور امریکہ مین قسمت کی مساعدت یا دماغی قابلیت ایک مزدور کو سلطنت کا رکن بنا سکتی ہے۔ سوسائٹی کے مختلف طبقون کا امتیاز اُن ممالک مین مالی اور اسوجہ سے زیادہ تر مصنوعی ہے۔ بخلاف اسکے ہندوستان مین یہ فرق موروثی، قطعی، اور ناقابل حذف ہے۔ یہی سبب ہے کہ جمہور کی ہر ایک ایسی تحریک سختی سے کچلی جاتی ہے جس سے وہ طبقہ اعلےٰ کیطرف بڑھ سکین حالانکہ مغربی ممالک مین یہی عام قاعدہ ترقی تمدن کا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ صرف طبقۂ اعلیٰ سے "قوم" بنائی جائے اور کیا بیرونی حکام (بیوروکریٹ) کو نکالکر اُنکی جگہہ اپنے ہم قوم رکھنے سے سوا چند خاص آدمیون کے عوام کو فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ کوئی منصف مزاج باور نہ کریگا کہ اسطرح جمہور کی حالت سدھر ے گی۔ تعلیم یافتہ حضرات کا یہ دعویٰ ضرور ہے کہ وہ اپنے اہلِ ملک کی ضروریات کو سمجھتے ہین۔ اور اُنکی خواہش ہے کہ وہ ضروریات پوری کیجائین۔ مگر غیر مہمن خصوصاً طبقۂ ادنےٰ کے لوگ کیا کہتے ہین۔ ؟ انگریزی حکومت مین عیب ہون لیکن کم سے کم وہ ذات کی پیچیدگیون سے ایک بڑی حد تک آزاد ہے۔ بخلاف اُن لوگون کے جو اُسکی جگہہ حکومت کے امیدوار ہین۔ سوراج کا کلمہ پڑھنے والون کو ثابت کرنا چاہیئے کہ اُن مین ہندوستان کی قدیم روایات کو پامال کرنے کی جرأت ہے۔ اور ذات پات کا خیال دل سے نکال کے ہر شخص کے ساتھ مساوی برتاؤ کرسکتے ہین۔ اگر ایسا نہ کیا تو سوراج ملنے پر بھی بجز چند افراد کے پورا ملک

# جواہرات عالم

## کالے شہزادے کا لعل

لندن کے مشہور و معروف ٹاور مین انگلستان کے شاہی جواہرات کے ساتھ وہ شاہی تاج بھی رکھا ہے جو تاجپوشی کے وقت وارثِ تخت کو پہنایا جاتا ہے۔ اس تاج مین سُرخ رنگ کا ایک بیش قیمت لعل جڑا ہوا ہے جسکو کالے شہزادے کا لعل کہتے ہین۔ کالا شہزادہ[1]، انگلستان کا ایک بہادر شہزادہ تھا اور یہ لعل اسی شہزادے کے نام سے منسوب ہے۔

۱۳۶۷ء کے گڈفرائی ڈے کے موقع پر یہ بہادر شہزادہ ایفائے عہد کے جوش مین والی کاسٹائل[2] کے مدد کے لیے گیا تھا۔ انگریزی فوج کے علاوہ خود شاہزادے کی مخصوص فوج بھی اسکے ساتھ تھی۔ واقعہ یہ تھا کہ شاہ پیڈرو[3] (والی کاسٹائل) کو اسکے بھائی ہنری نے، تخت و تاج سے محروم کر دیا تھا۔ اور کالے شہزادے کی خواہش تھی کہ شاہ پڈرو کو تخت واپس دلا دے۔

شہزادے کو شاہ پڈرو سے دلی ہمدردی نہ تھی کیونکہ یہ بادشاہ ایک درشت مزاج اور تندخو آدمی تھا۔ برخلاف اسکے اسکا بھائی ڈان ہنری[4] نہایت خلیق اور بہادر شخص تھا۔ اسلیے شاہزادے کو شاہ پڈرو سے نفرت اور اسکے بھائی ڈان ہنری سے دلی ہمدردی تھی۔ لیکن اپنے عہد و پیمان کی وجہ سے شاہ پڈرو کی مدد کرنے پر مجبور تھا تاہم وہ اپنے دلی جذبات کو پوشیدہ نہ رکھ سکا اور سب کو علم ہو گیا کہ کالا شہزادہ ڈان ہنری کا خیرخواہ ہے۔

یکم اپریل کو دونون فوجین بمقام نجارا[5] نہایت جوش و خروش سے صف آرا ہوئین آفتاب طلوع ہو رہا تھا اور ہتھیارون کی چمک دیکھنے والون کی نگاہون کو خیرہ کر رہی تھین۔ شاہزادہ

---

۱ـ BLACK PRINCE ۲ـ CASTILE

۳ـ DON PEDRO ۴ـ DON HENRY

۵ـ NAJARA

انگریزی سپاہیون کے آگے تھا۔ اسکے سیاہ لباس اور مشکی گھوڑے سے اسکی امتیازی شان
نمایان تھی۔ اور اسی امتیازی خصوصیت کی وجہ سے اسکا نام[۱] کالا شاہزادہ مشہور ہوگیا تھا۔

شاہ پیڈرو بھی شاہزادے کے ساتھ تھا۔ اسکا زرق و برق[۲] فوجی لباس اور نقرئی
سازوسامان اسکے شاہانہ اقتدار کو نمایان کر رہے تھے۔ لیکن دراصل وہ تیرہ باطن اور کور
سواد آدمی تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ کالے بادشاہ کا خطاب اسی کے لیے زیادہ موزون تھا
اسکی سفید مخملی ٹوپی آفتاب کے شعاع بقعۂ نور بنی ہوئی تھی جسمین ایک سرخ رنگ کا لال
نہایت آب و تاب کے ساتھ جگمگا رہا تھا۔

دوسری طرف ہنری اور فرانسیسیون کی فوجین صف آرا تھین۔ طبل جنگ بجتے ہی
دونون فوجین مل گئین اور معرکۂ کارزار گرم ہوگیا۔ شہزادے نے نہایت خشوع و خضوع
کے ساتھ نماز ادا کی۔ اور شاہ پیڈرو کا ہاتھ پکڑ کے کہا۔ آج معلوم ہو جائیگا کہ آپکی سلطنت
اس ملک کے کسی حصہ مین ہے یا نہین۔ خدا اور سینٹ جارج کے بھروسے پر قدم بڑھائے چلو۔

گڈفرائڈے کا پورا دن جنگ کی نذر ہوگیا، لڑائی زور شور سے جاری تھی۔ اور فتح و
شکست کا اندازہ مشکل تھا۔ فرانسیسی اور انگریزی فوجین نہایت خوبی سے فرایض جنگ
ادا کر رہی تھین۔ لیکن اسپین والے اس خونریز تماشے مین سست ایکٹرون کی طرح کام
کر رہے تھے۔ ڈان ہنری اگرچہ بڑی بہادری سے مقابلہ کرتا رہا لیکن شکست اُسکے مقدر مین تھی۔
آخر اسے میدان جنگ چھوڑ نکلنے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا اور وہ اپنی ہزیمت خوردہ فوج کے ساتھ
دریائے نجیرلا[۳] کو عبور کرنے پر مجبور ہوگیا۔ انگریزی فوج بھی تعاقب مین ساتھ ساتھ گئی اور
نتیجہ یہ ہوا کہ ہنری کو وہان بھی دم لینا نصیب نہوا۔

شاہزادۂ ولیعہد نے فتح کی خوشی مین برطانیہ کا جھنڈا بلند کیا اور اسکی فوج ہر طرف سے
سمٹ کر جھنڈے کے نیچے آگئی۔

شاہ پیڈرو بھی اپنا جھنڈا لیے ہوئے وہان پہونچگیا، اور گھوڑے سے اُترکے شاہزادے
کا شکریہ ادا کرنے لگا شاہزادے نے کہا، کہ فتح خدا کی مہربانیون پر منحصر ہے اسلیے حقیقی شکرے

---
[۳] NAJARILLA　　[۱] BLACK PRINCE　　[۲] ...

کا مستحق خدائے کریم ہے

بہر حال شاہ پیڈرو اور شاہزادہ دونون لب دریا کھڑے تھے دریا کا پانی مقتولین کے خون سے سرخ ہو رہا تھا سفیر ون نے اطلاع دی کہ قیدیون کی ایک بڑی تعداد انگریزی فوج کے قبضے مین ہے یہ سنکر شاہ پیڈرو کا سیاہ چہرہ غضب ناک ہوکر اور بھی سیاہ ہوگیا۔ اُس نے شہزادے سے کہا کہ سارے قیدی میرے حوالے کر دیئے جائین تاکہ مین انھین اپنی مرضی کے مطابق قتل کراؤن۔

اس خونین درخواست پر ہر طرف سناٹا چھا گیا اور شاہزادہ سنجیدگی کیساتھ سنگدل پیڈرو کا منھ دیکھنے لگا۔

شاہزادہ کو یقین کامل تھا کہ پیڈرو جیسا بیرحم آدمی ایک قیدی کا زندہ رہنا بھی گوارا نہ کریگا اسلیئے اُسنے نہایت جرات سے کہا، جناب عالی، کیا آپ میری کوششون کو کسی معاوضے کے قابل سمجھتے ہین اگر سمجھتے ہین تو میری ایک گذارش ہے!

شاہ پیڈرو سوائے اسکے اور کیا کہہ سکتا تھا کہ " مین آپ کی ہر خواہش پوری کرنے کے لیے تیار ہون۔

شاہزادہ نے کہا، ان قیدیون کو معاف کر دیجیے یہی میری خواہش ہے!

تھوڑی دیر تک بیرحم پیڈرو خاموش رہا آخر بادل ناخواستہ قیدیون کی جان بخشی کر دی اور اپنے ٹوپی سے ایک بیش قیمت لعل نکالکر شاہزادے کے سامنے تحفۃً پیش کیا اور کہا کہ یہ اس زبردست فتح کی یادگار ہے۔ یہی لعل ہے جو کالے شاہزادے کے نام سے منسوب ہوکر کالے شہزادے کا لعل بنگیا اور یہی پہلا موقع تھا کہ اسکو تاج انگلستان سے نسبت تقرب حاصل ہوئی۔

مشہور ہے کہ یہ لعل فتح و اقبال کا طلسم ہے جسکی بارہا آزمایش ہو چکی ہے۔ اِس واقعے کے نصف صدی کے بعد شاہ ہنری پنجم کو سرزمین فرانس پر شاہ چارلس سے نبرد آزما ہونا پڑا انگریزی فوج تھک کر فتح سے نا اُمید ہو چکی تھی۔ صبح کے وقت شاہ ہنری گھوڑے پر سوار اپنی فوج کا معائنہ کر رہا تھا۔ سپاہیون نے اسکی ٹوپی مین اِس خونی رنگ کے لعل کو دیکھکر شگون نیک خیال کیا اور آپس مین سرگوشیان کرنے لگے کہ شاہزادہ بلیک پرنس کا لعل ہمیشہ فتحیاب رہا ہے! اِس خیال

سے اِن کی ٹوٹی ہوئی ہمتون مین ایک تازہ روح آگئی اور بالآخر ایسی شاندار فتح نصیب ہوئی جو آجتک برٹش فوج کے کارنامون مین زرّین حروف سے تحریر ہے۔

بلیک پرنس کا فوجی لباس ابتک کنٹربری کتھیڈرل مین محفوظ ہے۔ جسکو دیکھکر اس بہادر شاہزادے کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

رام سرن نگم

---

# تنہائی

از ترجمانِ حقیقت علامہ ڈاکٹر سر محمدؐ اقبال

بہ بحر رفتم، و گفتم بہ موجِ بے تابے | ہمیشہ در طلب استی، چہ مشکلے داری؟
ہزار لؤلؤے لالاست در گریبانت | درون سینہ چو من گوہرِ دلے داری؟

تپید، و از لب ساحل رمید، و ہیچ نہ گفت

بہ کوہ رفتم، و پرسیدم "این چہ بے دردی ست؟ | رسد بہ گوشِ تو آہ فغانِ غم زدۂ؟
اگر بہ سنگِ تو لعلے ز قطرۂ خون ست | یکے در آ بہ سخن با منِ ستم زدۂ"

بخود خزید، و نفس درکشید، و ہیچ نہ گفت

رہِ دراز بریدم، ز ماہ پرسیدم | "سفر نصیب! نصیبِ تو منزلے ست کہ نیست
جہان ز پرتوِ سیمائے تو سمن زارے | فروغِ داغِ تو از جلوۂ دلے ست کہ نیست؟"

سوئے ستارہ رقیبانہ دید، و ہیچ نہ گفت

شدم بہ حضرتِ یزدان گذشتم از مہ و مہر | کہ "در جہانِ تو یک ذرّہ آشنایم نیست
جہان تہی ز دل، و مشتِ خاکِ من ہمہ دل | چمن خوش است، ولے درخورِ نوایم نیست"

تبسّمے بہ لبِ او رسید، و ہیچ نہ گفت

(اقبال)

# فریبِ محبت

(گزشتہ سے پیوستہ)

"تم مجھے کیون ستا رہے ہو؟ تمھین دیا نہین آتی، بھلا ایک بیکس عورت کو برباد کرکے تمھین کیا ملجائیگا، مجھ سے کون ایسی خطا ہوگئی، جسکی سزا مین تمنے میری خوشی چھین رکھی ہو؟ مین تم سے یہ نہین کہتی کہ تم موہنی کو چھوڑ دو، مجھے تو تم سے صرف یہ پوچھنا ہے کہ تم نے مجھے کیون چھوڑ رکھا ہے؟ سوچو تو سہی جب تم ہی مجھے نظرون سے گراؤگے، تو پھر مین کسکی آنکھون مین سماؤنگی، تم جو کچھ کر رہے ہو مین اسے برا نہین کہونگی، پر تمھاری بدنامی مجھ سے سنی نہین جاتی، دیکھو ایسی ویشیائین کسی کی نہین ہوتین، بے شرمی انکا مان ہے اور دھن انکا ایمان، مین اپنے لیے نہین کہتی تمھارے بھلے کو کہتی ہون، موہنی دھوکا ہے اور آخرکار دھوکے سے جب پردہ اُٹھتا ہے تو آدمی کو پچھتانا پڑتا ہے میری مانو، مین تمھارے چرن دھو دھو کر پینے کو تیار ہون، بس میری تم سے یہی پرارتھنا ہے کہ تم اپنا مان، اور میرا جیون برباد نہ کرو"

شدتِ غم، ہجومِ تمنا، اور جوشِ بیان مین قوتِ گویائی ایک حد تک سلب ہوجاتی تھی کامنی کی بھی یہی حالت تھی، وہ بات کر رہی تھی مگر الفاظ اوسکے گلے مین اٹک اٹک جاتے تھے کامنی کی لجاجت سندر سنگھ کو نرم نہ کر سکی اُسنے جھلّا کر کہا "مین نہ تمھاری نصیحت سننے کے لیے آیا ہون اور نہ ان باتونکا مجھ پر کوئی اثر ہو سکتا ہے۔ تم اپنی کوششون کو بیکار صرف نہ کرو اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، تمھارے لیے گھر مین ہر قسم کا آرام موجود ہے"

کامنی کی آنکھون مین آنسو بھر آئے، اُس نے بھرّائی ہوئی آواز مین کہا "اگر عورت کا یہی آرام ہے جو تمنے سمجھ رکھا ہے تو مجھے اپنے گھر کیا تکلیف تھی؟"

سندر سنگھ "کیون کیا میرے گھر مین تمھین کوئی تکلیف دیجاتی ہے؟"

کامنی "نہین تو، پر جب تم ہی میرے نہین ہو سکتے، تو مین آرام کو لیکر کیا کرونگی، رہی تکلیف کی بات تو مجھے اس سے زیادہ اور تکلیف کیا ہو سکتی ہے کہ تم جو میرے آرام ہو مجھ سے چھنے جاتے ہو"

سندر سنگھ "میرے پاس تمھاری ان باتون کے سُننے کا وقت نہین، چابیان کہان رکھی ہین اپنے سنگاردان کی چابی مجھے دو، رات زیادہ ہوتی جاتی ہے، مجھے ابھی جانا ہے"

کامنی سندر سنگھ کے قدمون پر جھک گئی اور رکتی ہوئی آواز سے بولی "چابی مین تمہین دیتی ہون پر آج باہر نہ جاؤ، اپنی داسی کی یہ پرارتھنا قبول کرلو"، اور سر اُٹھا کر اسطرح سندر سنگھ کو دیکھنے لگی جسطرح ایک ناکردہ گناہ قتل کا ملزم فیصلہ سے پہلے جج کا منھ دیکھتا ہے"

سنگدل شوہر نے جواب دیا "کیون ضد کیے رہی ہو، مین ٹھہر نہین سکتا، ایک ضروری کام ہے، لاؤ چابی مجھے دیدو"

ساری کے آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے کامنی نے کہا۔ "تو کیا مین تمھاری کوئی نہین جو تم میری ایک ذرا سی بات نہین مانتے"

سندر سنگھ ذرا سخت لہجہ مین بولا "تم مجھے ناحق پریشان کر رہی ہو، بتاؤ سنگاردان کی چابی کہان ہے"

کامنی۔ چابی تو مین تمھین دینے کہتی ہون"

سندر سنگھ۔ تو لاؤ!

کامنی۔ ہان دیتی ہون، لیکن تم یہ کہدو کہ مین اسوقت نہین جاؤنگا۔

سندر سنگھ۔ یعنی مین جاؤن تو تم مجھے چابی نہین دوگی، یہی بات ہے نا؟

کامنی۔ نہین یہ بات نہین،

سندر سنگھ۔ پھر اس ضد سے تمھارا کیا مطلب ہی؟

کامنی جسطرح مین، میرے سنگاردان کی چابی، اور میرا سب کچھ تمھارا ہے اسیطرح تم کیون نہین میرے ہوتے"

سندر سنگھ کی برھمی بڑھتی جاتی تھی، اگر بیش قیمت موتیون کا ہار موہنی کا مقصود خواہش نہ ہوتا تو شاید وہ غریب کامنی کو اس طرز گفتگو کا بھی مستحق نہ سمجھتا، جسے وہ اپنے نزدیک حسن تعلق کی ایک بہتر مثال سمجھ رہا تھا، اُسکی طبیعت مین کچھ اشتعال پیدا ہوگیا اور اسنے سوچا "کیا عورت اس حد تک ضدی ہو سکتی ہی" پھر سخت لہجہ مین بولا "دو تم ضد کر رہی ہو اور مین نہین چاہتا کہ تمھارے ساتھ کسی سختی سے پیش آؤن"

کامنی۔ تم اس سے زیادہ سختی اور کیا کر سکتے ہو جو کر رہے ہو، لوگ کہتے ہین کہ موت کی سختی ناقابل برداشت ہوتی ہی، لیکن مین اوسے اسکے سامنے کچھ نہین سمجھتی، بلکہ روز اوسکی دعا کرتی ہون لیکن دنیا بہت بُری ہے، انسان یہان جس چیز کی خواہش کرتا ہی وہ اُس سے دور بھاگتی ہے، مجھ ابھاگن کو موت بھی تو نہین آتی،،

سندر سنگھ جسے ہر لحہ شاق گزر رہا تھا، بولا " اچھا اب مین سب کچھ سن چکا مجھے چابی دیتی ہو یا نہین کامنی کے ہونٹھون پر غم آمیز تبسم پیدا ہوا، اسنے کہا " مین اسطرح چابی نہین دیسکتی، جب تم میری بات نہین مانتے تو مین تمھاری بات کیون ماننے لگی،،

سندر سنگھ جھلا گیا اور خود کمرہ مین چارون طرف چابی تلاش کرنے لگا، بچھونے پر، الماری مین اوسکی کتابون والی میز کی دراز مین لیکن کہین پتہ نہ چلا۔ چابی ہاتھی دانت کے قلمدان مین رکھی ہوئی تھی، سندر سنگھ کے چہرہ پر شکنین پڑ رہی تھین، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ یہان آکر سخت مصیبت مین گرفتار ہو گیا ہے"

عورت مٹی کی کچی مورت ہی اور پھر ایک سنگین مجسمہ اوسے جسطرف چاہو جھکا دو اور وہ کسی طرف نہین جھکائی جا سکتی، پریم کی بھوکی استری مٹی کی کچی مورت ہوتی ہی، ایک چھوٹی سی بات بھی اوسکے من کو ادھر سے اُدھر کر دیتی ہی۔ کامنی سے سندر سنگھ کی پریشانی دیکھی نہ گئی، وہ اگرچہ جانتی تھی کہ سندر سنگھ چابی لیکر کیا کریگا، تاہم اُس نے قلمدان کھول کر چابی نکالی، سنگاردان اُٹھاکر شوہر کے سامنے میز پر رکھتے ہوئے کہا " مین ہنس رہی تھی، سنگاردان موجود ہی چابی اور سنگاردان دونون لیتے جاؤ، اور میری جانب سے موہنی سے پوچھنا کیا وہ تمھین اس سے بدلسکتی ہی سندر سنگھ نے خاموشی کیساتھ چابی اُٹھائی، سنگاردان کھولا، بیش قیمت موتیون کا ہار نکال کر جیب مین ڈالا، سنگاردان بند کر دیا، اور چابی میز پر رکھکر چلنے کے لیے دروازہ کیطرف قدم اُٹھائے

کامنی نے بے چین ہوکر کہا " ہار تو لیگیا، صبح ہی جاکر دیدینا، رات بھی زیادہ گذر گئی ہے۔ موہنی کیا اب جاگ رہی ہوگی؟

سندر سنگھ نے اوسکا کچھ جواب نہ دیا، گویا وہ بہرا ہی، یا کامنی کی آواز اُسکے کانون تک نہین پہنچی وہ کمرہ کے دروازہ پر پہونچ چکا تھا کہ کامنی نے جھپٹ کر آہستہ سے اوسکا دامن پکڑ لیا اور بولی ایک

بات اور سُنتے جاؤ، اِ سندر سنگھ نے دامن کو جھٹکا دیا اور اسطرح دروازہ سے نکلکر چلا گیا جسطرح طائر نو گرفتار قفس سے چھوٹ کر جاتا ہے۔ غریب کامنی دیکھتی رہگئی،

انسان کا دل آئینہ ہی اور امید اسکا جوہر، آئینہ کا جوہر اگر فنا کر دیا جائے تو آئینہ بیکار ہوجائیگا اسیطرح امید جب ٹوٹ جاتی ہی تو دل مردہ ہوجاتا ہی اور آدمی چاہتا ہی کہ اسے سینہ سے نکالکر پھینکدے

انسان کی زندگی شراب ہے، اور آرزو اُسکا خمار، شراب سے خمار اگر مٹا دیا جائے تو پھر وہ شراب نہین رہتی اسیطرح اگر آرزوؤن کا خون ہو جائے تو زندگی بے کیف ہوجاتی ہے۔

کامنی کی اُمید ٹوٹ گئی تھی اور آرزو کا خون ہو چکا تھا، وہ دلمین کہہ رہی تھی

"پرماتما! مین اب زندہ کیون ہون"، عورت کی زندگی شوہر کی محبت ہی، جب یہ محبت مجھ سے چھن گئی تو مرا جینا نہ جینا برابر ہے،

آہ جسکے سہارے دنیا کے ساگر مین میرا بیڑا چھوڑا گیا اس ظالم نے کنارے ہی پر بیدردی کیساتھ مجھے ٹھکرا دیا۔ میرا جیون جنکی مسرتون کے چمن کو سیراب و شاداب کرنے کے لیے نذر کیا گیا تھا وہ چاہتا ہے کہ اوسے اپنے ظلم کی قربانگاہ پر بھینٹ چڑھا دے۔ مین جس گھر کو اپنا گھر سمجھی اوس کے رہنے والے مجھے لونڈی کے مان کا بھی مستحق نہین سمجھتے، مین نے اپنے مان باپ بھائی بہن چھوڑکر جنھین اپنا مان باپ بھائی بہن سمجھا، انھین میری صورت دیکھنا تک گوارا نہین، کیا سنسار مین میرے لیے دُکھ ہی دُکھ ہی یا صرف مین ہی ابھاگن دُکھ کے لیے بنائی گئی ہون، لیکن مین سمجھتی ہون کہ آدمی سنسار مین دُکھ سہنے کے لیے نہین بھیجا گیا ہی اگر ایسا ہوتا تو یہ آتما سکھ کی تلاش مین ڈانوا ڈول نہ رہتی۔

سچ ہے عورت کی انتہائی تذلیل اوسمین ایک بہت بڑا انقلاب پیدا کردیتی ہی سکھ کی بھوکی عورت نفس کی وساطت سے خارزار گناہ کی جانب بڑھی چلی جارہی تھی اوسکی کامنائین ایک سبز باغ تیار کررہی تھین، اور وہ گویا اوسمین گلاب کی روش پر بیٹھی ہوئی ایک خوشنما پھول کو چوم رہی ہے، اور کبھی کبھی چمن کے ایک گوشہ سے آنیوالی بانسری کی سُریلی آواز اوسکی سامعہ نوازی کررہی ہی اوسکے خیالات ایک دلفریب وادی مین چکر لگا رہے تھے،

وہ بستر پر پڑی ہوئی رات بھر کروٹین بدلتی رہی اصدمات کی چوٹ اور غم کے بار سے اوسکی

وح مجروح و مضمحل ہو رہی تھی، صبح کو بستر سے اسطرح اُٹھی جسطرح مہینون کا بیمار، دیر تک وہ رات کی
تون کو سوچتی رہی، پھر دل ہی دلمین کہنے لگی "

آہ مرد کا دل کیسا پتھر ہوتا ہے، اس بے عزتی کا بدلہ، اس بیدردی کا عوض، اگر مین نہین تو
میرا پرماتما اُس ظالم سے ضرور لیگا؛

آہ! سنسار بسوت کے دریا مین کلیلین کر رہا ہو اور مین غم کے اتھاہ سمندر مین ڈوبی جا رہی ہون،
وہ، موہنی، منوہر، اور جسے دیکھتی ہون سب دنیا کے سکھ بھوگ رہے ہین، ........

منوہر کا خیال آتے ہی اسکا دل زخمی سانپ کیطرح پیچ و تاب کھانے لگا، اسکے پوشیدہ
غم مین ایک پُر لطف ٹیس اُٹھنے لگی، اب اسکے سارے خیالات سمٹ کر اسی مرکز پہ آگئے، اور ٹوٹا
دا سلسلہ اسطرح سے شروع ہوا،

وہ ہان منوہر، وہ بھی سکھی ہو، جب مین نے اوسکی طرف دیکھا تھا تو وہ بانسری کی دھن مین مگن تھا
لیکن آہ میرے ٹوٹے ہوئے دلکے ترانے کو کون سن سکتا ہے، ابتک منوہر کی بنسی کی آواز میرے دل کو
گدگدا رہی ہو، اُسکی آواز سنکر میری آتما کیسی سکھی ہو گئی تھی، کیا وہ سکھ راگ مین بھی سکھ سکتی ہون،
بنسی کی آواز پریم رس مین ڈوبی ہوئی تھی، تو کیا پریم مین سکھ ہے؟..... ضرور ہوگا، دنیا مین طلب
عیش انسان کی جد و جہد حیات کا مرکز ہی، اور یہی انسان ایک وقت مین "پریم" کی دیوی پر جان
تک نثار کر دیتا ہی، اسلیے ضرور یہ پریم دنیا کی ساری مسرتون کی جان ہوگی، پر مین ابھاگن تو اس
لذت سے محروم ہون "

(۹)

کامنی ایک دن شام کیوقت کوٹھے پر کھڑی ہوئی غروب آفتاب کا تماشا دیکھ رہی تھی، اس کی
ہین شفق کی رنگینیون سے کھیل رہی تھین اور شفق کی سرخی اسکی سفید ریشمی ساری کے آنچل کو گلابی
نے مین مصروف تھی دفعتہً سیٹی کی ایک دھیمی آواز اوسکے کانوں مین آئی وہ چونک پڑی اور اسطرح
رونطرف دیکھنے لگی جسطرح ایک وحشی ہرنی تیر کی سنسناہٹ سے خوف زدہ ہو کر چارونطرف دیکھنے
ی ہے، منوہر اپنے کوٹھے پر کھڑا ہوا موہنی کی محویت کا تماشا دیکھ رہا تھا، کامنی کی نظر جب اسطر
ا تو خود بخود اسکے ہونٹون پر ایک خفیف تبسم کی لہر دوڑ گئی اور شوخ نگاہین اداے شرم کا مرقع بنگئین

وہ بت بنی کھڑی تھی مگر اوس کا دل اس تیزی کے ساتھ دھڑک رہا تھا گو یا اوس نے ابھی ابھی کسی معصوم کو قتل کر دیا ہے، چند لمحے کے بعد منوہر نے پھر سیٹی بجائی، اور جسطرح ایک تیتری قفس کی سنجیوں کے با وجود صیّاد کی آواز پر بولنے لگتی ہے بالکل اسیطرح کامنی کی جھکی ہوئی نگاہین اسطرف اوٹھ گئیں،

اگرچہ شرم عورت کی فطرت ہی لیکن جب نفس فریب کار غالب آجاتا ہی تو فطرت ایک عورت کے قلب سے اپنا اقتدار اُٹھا لیتی ہی، کامنی کی بیباکی منوہر کی جرأت کا سبب بن گئی، بیشک اگر عورت اپنے ہاتھوں فطرت کو مجروح نہ کرے تو صرف ایک مرد ہی نہین دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت اوس کی معصومیت کو زائل نہین کر سکتی،

منوہر نے جیب سے پنسل اور کاغذ نکالکر، کچھ لکھا اور کامنی کیطرف پھینکدیا، کاغذ آکر کامنی کے رخسارے پر لگا، منوہر ہنسا، وہ مسکرائی، اور کاغذ لیے ہوئے کمرے مین چلی آئی، اسمین لکھا تھا،

”جان منوہر! تمھاری حالت مجھے سب معلوم ہے، میرا حال جاننا چاہتی ہو تو اپنی ان رسیلی اور ظالم آنکھوں سے پوچھو، جنھوں نے میرے دل پر خدا جانے کتنی بجلیاں گرائی ہین، زہر اور امرت دونوں تمھاری نگاہوں مین ہین، مار دیا جلاؤ،،

خط پڑھتے ہی اسکا دل دھڑکنے لگا، چہرے کا رنگ بدلنے لگا، کبھی زعفرانی ہوتا تھا، کبھی گلابی، چند لمحوں تک یہی حالت رہی آخر کار نفس کا فریب غالب آیا، اور گلابی رنگ مین ایک چمک پیدا ہوگئی اس نے دوبارہ خط پڑھا، خط کو تمام کرکے کاغذ سامنے سے ہٹایا تو دیکھا کہ رمتا سامنے کھڑی ہوئی اسطرح گھور رہی ہی گویا وہ کاغذ پر لکھی ہوئی ساری عبارت پڑھ چکی ہو،

کامنی کی نگاہ اُٹھتے ہی رمتا بولی ”کیوں بہوا آج پھر وہی بات، تمھارے ہاتھ میں یہ کیسا کاغذ ہے چور کا دل ہی کتنا، کامنی سر سے پیر تک لرز گئی، لیکن فوراً ایک خیال اوسکے دماغ مین پیدا ہوا، اُس نے ترشروئی کیساتھ کہا ”تم کون ہو جو ہر وقت میرے پیچھے پڑی رہتی ہو - یہ خط میرے میکے سے آیا ہی رمتا نے تنککر جواب دیا، بہو میرے بال سفید ہوگئے ہین، تم ابھی کل میرے سامنے ننگی پھرا کرتی تھین آج مجھ ہی سے اڑتی ہو،

کامنی گھبرائی ہوئی آواز مین بولی - رمتا! مین تجھ سے چال چل رہی ہوں؟

رمتا "بہو یہ چال نہیں تو کیا ہے، مین بڑی دیر سے زینہ پر کھڑی تمہارے کرتوت دیکھ رہی ہون۔

چارون طرف سناٹا چھا گیا۔ کامنی کی بدنامی اُسکے کانون مین گونجنے لگی۔ غمزدہ اور بیکس عورت ڈرگئی۔ آنکھون مین آنسو بھر آئے۔ رکتی ہوئی آواز سے بولی "رمتا! کیا سنسار کے ساتھ تو بھی میری دشمن ہے۔

چالاک عورت نے ذرا نرم لہجہ مین جواب دیا "پرماتما نہ کرے، دشمنی کیسی؟ اور ایک لمحہ سکوت کے بعد بولی۔

بہو! سنسار کی تو یہی گت ہو رہی ہے، ہزارون لاکھون مین ایک ہوگی جو سیتا ساوتری کی طرح دُکھ بھوگنا پسند کرے۔

بہو! کیا مین جانتی نہین کہ بابو جی موہنی کے پریم جال مین پھنسے ہوئے ہین۔ جوانی اور دکھ ایک دوسرے کو کھانے کے لیے تیار رہتے ہین مین دیکھتی ہون کہ دُکھ تمہاری جوانی کو کھا رہا ہے۔

مجھے وہ دن بھی یاد ہے جب تم دلہن بنی اس گھر مین اُتاری گئین۔ بدن کی جوت سے گھر مین اُجالا پھیل گیا تھا۔ آج تمہارا مکھ گیندے کا پھول ہو رہا ہے۔ کوئی دوسری استری ہوتی تو اب تک کھلا کر گلی ہوتی۔

بہو! تمنے اب تک جو کچھ کیا وہ اتنا ہے جسے آج سنسار کی لاکھون عورتین ملکر نہین کرسکتین۔

ہائے ایسے گھر کی تیری جہان دھن برستا تھا۔ چاہتی تو راجہ مہاراجہ دہلیز پر گھٹنے ٹیکتے۔ پر قسمت کی بات ایسے گھر مین پہونچی جہان کی کہاریان تک نندا کرنے کو تیار رہتی ہین۔ یہ سب پرماتما کے کھیل ہین"

رمتا اپنی زبان سے ایسے آبحیات کی دھار بہا رہی ہے جسمین زہر ہلاہل کی آمیزش تھی۔ اور سکھ کی بھوکی۔ نفس کی فریب خوردہ کامنی اُسکی سمیّت کو اپنے دلمین جگہ دیتی جاتی تھی۔

رمتا چپ ہوئی۔ تو کامنی نے اپنے ہاتھ کا کنگن اُتار کر اُسے دیا اور کہا "بوا، ایشور کے لیے دنیا کی زبان سے بچانا۔ میری آبرو تمہارے ہاتھ ہے۔"

مکار بڑھیا کا مطلب ایک حد تک حل ہوگیا۔ خوبصورت سونے کے کنگن کی چمک دیکھتے ہوئے بولی "نہین بہو! تمہارا بھید جان کے ساتھ ہے۔" پھر کہنے لگی "تم منوہر بابو کو جانتی ہو"

کامنی نے زبان سے تو کچھ کہا نہین مگر دل دھڑکنے لگا۔

رمتا بولی "وہ پٹنہ کے ایک سیٹھ کے لڑکے ہین۔ تمہارے پڑوسی رام بابو کے رشتہ دار ہین۔

ابھی بیاہ نہین ہوا ہی، صورت شکل کا کیا کہنا، تم انھین خود دیکھ چکی ہو،

قریب تھا کہ کامنی کے دلکی ہنسی مین ہونٹھ بھی شریک ہوجائین مگر اوس نے ضبط کر کے کہا اچھا آو نیچے، کہین بائی جی اس روز کی طرح بگڑنے نہ لگین۔ کامنی ایک سرد آہ بھرکر کھڑی ہوئی، رمنا بھی اُٹھی اور دونون نیچے اُتر آئین،

(۱۰)

منوہر کے خط کو ایک ہفتہ گذر چکا تھا، کامنی اب پہلی کامنی نہ تھی، نفس اوسے ایک ایسے دلفریب چمن کے دروازہ تک لیجا چکا تھا، جسمین قدم رکھتے ہی عورت عصمت مآب عورت نہین رہتی، اُسکا دل اکثر منوہر کے خیال کے کھلا کرتا اور جوانی کی امنگین اُبھار اُبھار کے اُسے اس دلکش وادی کیطرف لیجانا چاہتی تھین جسکی فضا نفسانیت سے معمور ہے،

منوہر بھی محبت کا زخم کھا چکا تھا، اور محبت بھی ایسی محبت جسمین نفس کی شرکت ہوتی ہی، آٹھوین دن کامنی کو دوسرا خط لکھا، مضمون یہ تھا،

مریجان، اب صبر کی طاقت نہین، پروانہ کب تک شمع سے دور رہ سکتا ہی، مرے ضبط کا پیمانہ اب لبریز ہو چکا ہے،

عورت جب بیباک ہوجاتی ہے تو وہ جرأت بھی اوسکے لیے بہت آسان ہوجاتی ہے جسکے خیال سے وہ کبھی کانپ اٹھی ہو، کامنی نے خط پڑھا اور اوسکے جواب مین یہ دو جملہ لکھ کر منوہر کیطرف پھینک دیئے "

"آپنے جو کچھ لکھا صحیح، اور تسلیم، لیکن مین کیا کرسکتی ہون"

تھوڑی دیر مین ایک دوسری تحریر اسکے پیرون کے پاس آکر گری "

"پیاری کامنی! ایک تدبیر ہے اور صرف ایک، گھر چھوڑ دو، رمتا ملی ہوئی ہی چاہے بنارس مین رہو یا کلکتہ مین"

جسطرح چوری کرتے وقت چور کا دل دھڑکنے لگتا ہی اسیطرح خط پڑھتے وقت کامنی کا قلب بڑی تیزی کیساتھ حرکت کرنے لگا، اس مختصر تحریر کا ختم کرنا اوسے دشوار ہوگیا، پیر ڈگمگانے لگے بیٹھ گئی اور سوچنے لگی،

کیا مین گھر کو چھوڑ دون؟ پرماتما! میرے بھاگ مین کیا لکھا ہے؛ پت کا گھر چھوڑ کر اپنے دھرم اور اور اسکے کل مین داغ لگاؤن؟ سنسار کیا کہے گا۔ آہ! کیا مین ہمیشہ دکھ سہنے کے لیئے پیدا کی گئی تھی، کیا خوشی میری قسمت مین نہین، لیکن دنیا اپنی خوشی پر مرتی ہے پھر مین اپنی خوشی کو کیون چھوڑ دون، یہی نا کہ دنیا ہنسیگی، یہ ہنسی بھی ایک اعتباری چیز ہے۔ اس گھر کا ذرہ ذرہ میرا دشمن ہے اور منوہر مجھے پیار کرتا ہے، آخر اس نے خط کی پشت پر یہ جواب لکھا۔

میری سمجھ مین کچھ نہین آتا، پریم کی زنجیر میرے گلے مین ہے اور اوسکا سرا آپکے ہاتھ مین، جو چاہے کیجیئے، جہان مزاج مین آئے، لیچلیئے .....

خط لکھنے کے بعد کاغذ منوہر کی جانب پھینک دیا، کاغذ پھینک کر ایک لمحہ انتظار کیئے بغیر کامنی نیچے اتر گئی،

منوہر کا فریب اپنا کام کر چکا تھا، کامنی مسحور ہو چکی تھی، دنیا اوسکے سامنے پھر ایک دفعہ اپنی تمام و کمال دلکشیون کے ساتھ جلوہ افروز نظر آنے لگی، سکھ اور پریم کے نغمے اوسکے کانون مین گونجنے لگے، اور عالم تخئیل کا ہر ذرہ خواب حسرت سے بیدار ہو گیا، کامنی کوٹھے سے اتر کر اپنے کمرہ مین پہونچی وہ اسوقت ایسی مسرت محسوس کر رہی تھی گویا کوئی نیک کام کر چکی ہو اوسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ منوہر کو محبت کی دستاویز لکھ کر اوس نے اپنے دل سے ایک پہاڑ ہٹا دیا ہے،

وہ سوچنے لگی "سکھ کا دروازہ اگر پریم سے کھولا جا سکتا ہے تو مجھے چابی مل گئی،

پرماتما! مین خواب تو نہین دیکھ رہی ہون کیا ایک دکھیا بھکارنی سے بدتر کامنی سکھ اور پریم کی رانی بن سکتی ہے۔

جسطرح گلاب کے پھول کی طرف بڑھنے والا حریص ہاتھ نوک خار سے چھبنے سے فوراً واپس کھنچ آتا ہے اوسیطرح یہان پہونچکر کامنی کے سامنے سے طلسم خیال کا پردہ سرکنے لگا، کبھی نہین آہ یہ دھاتا کا کھیل، بازیگر کا تماشا نہین ہے، کرم کا لکھا پتھر کی لکیر ہے، اور اُسے برھما جی بھی مٹا نہین سکتے مگر یہ کیفیت بسرعت زائل ہو گئی، اور کامنی کا حریص ہاتھ پھر گلاب کی طرف بڑھنے لگا، لیکن مین دیکھ رہی ہون کہ پریم میرے دلکو شیتل کر رہا ہے، اور سکھ کے راگ میرے کانون مین گونج رہے ہین، دنیا! تجھ مین اگر سکھ اور پریم نہین تو کچھ بھی نہین، مین سکھ اور پریم کے لیے دنیا کو چھوڑتی ہون،

کیونکہ وہی میری دنیا ہیں،،

کامنی اب پختہ ارادہ کرچکی تھی کہ گھر چھوڑکر اپنی مضطرب ہستی کو منوہر کی آغوش محبت میں ڈالدے چنانچہ جب وہ منوس رات آئی جسکی آغوش مین اوسکی حیات رسوا کے ابتدائی لمحات پوشیدہ تھے تو وہ ایسی جرأت دیبا کی ساتھ رمتا کی رہنمائی مین شوہر کے گھر سے نکل کھڑی ہوئی گویا وہ ایک ایسا مقدس ترین فریضہ ادا کرنا چاہتی ہو جو حیات کا مقصد اولین ہو اور جسکے لیے دنیا بھر کی ملامتوں سے چشم پوشی کیجا سکتی ہے

فضا خاموش تھی، چاروں طرف سناٹے کا عالم طاری تھا، مگر آسمان اور آسمان کا ہر ستارہ زمین اور زمین کا ہر ذرہ، ہوا اور ہوا کی ہر موج تاریکی اور تاریکی کا ہر منظر، سکوت اور سکوت کا ہر لمحہ اوسپر لعنت بھیج رہا تھا، کامنی کو ایسا معلوم ہوتا کہ گویا سندر سنگھ ایک طرف سے تیزی کیساتھ آکر اوسکا ہاتھ پکڑ لینا چاہتا ہو، رمتا دیکھتی کہ پولیس کا ایک پہرہ دار سپاہی سامنے سے ہتھکڑیا لیے ہوے چلا آرہا ہے، رمتا گھر سے جتنی ہی دور ہوتی جاتی، اوتنا ہی اسکا خوف کم ہوتا جاتا مگر کامنی جتنا ہی آگے بڑھتی اوتنا ہی اوسکی دہشت مین اضافہ ہوتا جاتا تھا، جسطرح تیر کھائی ہوئی ہرنی جب بھاگتی ہے تو ہر ہر قدم اوسکی وحشت بڑھتی جاتی تھی تاہم گناہ کی یہ دونوں متوالیاں قدم اُٹھائے بڑھی چلی جارہی تھیں،

کامنی کے حسن تخئیل مین اوسکی منزل مقصود تو ایک ایسی پرفضا وادی تھی جہاں پہونچکر ایک عورت کے لطیف ترین محسوسات بیدار ہو جاتے ہین، اور وہ دنیا کو دنیا اور زندگی کو زندگی سمجھنے لگتی ہو مگر اسوقت روح پر ایک ناقابل برداشت اضمحلال طاری تھا، اوسکی ہر سانس ایک داستان افسردگی تھی اور قلب کی ہر حرکت ایک فسانۂ پژمردگی، لیکن حقیقت کا پالینا اوسکے لیے بہت دشوار تھا، کیونکہ نفس کا فریب اسکے راستے مین اپنی مست خوشبو والے پھول بکھیرتا جارہا تھا، جن سے روح پرور تخئیل کی دنیا مہک رہی تھی،

تھوڑی دیر مین یہ دونوں عورتین اوس جگہ پہونچ گیئن، جہاں گاڑی لیے ہوے منوہر اوسکا انتظار کررہا تھا، یہ تینون گنہگار گاڑی مین بیٹھکر اسٹیشن پر پہونچے، اور چورون کی طرح منھ چھپاکر ایک گوشے مین بیٹھ گئے،

کامنی کی حالت اپنے دونوں ساتھیوں سے جداگانہ اور بدتر تھی۔ اوسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اوسکا دل بیٹھا جا رہا ہی، اوسکی روح مین ارتعاش ہی اور وہ شدت کرب سے فضائے بسیط مین تحلیل ہوئی جا رہی ہے، وہ سوچنے لگی کہ

محبت جسکی تکمیل مسرت کی تکمیل ہی، اپنی ابتدائی منزلون مین اس درجہ روح فرسا ہوتی ہی کہ مین ہر لمحہ موت کی سختی محسوس کر رہی ہون۔ مین دیکھتی ہون کہ اسکی تلاش مین جتنا ہی آگے بڑھ رہی ہون اُتنا ہی اُس سے دور معلوم ہوتی جاتی ہون۔ کیا سکھ میرے پیچھے چھوٹتا جا رہا ہے؟ کیا یہ راستہ مسرت کی دیوی کے مندر کیطرف نہین جاتا ــــــــــــــــــ پرماتما! میری مدد کر ــــــــ کیا سچ مچ مین ابھاگن فریب مین مبتلا ہون۔

"فطرت بہترین رہنما ہی" ایک حساس عورت جب گر کر اُبھرتی ہے تو وہ پوری طاقت سے روح کا دامن تھام لیتی ہے،

کامنی کا سلسلہ تخیل قائم ہے۔

آہ سنسار دھوکے کا آشرم ہی، اوسکی فریب کاریان جادو کا اثر رکھتی ہین، مین بدنصیب جس چیز کو سونا سمجھ کر اوسکے پیچھے دوڑ رہی تھی، وہ اب پیتل نظر آ رہا ہے، یہ دنیا مجھے فریب دے رہی تھی منوہر نے مجھے پریم کا دھوکا دیا بیشک دوسرن کی بہو بیٹیون کو بھگانیوالا کبھی سچا پریمی نہیں ہو سکتا۔ پرماتما! مین اب کیا کرون، کیا اپنے پت کے گھر واپس جاؤن ــــــــ نہین یہ مجھ سے نہین ہو سکتا جو لوگ پہلے ہی میری صورت دیکھنا نہین چاہتے تھے، اونکے سامنے اب جانے سے مرجانا بہتر ہے، پھر ــــــــ! منوہر کا ساتھ دون؟ ــــــــ نہین یہ بھی نہین ہو سکتا پریم جو ایک عورت کی حقیقی زندگی ہی، جب منوہر کے پاس نہین ہی تو اوسکا ساتھ دینا میری تمناؤنکی موت ہی ــــــــ

پھر مجھے کیا کرنا چاہیئے ــــــــ"

یہان پہونچکر کامنی کا سلسلہ تخیل ٹوٹ گیا، رمتا کامنی سے اُٹھنے کو کہہ رہی تھی، کیونکہ گاڑی پلیٹ فارم پر آ چکی تھی، کامنی اُٹھکر رمتا کے پیچھے اسطرح چلدی گویا وہ اوسکے گلے مین زنجیر ڈالے ہوئے کھینچ رہی ہو۔ یہ وقت اوسکے لئے سخت ترین وقت تھا،

کامنی نے ریل مین بیٹھتے ہی اپنے سلسلہ تخیل کو پھر قائم کیا،

"ہان ایک تیسرا راستہ جو موت کے گھاٹ کیطرف جاتا ہے میرے لیے کھلا ہوا ہے، بس یہی ایک راستہ ہے جسپر چلکر میری آتما پریم اور سکھ حاصل کر سکتی ہے، پرماتما! اس راستے مین میری رہنمائی کر،

چند لمحون کے بعد اوس نے سر اُٹھایا، اب اوسکے مرجھائے ہوے چہرہ پر سرخی دوڑ رہی تھی، اور ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ اوسکی روح ایک خاص کیف سے مخمور ہے اور اوسنے "پریم اوشکہ" کو دیکھ لیا ہے،

گاڑی گنگا ندی کے پل سے آہستہ آہستہ گذر رہی تھی، یکایک کھڑکی کا دروازہ کھلا اور کامنی دریا مین کود پڑی، لوگون نے دیکھا، جسطرح کنول کا پھول اپنی آغوش شوق کھولکر پریم کے ساتھ بھونرے کو چھپا لیتا ہے اوسی طرح پانی کی موجون نے جوش خلوص مین غم کی ماری عورت کو آغوش مین لے لیا، اور پھر دنیا اوسکی صورت دیکھنے کو ترس گئی، شاید اوسے سکھ مل گیا، اور پریم کی شانتی نصیب ہو گئی ———

گاڑی کامنی کا ماتم کرتی ہوئی پل سے گذر گئی، کلکتہ تک کامنی کی موت ریل کا فسانہ بنی رہی، دوسرے دن صبح آٹھ بجے اسٹیشن مین یہ خبر گشت لگا رہی تھی،،

"ایک عورت کی عبرتناک خودکشی"

منوہر اور رمنا کو سزا ہو گئی، سیٹھ کشن نراین اور انکی بیوی دونون پہلے ہی کامنی کی بدنصیبی پر کُڑھتے کُڑھتے نیم جان ہو چکے تھے، یہ روح فرسا خبر سُنکر ایسے گرے کہ پھر جانبر نہ ہو سکے، کامنی کی بے درد ساس اس حادثہ کے دو ہفتہ بعد قلب کی حرکت ایکدم رُک جانے سے موت کا نشانہ بن گئی،

سندر سنگھ کی ساری دولت موہنی کے نذر ہو گئی، اور آخر وہ دو دن متواتر فاقہ کرنے کے بعد اپنے ایک پرانے ملازم کی دوکان مین قلیل تنخواہ پر کام کرنے لگا جو آج بھی قابل عبرت کسمپرسی کی حالت مین زندگی کے دن کاٹ رہا ہی،

موہنی ہان صرف موہنی ہی اس فسانہ کی مسرتون کی واحد مالک رہی، آج کانپور کی ممتاز اور دولتمند طوائفون کی ملکہ بنی جا رہی ہے، شہر کے بڑے بڑے تاجر اور رئیس اس سے ملنا

فخر سمجھتے ہین، طوائفین اوسکی قسمت پر رشک کرتی ہین اور حسن کے پرستار اوسکے رخسار ون کی دلفریب سُرخی پر اپنی جان نچھاور کرنا حاصل حیات سمجھتے ہین ، مگر آہ ، انمین سے کسی کو بھی یہ خبر نہین کہ وہ سُرخی کم از کم پانچ اور خدا جانے کتنی بے گناہ ہستیون کے خون کی داستان رنگین ہے جسے دیکھکر ایک آسمانی آواز کہہ رہی ہے ؎

قریب ہے یارو روز محشر چھپے گا کشتون کا خون کیونکر
جو چپ رہیگی زبان خنجر لہو پکاریگا آستین کے

عابد بلھوری

# رسید کتب

سوانح عمر خیام، مولفہ جناب عیاذ اکرام اللہ صاحب صدیقی پانی پتی ، مع تاج الکلام ترجمہ رباعیات از حضرت قوی امروہوی ، مطبوعہ شاہجہانی پریس دہلی قیمت ۱۲

رباعیات سرمد ، مع اردو ترجمہ جواہر منظوم مترجمہ جناب مولت لکھنوی ، ومقدمہ نوشتہ مولانا ابوالکلام ، مطبوعہ شاہجہانی پریس دہلی ، قیمت ۱۲؍

دیوان حسرت ، حصہ پنجم قیمت ۴؍ حصہ ششم ۸؍ حصہ ہفتم ۴؍ حصہ ہشتم ۸؍ حصہ نہم ۴؍ مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ ، ملنے کا پتہ بیگم حسرت موہانی محلہ توپخانہ بازار کانپور

مکاتیب امیر مینائی ، مرتبہ مولوی احسن اللہ خانصاحب ثاقب مدیر رسالہ فنڈ پارسی وپید فلیسر وکٹوریہ کالج گوالیار ، مطبوعہ مطبع دائرہ ادبیہ لاٹوش روڈ لکھنؤ قیمت ۱۲؍

سیاسیات ، مصنفہ محمد اجمل خان بی اے علیگ ، مطبوعہ یونانی دواخانہ پریس الہ آباد

جولیس سیزر ، مترجمہ سید تفضل حسین ناظر مدارس مدرجہ اول ضلع کریم نگر حیدرآباد دکن ، مطبوعہ اختر دکن پریس افضل گنج حیدرآباد قیمت ۸؍

تسخیر فرانس ، (شکسپیر کے مشہور ڈرامے ہنری پنجم کا ترجمہ ) مترجمہ سید تفضل حسین ناظر مدارس درجہ اول کریم نگر ، مطبوعہ اختر دکن ، پریس افضل گنج حیدرآباد ، قیمت ۸؍

# بزم ماتم

## (از حضور نظام خلد اللہ ملکہ)

### سلام فارسی

کجا زبان جہان و کجا ثنائے حسینؓ — زجان و دل شدہ ہر دو جہان فدائے حسینؓ

فروغ دیدۂ بینا و سرمۂ بینش — بچشم اہل نظر ہست خاکپائے حسینؓ

وضو برائے دعائے نجات اہل خطا — بخون خویش کہ کرد است ماسوائے حسینؓ

چہ ہمت است کہ از حق نخواست پیغمبر — بجز شفاعت امت بخون بہائے حسینؓ

بلائے جملہ جہان گر نہند در میزان — گران بود زہمہ پلہ بلائے حسینؓ

علوئے مرتبہ منظور حضرت حق بود — برانس وجن و ملائک ز ابتلائے حسینؓ

ز داور دیگر قیامت رہا شود عثمان — کہ یکہ مست بود از مئے ولائے حسینؓ

### سلام اردو

بہائے اشک جو چشم پر آب سے پہلے — گہر ملین اسے شہ کی جناب سے پہلے

علیؓ بے مدد آتے ہین لے لحد میں مرے — فشار دے نہ مجھے بوتراب سے پہلے

ثنائے آل نبی ہم نے کی ہے جب آغاز — زبان دھوئی ہے برسون گلاب سے پہلے

چلے حسینؓ جو میدان مین سر کٹانے کو — سکینہؓ دوڑ کے لپٹی رکاب سے پہلے

زبان وہ خشک ہوئی آہ روز عاشورہ — جو تر ہوئی تھی نبیؐ کے لعاب سے پہلے

قضا پہونچی تھی لینے کو سر لعینون کے — صفون مین شاہؑ کی تیغ خوش آب سے پہلے

غم حسینؓ سے تشبیہ دے اگر عثمان — تو داغ دور کرے ماہتاب سے پہلے

### قطعہ

بنا رنگ عزا عثمان جہا شبیرؓ کے غم سے — چمن مین روز منھ دھوتی ہین کلیان اشک شبنم سے

ادھر آنکھون کو مشغولی ادھر ہاتھون کو مصروفی — نہ فرصت انکو رونے سے نہ فرصت انکو ماتم سے

(عالمِ بیخودی مین)

قیس اک دیوانۂ الفت پرستارِ وفا
نجد کے جنگل مین ہے بے خانمان بیٹھا ہوا

وہ کبھی خاموش ہے اور ہے کبھی نغمہ سرا
ہمنشین کوئی نہین اُسکا بجز ذاتِ خدا

اِک سکونِ قلب دل محویتِ کامل مین ہے
شکل لیلیٰ ہے نظر مین یادِ لیلیٰ دل مین ہے

فرطِ غم سے روح ہو جاتی ہے جب اندوہ گین
دفعتہً ہونٹو نپہ آجاتی ہے آہِ آتشین

گو کہ ہے ایذا کش غم اس کا جسم نازنین
لیکن اُسکو راحت و غم کی ذرا پروا نہین

اپنی دُھن مین مست ہے وہ رہ نوردِ عاشقی
حسن کے جلوون مین دل ہے، دل مین دردِ عاشقی

اُسکو کیا پروا کہ وہ محوِ خیالِ یار ہے
خوگر آلام ہے، لذّت کشِ آزار ہے

بادۂ خمخانۂ اُلفت سے دل سرشار ہے
عشق کی مرہونِ منت اُسکی جانِ زار ہے

قلبِ مضطر اس کا ہے آئینہ دارِ آرزو
اور وہ خود ہے سراپا سوگوارِ آرزو

اسطرح ساکت ہے وہ دیوانۂ صبر آزما
خاک پر بیٹھا ہو جیسے کوئی پُتلا خاک کا

نجد اُسکے دم سے ہے اک منظرِ حیرت فزا
خاک پر لکھا ہوا ہے نام لیلیٰ جا بجا

روحِ مضطر اُسکی سوزِ عشق سے لبریز ہے
اُسکی ہر اک سانس، اک برقِ تجلی ریز ہے

جب اُٹھا کوئی بگولا ہو گیا وہ بیقرار
دوڑتا پھرتا ہے اُسکے ساتھ وہ دیوانہ وار

چاہتا ہے ہو تصدق اُسکے اوپر بار بار — اِک فریب شوق ہے اُسکے پئے گرد و غبار

جوش وحشت مین فریب شوق باطل ہی سہی
وہ سمجھتا ہے مری لیلیٰ کا محمل ہے یہی

جب کبھی کوئی مسافر آنکلتا ہے اُدھر — جوش وحشت سے قدم لیتا ہے اُسکے دوڑ کر
سر جھکا دیتا ہے اپنا پہلے اُس کے پاؤن پر — پھر بیان کرتا ہے رو کر قصّۂ دردِ جگر

پوچھتا ہے حال لیلیٰ اُس سے پھر دیوانہ وار
جھومنے لگتا ہے جذبِ شوق سے مستانہ وار

قافلون کے ساتھ اکثر دُور تک جاتا ہے وہ — منزلِ مقصود کا اپنی نشان پاتا ہے وہ
نغمہ زن ہوتا ہے جسدم ہوش مین آتا ہے وہ — قافلے والون کو کیا کیا وجد مین لاتا ہے وہ

منزلون کے بعد کم ہوتا ہے جب جوشِ جنون
دشت مین پھر لوٹ کر آتا ہے با حالِ زبون

سامنے آتی ہین اُسکے جب کبھی کچھ ہرنیان — مشتعل ہوتی ہے دلمین آتشِ سوزِ نہان
یاد آتی ہین کسی کی مست آنکھین ناگہان — اُسکی چشمِ شوق سے ہوتے ہین پھر آنسو رَوان

دوڑتا ہے اِن کے پیچھے پیار کرنے کے لیے
اُنپہ قربان اپنی جان زار کرنے کے لیے

مطلعِ زرّین سے جب ہوتا ہے طالع آفتاب — اور بھی بڑھتا ہے اُسکے دلکا جوشِ اضطراب
اسطرح ہوتی ہے اُسکی روح وقفِ انقلاب — مضطرب ہو رند جیسے دیکھکر جامِ شراب

وہ سمجھتا ہے کہ عکس چہرۂ لیلیٰ ہے یہ
بس اسی جلوے سے ساری روشنی پھیلی ہے یہ

یون تو پیاری ہے اسے دل سے اندھیری رات بھی — وہ سمجھتا ہے کسی کی زلف ہے بکھری ہوئی
ماہ جب ہو جلوہ گر اور رات ہو تارون بھری — کوئی دیکھے تو سہی اسوقت اسکی بیخودی

آسمان کو دیکھکر یون دل سے کرتا ہے خطاب
دیکھ لے اے دل کہ ہے اسوقت لیلیٰ بے حجاب

جب گذرجاتا ہے حد سے اسکا جوش بیخودی — رنگ لاتا ہے نیا سوز و گداز عاشقی

چاک ہوجاتا ہے آخر۔ دیدۂ دیوانگی — اور کھلتی ہے حقیقت بیخودی عشق کی

اپنی ہستی پر اُسے ہوتا ہے لیلیٰ کا گمان
بول اُٹھتا ہے ”انا لیلیٰ“ وہ سرمستِ فغان

دُور ہوجاتا ہے دلسے اُسکے سب رنج و ملال — اور ٹل جاتا ہے سر سے شام فرقت کا وبال

پھر نہین رہتا اُسے لیلیٰ کے محمل کا خیال — دیکھتا ہے دلمین وہ ”لیلائے فطرت“ کا جمال

ہان فنا فی العشق ہوجانا مآل عشق ہے
اپنی ہستی کو مٹا دینا کمال عشق ہے

سید راز چاندپوری

# کلام حسرت

لطف و کرم کی راہ سے اے جان عاشقان — رہ جا کبھی تو آن کے مہمان عاشقان

ہر ہر قدم پہ راہِ وفا مین ہے خوف جان — گر ہو نہ لطفِ یار نگہبان عاشقان

سچ پوچھئے تو حسن سے کچھ کم نہین ہے عشق — یہ جان عاشقان ہے وہ جانانِ عاشقان

رنگینیٔ سرشک محبت کے حسن سے — دامان عاشقان ہے گلستان عاشقان

خلقِ خدا ہے گوش بر آوازۂ جمال — مانین گے اب بھی آپ نہ احسان عاشقان

ہمسکو گدا نہ جان کہ اے سرفرازِ ناز — افتادگی ہے شیوۂ شایان عاشقان

نورِ خیالِ یار سے روشن ہے سربسر — با وصفِ ظلمِ ہجر شبستانِ عاشقان

لیتے ہین آرزو کا یہین آکے سب سبق — گویا ہے بزمِ یار دبستان عاشقان

لکھتا ہون مرثیہ نہ قصیدہ نہ مثنوی
حسرت غزل ہے صرف مری جان عاشقان

حسرت

# ردّ التجا

از رابندر ناتھ ٹیگور

سوال — محبوب دلربا مرے کر اعتبار عشق — ہو چکا ہے یاس خیز بھی انجام کار عشق
اے چارہ گر علاج دل دردمند کر — تو باب دلکو اپنے نہ للّٰہ بند کر
جواب — ممکن نہین بر آئے کبھی مدعا ترا — آتا نہین سمجھ مین کہ منشا ہے کیا ترا
سوال — کر تو مرا یقین، اگر اعتبار ہو — یہ دل اسی لیے ہے کہ تجھپہ نثار ہو
ہے ایک میرے اشکون کا قطرہ بھی اسکے ساتھ — اور ایک دلفریب ہے نغمہ بھی اسکے ساتھ
جواب — ممکن نہین بر آئے کبھی مدعا ترا — آتا نہین سمجھ مین کہ منشا ہے کیا ترا
سوال — عمر نشاط فرصت برق و شرار ہے — ہستی کا اسکی وہم پہ دار و مدار ہے
جب گلشن جہان مین تبسم نما ہوئی — شبنم صفت یہ چشم زدن مین فنا ہوئی
لیکن ہے دیرپا غم و اندوہ کا قیام — اک نقش مستقل ہے یہ اسمین نہین کلام
آنکھوں مین تیری جلوہ نما اضطراب ہو — بیدار اسمین الفت حسرت مآب ہو
جواب — ممکن نہین بر آئے کبھی مدعا ترا — آتا نہین سمجھ مین کیا منشا ہے کیا ترا
سوال — تنویر مہر کا ہوا مشرق سے جب نزول — ہر سو کھلے تھے صحن چمن مین کنول کے پھول
فرط تپش سے حسن گران پایہ مٹ گیا — دم بھر مین انکی عمر کا سرمایہ لٹ گیا
جب زور و شور کہر سے کا ہوگا قریب و دور — کھل کر رہینگے موسم سرما مین یہ ضرور
جواب — ممکن نہین بر آئے کبھی مدعا ترا — آتا نہین سمجھ مین کہ منشا ہے کیا ترا

مترجمہ بشیشر پرشاد منوّر لکھنوی

امسال علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال دام اقبالہا کو دو جانکاہ حادثون کا سامنا کرنا پڑا
ابھی کرنیل عبید اللہ خانصاحب مرحوم کے ماتم سے فرصت نہ ملی تھی کہ ولیعہد سلطنت نواب
سر نصر اللہ خانصاحب بہادر رہگرائے عالم جاودانی ہوئے۔

ولیعہد مرحوم، اپنی نیک نفسی اور خوش خلقی کی وجہ سے رعایائے بھوپال مین بہت
ہردلعزیز تھے آج بھوپال کا ہر گھر ماتم کدہ اور ہر قلب بیت الحزن ہے۔ ہماری دعا ہے
کہ خدا مرحوم کو جوار رحمت مین جگہ دے۔ اور علیا حضرت بیگم صاحبہ کو صبر جمیل عطا فرمائے
ذیل مین ہم خان بہادر سید محمد ہادی صاحب سابق ڈپٹی کمشنر صوبہ متحدہ کی وہ پُردرد
نظم شایع کرتے ہین جو آپنے بطور مرثیہ لکھی ہے۔

ایڈیٹر

کئی دکھتے دلون کو اک نیا دکھ دیگا تو برسون — بہت سی خونفشاں آنکھون سے برسیگا لہو برسون
کہان سے لائین اے نواب نصر اللہ خان تجھ کو — یہ دو آنکھین تجھے ڈھونڈا کرینگی چار سو برسون
جگہ خالی رہے گی تیری اسلامی جماعت مین — نہ گردش دور کی پُر کر سکے گی یہ خلو برسون
تصور کو تری صورت نہ بھولے گی نہ بھولے گی — نظر کو تیرے جلوے کی رہے گی جستجو برسون
زبانین کارنامے تیرے کامون کے سنائین گی — لبون پر تیری باتون کی رہے گی گفتگو برسون
فلک پر جائیگی اس گل زمین سے باغ رضوان تک — صدائے نالہ ہائے بلبلان خوش گلو برسون
رہیگی رہ نورد نامرادی سعی لاحاصل — تجسس ٹھوکرین کھاتا پھرے گا کوبکو برسون
نہ غنچے وقت پر اپنے کھلین گے اس گلستان مین — نہ یان کے سبزۂ خوابیدہ کو ہوگا نمو برسون
برس اے ابر مژگان جسقدر تجھ کو برسنا ہے — ہمین رکھنی ہے جاری چشم تر کی آب جو برسون

وہ کاری زخم ہے پیکانِ حرماں کا کہ اے ہمدم — نہ ہوگا سوزنِ مژگانِ بستکین سے رفو برسون

پریشان خاطروں کو اب اسی الجھن مین رہنا ہے — مسلسل مثلِ زلفِ شاہدِ ژولیدہ مو برسون

نہ ہاتھ آئیگا ہرگز اوج تیری بردباری کا — تحمل پر بشر کے کوئی باندھے جو برسون

ہمارے دلکی حالت گر کوئی دیکھے تو روشن ہے — یہ آئینہ کسی جارہ چکا ہے روبرو برسون

رہی اشکوں کی گر ایسی ہی روز افزون زرافشانی — بڑھے گی مردمانِ چشمِ تر کی آبرو برسون

حقیقت مین تمہارے نزدیک وہ چیزین اچھوتی تھین — کہا گر چارہ سازون نے کہ توان کو نہ چھو برسون

زبان پرہیز کی صبر آزما طبی ضرورت سے — رہی نا آشنائے ذوقِ نعمائے حلو برسون

مرض کے سامنے احباب کی تدبیر کیا چلتی — جب اپنا کار پنہان کر چکا تھا یہ عدو برسون

قصور کار دل سرزد ہوا آخر اسی دل سے — رہا تھا عفو تقصیرات مین جسکو غلو برسون

بہت کچھ اپنے میخانے مین ناکامون کو کرنا ہے — مسلسل توڑنے مین شیشہ و جام و سبو برسون

تمنا دل مین تھی اولاد کے عقدِ عروسی کی — رہی شیشے کے اندر بے گندھے سہرے کی بو برسون

کریگا ہر کس و ناکس دعائین تیری بخشش کی — نمازین وہ پڑھین گے جو نکرتے تھے وضو برسون

مشیت لیگئی ہادی کے سر سے تیرے سایہ کو — امیدین تو یہ کہتی تھین رہے گا ہم مین تو برسون

لکھا ہاتف نے یہ شنجرف سے تخیلِ آتش کے
لحد پر دمبدم رویا کرے گی آرزو برسون
۱۳۴۳ھ

(انتخاب مشاعرہ نمایش بلند شہر منعقدہ ۱۳ فروری ۱۹۲۴ عیسوی)

### جناب بابو رگھبیر پرشاد صاحب صدر مختار عدالت بلند شہری

گرمی رگون مین کم جو ہوئی اضطراب کی ‌ ‌ ساحل پہ نبض چھوٹ گئی موج آب کی
اے موج ہو خبر نہ ترے پیچ و تاب کی ‌ ‌ پھر آنکھ ایک پل نہ لگے گی حباب کی

### قاضی حافظ الدین صاحب نشتر سکندر آبادی

اٹھی نقاب بندشین ٹوٹین حجاب کی ‌ ‌ تقدیر جاگی دیدۂ محروم خواب کی
اے میری نیکیون مین سمائے ہوئے غرور ‌ ‌ یہ کیا ہوا کہ بند ہین راہین ثواب کی
لے نیند جا کے دیدۂ دشمن مین لے پناہ ‌ ‌ آنکھین یہ جلوہ گاہ ہین اک مست خواب کی
وہ حسن گل کہ جس پہ ہے غش عندلیب زار ‌ ‌ اتری ہوئی بہار ہے تیرے شباب کی

### مسٹر انور متعلم بی اے کلاس مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

ذوق طلب نے جوش مین خود کو مٹا دیا ‌ ‌ تھین قلب کے نشیب مین راہین ثواب کی
انور خموش بیٹھے ہو کس کا خیال ہے ‌ ‌ آخر ملول کیون ہے طبیعت جناب کی

### عبدالرحمن صاحب دلیر اورنگ آبادی

بحر فنا مین غرق ہوا کون بد نصیب ‌ ‌ ساحل سے سر پٹکتی ہے ہر موج آب کی
کیا چیز تھی کہ آ ای گئی ہو گئی دلیر ‌ ‌ یادش بخیر ہائے وہ دنیا شباب کی

### منشی مہدی حسین صاحب شفق جہانگیر آبادی

حالت ہے وصل مین بھی وہی اضطراب کی ‌ ‌ اس دل نے آرزو کی بھی مٹی خراب کی
وہ پوچھتے ہین دل مین میرے داغ دیکھکر ‌ ‌ ہوتی نہین ہے رات بسر آفتاب کی

حکیم بھاگناتھ صاحب عنبا خورجوی

بادل مین کوندکوندکے ہر بار بجلیان　تصویر کھینچتی ہین مرے اضطراب کی

منشی ضیاء الحسن صاحب ضیا خورجوی

جنبش ہوئی لبون کو تو دو برگ گل کھلے　وہ مسکرائے کھل گئین کلیان گلاب کی
ہے تو کسی کے رخ کا یہان تک بڑھا ہوا　ضو دل کے ذرہ ذرہ مین ہے آفتاب کی

منشی مشتاق احمد صاحب ندیم

اسکو چلا ہے ڈھونڈھنے جسکا نہین نشان　ہمت تو دیکھئے دل خانہ خراب کی

سید محمد مظفر حسین صاحب ناصر بلند شہری

کیسی ہوائین کس کا تلاطم کہان کی موج　سب ہیچ ہین نگاہ مین چشم حباب کی
شیشہ مین بند کرکے مے لالہ فام کو　تصویر کھینچی ہے کسی کے شباب کی

منشی ساوتری پرشاد صاحب زار سکندرآبادی

دل مجھ سے کہہ رہا ہے کہانی شباب کی　مین یہ سمجھ رہا ہون کہ باتین ہین خواب کی
نیرنگیان عجیب ہین دنیائے عشق مین　شام انقلاب کی ہے سحر انقلاب کی
کرتے ہین فرض جان کے ہم اسکی بندگی　زاہد تجھے پڑی ہے ثواب و عذاب کی

حضرت راز بلند شہری

بچپن کی سادگی مین ہے شوخی شباب کی　تصویر ہے سکون مین اک انقلاب کی

---

مرحبا و شعلۂ آتش فشان داغ دل　ہوگیا کافور بھپارا مرہم کافور کا

جناب مولانا رضا لکھنوی

ہوجائینگے یہ دیکھتے ہی دیکھتے فنا　جھوٹے ہین نقش ہستی بے اعتبار کے
اس بیکسی مین دل کا سلیقہ تو دیکھئے　مجبوریون سے کام لیے اختیار کے

جناب تمنا شاہجہانپوری

---

# علمی خبرین اور نوٹ

ڈاکٹر سر محمد اقبال کے مجموعۂ کلام کی دنیائے ادب کو مدت سے آرزو تھی خوشی کی بات ہے کہ گذشتہ ماہ مین یہ مجموعہ "بانگ درا" کے نام سے خاص اہتمام کے ساتھ تقریباً ۳۵۰ صفحون پر شایع ہوگیا۔

خان بہادر شیخ عبد القادر صاحب بیرسٹرایٹ لا سابق اڈیٹر مخزن نے اس مجموعۂ کا دیباچہ لکھا ہے جسمین ڈاکٹر سر اقبال کی شاعرانہ قابلیت کو شرح وبسط کے ساتھ نمایان کیا۔ اس مجموعے کے تین حصے کیے گئے ہین، پہلے حصے مین ۱۹۰۵ء تک کا کلام دوسرے مین ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک کا کلام اور تیسرے حصہ مین ۱۹۰۸ء سے اب تک کا مطبوعہ وغیر مطبوعہ کلام درج ہے۔ آخر مین چند صفحات پر ظریفانہ کلام بھی درج ہے اس مجموعہ مین ۱۴۵ نظمین اور چند غزلیات ہین۔ اُردو کا کوئی کتب خانہ اس مجموعہ سے خالی نہ رہنا چاہیے۔ قیمت چار روپیہ ملنے کا پتہ لاہور۔

حال مین بنارس کے مشہور ومعروف علم دوست رئیس بابو شیو پرشاد گپتا نے ہندی زبان کی ترقی اور قومی تعلیم کی توسیع کے لیے دس لاکھ کی جائداد وقف کی ہے۔ اس سے پہلے بھی موصوف "ودیا پیٹھ بنارس" کو عرصہ تک تقریباً پانچ ہزار روپیہ ماہانہ برابر عطا فرماتے رہے ہین۔ آپ نے بنارس کے ایک اعلیٰ درجے کے ہندی روزانہ اخبار کی اجرا مین بھی بیش بہا امداد دی ہے؛ آپ ہی کے دم سے بنارس کا گیان منڈل قایم ہے۔ اور اس منڈل کے ذریعے ہندی زبان کے مصنفین کی جو قدردانی ہوئی ہے۔ اسکا حال قدردانان ادب سے پوشیدہ نہین۔ یورپ کو اس قسم کی فیاضیون پر ناز ہے۔ شکر ہے کہ ہندوستان کے روسا مین بھی علمی قدردانی کا خیال پیدا ہو چلا ہے۔ اردو زبان کے قدردانون کو بھی ان مثالون سے سبق لینا چاہیے۔

مولوی محبوب علی صاحب ناظم دائرہ ادبیہ، مژدہ سناتے ہین کہ عنقریب وہ ایک ادبی و علمی رسالہ "لسان الملک" کے نام سے جاری کرنے والے ہین۔ خدا کرے کہ یہ ارادہ عملی صورت مین ظاہر ہو!

---

الناظر بابت ماہ جولائی مین بسلسلہ "نظرے خوش گذرے" "ایک عزیز" کے حوالے سے اڈیٹر صاحب تحریر فرماتے ہین، کہ

"رسالہ زمانہ بابت ماہ مئی ۱۹۲۳ء مین اعظمی صاحب نے جو تنقید حضرت احسن مارہروی کی کتاب "تخمیس" پر لکھی ہے اسمین ایک غلطی یہ کی ہے کہ کتاب کے شروع مین جو مقدمہ ہے اسکو بھی احسن صاحب "کا نتیجہ طبع سمجھا ہے، حالانکہ وہ جناب منشی امیر احمد علوی بی اے کاکوروی کا مضمون ہے جو مدت گذری احسن صاحب کے رسالہ فصیح الملک مین شایع ہوا تھا"

اسکے جواب مین جناب اعظمی لکھتے ہین۔

یہ غلط ہے کہ مقدمہ جناب احسن مارہروی کا نہین، آٹھ صفحے تک تو خود جناب احسن کی تحریر ہے اس کے بعد جناب امیر احمد صاحب علوی بی اے کاکوروی کے مضمون کا اقتباس ہے، لیکن اقتباس بھی اس انداز سے مقدمہ مین شامل کیا گیا ہے کہ بادی النظر مین مقدمہ کا ایک جزو لاینفک معلوم ہوتا ہے۔ احسن صاحب کا فرض تھا کہ پورے مضمون کو اس طرح علامات اقتباس مین ظاہر کرتے کہ امیر احمد صاحب کے مضمون پر احسن صاحب کے نتایج افکار کا دھوکا نہ ہو سکتا۔ چونکہ مقدمہ کے شروع یا آخر مین کسی کا نام نہین، اسلیے اگر ایک شخص یہ رائے قائم کرلے کہ پورا مقدمہ احسن صاحب کا ہے تو بقول اڈیٹر صاحب الناظر زیادہ حیرت انگیز نہین۔ مجھے تسلیم ہے کہ احسن صاحب کی طرز تحریر نے مجھے غلط فہمی مین مبتلا کر دیا، لیکن تنقید اب بھی اپنی جگہ پر قایم ہے، ہان اب تنقید کا وہ مختصر حصہ جو امیر احمد صاحب کے مضمون سے متعلق ہے احسن صاحب سے متعلق نہ ہوگا۔

---

نواب سردار بہادر ناظم ٹپہ خانجات نے لارڈ ریڈنگ کی جو سوانح عمری انگریزی مین لکھکر ولایت سے

چھپوائی ہے وہ شائع ہوگئی ہے۔

---

اُردو کی کس مپرسی کا رونا ہی کیا ہے ؟ گو اہل قلم کے جوش خدمت کی بدولت نت نئے رسالے جاری ہوتے رہتے ہین لیکن ہندوستان بھر مین مشکل سے دو چار اُردو رسالے ہونگے جنکی اشاعت دو ہزار سے زائد ہو۔ صوبہ آگرہ اودھ مین پرانے علمی خادمون مین زمانہ۔ الناظر اور معارف خصوصیت سے قابل ذکر ہین۔ ان مین سے آخر الذکر پرچہ دار المصنفین اعظم گڈھ کا ماہوار علمی رسالہ ہے۔ جو چند والیان ریاست کی امداد سے قائم اور جاری ہے۔ زمانہ کو جاری ہوئے اکیس سال ہوگئے لیکن ابھی تک اسکی اشاعت ایسی نہین ہوئی کہ جسکے بدولت اسکے کارپرداز اپنے حوصلہ کے بموجب ملک کی علمی خدمت کرسکین۔ اول دس پندرہ برس تو بلا لحاظ آمد و خرچ رسالہ غیر معمولی آب و تاب کے ساتھ شایع کیا گیا مگر اس ناعاقبت اندیشی کا خمیازہ ابھی تک بھگتنا پڑ رہا ہے۔ ابتدائی نقصانات کی تلافی درکنار آجتک انکا کچھ نہ کچھ سلسلہ چلا جاتا ہے۔ یعنی اتبک پندرہ سولہ ہزار سے زائد رقم نذر زمانہ ہوچکی ہے۔ خیر یہ داستان غم تو پارینہ ہوگئی۔ حال مین ہمکو بہت افسوس سے معلوم ہوا کہ ہمعصر الناظر بھی نقصان عظیم کے ساتھ جاری ہے۔ اسکے اڈیٹر ہمارے دوست مولانا ظفر الملک صاحب بھی اُردو کی ترقی کے لیے اپنی زندگی وقف کر چکے ہین اور گو موصوف تحریک عدم تعاون کی بدولت کچھ عرصہ تک قید فرنگ مین بھی رہے لیکن ان کی عدم موجودگی مین ان کی قابل بیگم صاحبہ نے جس طرح ہوسکا الناظر کی اشاعت جاری رکھی آخر مالی زیرباری سے مجبور ہوکر کچھ دنون کے لیے اسکی اشاعت معرض التوا مین پڑگئی تھی لیکن مولانا ظفر الملک نے پھر ہمت و استقلال سے کام لیکر اسکو جاری کیا اگر قدردانان اُردو حوصلہ افزائی نہ کرینگے تو ظاہر ہے کہ الناظر کے ایڈیٹر صاحب پر کیا منحصر ہے بڑے سے بڑے سرمایہ دار کی ہمت بھی پست ہوجائیگی۔ مولانا ظفر الملک صاحب نے حال مین ہمکو لکھا تھا کہ اگر الناظر کی اشاعت مین کافی توسیع نہوئی تو آخر ان کو رسالہ بند ہی کرنا پڑے گا۔ ہمارے دوست نے خریداران الناظر سے بھی اپیل کی تھی اور شکر ہے کہ ان مین سے بعض حضرات توسیع اشاعت پر متوجہ ہوگئے ہین ہم کو امید ہے کہ اور اصحاب بھی جلد توجہ فرمائینگے۔ الناظر ایک ادبی رسالہ ہونے کے علاوہ مسلمانون کے اصلاح تمدن کا بھی زبردست حامی ہے۔ اور شاید اس حیثیت سے اُردو مین وہ

اپنے طرز کا ایک ہی رسالہ ہے خدا کرے اسکی کوششین مقبول خاص و عام ہون۔

---

**زمانہ** کے قدر دانون کو بھی توسیع اشاعت کے طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔ نقصانات کے مفصل فہرست سے ہم اسوقت اپنے ناظرین کو بے لطف نہین کرنا چاہتے ہین لیکن آیندہ ترقی کا انحصار اسی پر ہے کہ رسالہ کی اشاعت موجودہ سے دوچند ہو جائے۔ ہم اپنی طرف سے زمانہ کو ہر حیثیت سے بیشتر سے بھی زیادہ مفید اور دلچسپ بنانیکی کوشش مین سرگرم ہین لیکن ہماری کوششین ناظرین زمانہ کے عملی امداد کے بغیر کامیاب نہین ہوسکتین۔ ہمارے عنایت فرماؤن مین بعض اصحاب آسانی سے زمانہ کے پانچ پانچ چھ چھ نئے خریدار بنا سکتے ہین۔ اور ایک ایک دو دو خریدار تو قریب قریب سب ہی اصحاب دیسکتے ہین۔ ہماری درخواست ہے کہ زمانہ کی ترقی کے لیے ہر ادبی شخص کو امکانی کوشش سے دریغ نہ کرنا چاہیئے امید ہے کہ ہماری درخواست بے اثر نہ رہے گی۔ اور ہمارے کرمفرما حضرات اپنے علم دوست احباب سے زمانہ کے خریداری کی سفارش فرما کر کارپردازان زمانہ کو مزید جوش کے ساتھ ملک کی علمی خدمت کرنے کا موقع دینگے۔

---

ایک اخبار مین روسی اخبارات کے یکم اپریل ۱۹۲۳ء سے مارچ ۱۹۲۴ء تک کے حالات درج ہین جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یکم اپریل کو روس مین جملہ روسی اخبارات کی روزانہ اشاعت ساڑھے انیس لاکھ تھی۔ گیارہ ماہ بعد یعنی یکم مارچ ۱۹۲۴ء کو ۲۲ لاکھ باون ہزار ہوگئی۔ اخبارون کی تعداد ۵۶۰ سے گھٹکر ۹۴ رہگئی۔ گویا زمانہ جنگ سے قبل کی تعداد کے لگ بھگ پہنچ گئی ہے۔ سوویٹ گورنمنٹ کا ارادہ ہے کہ سال رواں کے اخیر تک روزانہ اخبارون کی اشاعت پچاس لاکھ ہو جائے۔

---

حکومت ترکی نے محل یلدز مین تین ہزار کتابون کا ذخیرہ پایا ہے جو مختلف علوم و فنون اور مختلف لغات پر مشتمل ہے، اب حکومت ترکی نے یہ طے کر لیا ہے کہ ان کتابون کو ایک پبلک لائبریری کی شکل مین منتقل کر دیا جائے جس سے تمام اہل علم فائدہ اٹھا سکین

---

# ادبی رسالے

اُردو کے رسالون مین ہر سال اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ جتنے رسالے جاری ہوتے ہین اُتنی ترقی عام مذاق مین نہین ہو رہی ہے۔ تاہم علمی کوششین قابل قدر ہین۔ سال گذشتہ کے رسالون مین ڈھاکہ کا رسالہ جادو خاص طور پر قابل قدر ہے۔ یہ رسالہ ٹائپ مین چھپتا ہے اور اسکے ہر نمبر مین بعض مفید اور محققانہ مضامین ہوتے ہین ہمکو امید ہے کہ یہ رسالہ صوبۂ بنگال مین اُردو کی ترقی کا معاون ثابت ہو گا۔ کلکتہ سے اردو دان مستورات کے لیے بھی حور نامی ایک دلچسپ پرچہ جاری ہے۔

دفتر حور کولوٹولہ کلکتہ سے ایک اور ادبی رسالہ جولائی سنہ حال سے نئی دنیا کے نام سے جاری ہوا ہے رسالون نظم و نثر کے دلچسپ مضامین شایع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے اور لکھائی چھپائی صاف ہے۔ قیمت فی پرچہ ۳ر مقرر ہے۔ بنگال سے ان رسالون کا اجرا اُردو کی ہر دلعزیزی کا ثبوت ہے۔

---

**کشاف** چھوٹی تقطیع کا ایک ادبی رسالہ امرتسر سے ایم محمد الدین صاحب غریب کی ادارت مین شایع ہوتا ہے ابتک اسکے تین نمبر ہماری نظر سے گذر چکے ہین۔ قیمت سالانہ عہر

**اُردوئے معلی** دہلی سے ماہوار شائع ہو رہا ہے۔ اسکے اڈیٹر قربان علی صاحب بسمل ہین۔ ادبی حیثیت سے رسالہ قابل قدر ہے تقطیع ۲۲×۱۸ حجم ۴۸ صفحات قیمت سالانہ ۲ شاہجہانی پریس دہلی سے طلب فرمایئے۔

**الفلاح** اسلامی رسالہ ہے۔ اسمین مفید اور دلچسپ مذہبی مضامین شائع ہوتے ہین۔ انجمن اشاعت اسلام جالندھر کی طرف سے مہینہ مین دو مرتبہ شایع ہوتا ہے اسکے اڈیٹر مولوی عبد الحق صاحب سہا ہین۔ چندہ سالانہ للعہ ر

**بلاغ** بھی مذہبی رسالہ ہے اور ۳۰ صفحات پر حکیم شہاب الدین صاحب امرتسری کے اڈیٹری مین امرتسر سے شایع ہوتا ہے ۱۲ سالانہ قیمت ہے برقی پریس امرتسر سے ملسکتا ہے۔

کارٹون

موجودہ وزارت فرانس :- اب تو ہم مستقل صلح کی کوشش کر رہے ہیں۔
فرانس :- مگر ان ہتھیاروں سے یہ مقصد حل نہ ہوگا۔

مادی سائنس کی ترقی اور آیندہ صدی کا انسان "ہالینڈ کے اخبار سے"

انگلستان اور ہندوستان (ایک روسی اخبار سے)

ہر شخص جسکے دل مین ذرا بھی اپنے ملک کی عزت وآبرو کا خیال ہے اور جو ایک دن اپنے ملک کو آزاد دیکھنے کا متمنی ہے۔ ہندو مسلمانون کے روزمرّہ کے فسادات اور بلوے اور ذرا ذرا سی باتون پر جھگڑے اور قضیے دیکھکر دلگیر اور سخت پریشان ہو رہا ہے ابھی کل کی بات ہے کہ ہندو مسلمان بھائی بھائی کی طرح اس ملک مین رہتے سہتے تھے۔ ہندو محرم مین مسلمانون کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ اور یہان تک رواداری تھی کہ خود تعزیہ داری مین صدہا روپیہ صرف کرتے تھے اور مسلمان رام لیلا مین شریک ہو کر ہندؤن کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ اور آج یہ حالت ہے کہ کہین مسجد کے سامنے باجہ بجا اور لاٹھی چلنے لگی۔ مندر کے سامنے تعزیہ نکلا اور آفت آگئی۔ سوال یہ ہے کہ پہلے کیا مسلمان مسلمان نہ تھے۔ یا ہندو ہندو نہ تھے۔ اب قابل غور یہ امر ہے کہ حالت موجودہ کب سے پیدا ہوئی اور اُس کے اسباب کیا ہین۔

مجھکو خوب یاد ہے کہ ہندو مسلمانون کے تعلقات آخر اٹھارہوین صدی تک کافی خوشگوار رہے۔ اور سب سے پہلے اسکی ابتدا اُس زمانہ سے ہوئی جب کانگریس کا آغاز ہوا اور شریمان سوامی نے گاؤکشی کے خلاف جدوجہد شروع کی۔ سرسید مرحوم نے کانگریس کی مخالفت کی اور اُن کے

معتقدین نے ایک زبردست تحریک کانگریس کے خلاف شروع کی۔ ہندو لیڈران کو یہ بات ناگوار گذری۔ اور اُنھون نے گاؤکشی کے خلاف کھُلا کھُلا پروپگنڈا پھیلانا شروع کیا۔ اعظم گڑھ مین گاؤکشی کے متعلق جو بلوہ ہوا اُس سے ہندو مسلمانون کے دلون مین رنجش کی آگ بہت زیادہ مشتعل ہوگئی۔ ایک طرف یہ نیم مذہبی چنگاریان اُڑ رہی تھین دوسری طرف سر اکلنڈ کالون کے زمانہ مین ہندو مسلمانون کی ملازمت کا قصّہ چھڑ گیا اور مختلف محکمون مین اسکی جانچ پڑتال ہونے لگی کہ کسقدر ہندو نوکر ہین اور کسقدر مسلمان۔

قدرتی طور پر مسلمانون کو اپنے واجبی حصّہ لینے کا شوق پیدا ہوا۔ چونکہ شروع زمانہ انگریزی حکومت مین مسلمانون کو نوکری کا شوق نہ تھا۔ اور دفتر کے کام کی قابلیت بھی نہ تھی اسواسطے بہت زیادہ حصہ ملازمت سرکاری کا ہر محکمہ مین ہندؤن کے ہاتھ لگا۔ اور رفتہ رفتہ ہندؤن کی کثرت نے ایسی مضبوطی پیدا کرلی کہ دوسری قومون کی مداخلت ان کو ناگوار گذری۔ اسیطرح جب گورنمنٹ نے میونسپلٹیان قایم کین۔ کونسلین قایم کین اور رفتہ رفتہ حکومت اور انتظام مین پرانی روش تبدیل کرکے جدید مغربی طریقے جاری کئے تو ان مین بوجہ ناقابلیت مسلمانون کو پورا حصہ نہ ملا۔ اسکی طرف بھی پنجاب اور صوبہ متحدہ مین لیڈران اسلام کی طرف سے کوشش شروع ہوئی سنٹرل محمڈن ایسوسیشن کلکتہ نے میموریل بھیجا اور اچھی خاصی کاغذی اور اخباری جنگ شروع ہوگئی۔ ان کوششون اور رقابتون کا اثر کچھ عرصہ تک محدود رہا اور مذہب کا رنگ اُن پر نہین چڑھا۔ مگر دلون مین کشمکش ضرور رہی۔

زیادہ تفصیل کرنے کی ضرورت نہین ہے اخیر اٹھارہوین صدی مین جب ترکی اور یوروپین طاقتون مین بہت زیادہ رنجش ہوگئی اور عیسائی سلطنتون نے ترکی کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنا چاہا تو مسلمانون مین بھی ایک مذہبی تحریک پیدا ہوئی کہ اسلام کی حمایت کیجائے۔ سید احمد خان گو اُسوقت زندہ تھے لیکن اُنکا اثر کم اور روبہ تنزل تھا اور مولوی صاحبان کی قوت بڑھنے لگی تھی۔ نہایت تیزی کے ساتھ مذہبی جوش ترقی کر گیا اور مولوی صاحبان نے مذہب کے علاوہ پولیٹکل امور مین بھی نمایان حصّہ لینا شروع کر دیا۔ جنگ یونان و ترکی مین اس جماعت کا بہت کافی اثر ہندوستان مین پیدا ہوگیا تھا اور جب جنگ کے زمانہ مین خود انگلستان

اور ترکی سے جنگ چھڑ گئی ظاہرداری کے پردے دفعتاً ہٹ گئے اور مسلمانوں کی جوش کی انتہا نہ رہی۔ ہندؤں نے پولٹیکل مصلحتوں سے مسلمانوں کا ساتھ دیا اور خلافت کی تحریک نے ایک عالمگیر جوش پیدا کر دیا اور ہندوستان کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک ایک مذہبی جوش کی پھیل گئی۔

یہ حالت دیکھکر اور جنگ کی سختیوں کو محسوس کرکے گورنمنٹ بھی گھبرا گئی اور "بہ لقمہ دو ختہ بہ" کی مثل پر عمل کرکے رفارم اسکیم پیش کر دی گئی اُسمین ملک کے نظم و نسق مین اہل ہند کو اچھا خاصہ دخل دیدیا گیا۔ اب مسلمانوں کو یہ زعم ہوا کہ ہندو باوجود کثرت تعداد۔ زیادتی علم و دولت ہمارے محتاج ہین اور دست نگر ہین اور بات بات پر ہمارے اتحاد کا گیت گاتے ہین اور محمد علی شوکت علی کی جے، اور اللہ اکبر کے نعرہ پکارتے ہین۔ اسوجہ سے وہ ضرورت سے زیادہ توقعات کرنے لگے۔

ادہر سوامی شردھانند جی نے نو مسلمون کی شدھی کرنے کی تحریک چھیڑ دی اور مسلمانون کے جذبات کی ذرا بھی پروا نہ کی۔ اس سے مولوی صاحبان کو سخت صدمہ پہونچا اور اسکا اثر ہندوستان کے کل مسلمانون پر پڑا۔ اور وہ بار بار یہ کہنے لگے۔

یار اغیار ہوگئے اللہ
یہ زمانہ کا انقلاب ہوا

بعض ہندون نے بھی یہ محسوس کیا کہ مسلمان اب ہر بات پر مُصر ہوتے ہین اور گورنمنٹ بھی یہ کہتی ہے کہ جبتک ہندو مسلمان متفق ہوکر مطالبہ نہ کرین سلف گورنمنٹ نہین دیجا سکتی اسواسطے مسلمانون کی تعداد ہندوستان مین گھٹائی جائے۔ اور اسی ذریعہ سے "ہندو نیشلیٹی" قائم کی جائے اس خیال نے شدھی تحریک کو زیادہ مدد پہونچادی اور یہی آگ سلگتے سلگتے۔ اب ایسی تیز ہوگئی ہے کہ خرمن اتحاد کو خاکستر کر رہی ہے۔ میرے خیال مین یہ وجوہ تھے جنھون نے اُن دو قومون کو جن کو سر سید مرحوم نے ہندوستان کے چہرہ کی دو آنکھون سے تعبیر کیا تھا۔ اس کشمکش مین ڈال دیا ہے کہ اب صورت خطرناک اور افسوسناک ہوگئی ہے ہر باشندۂ ہند کا فرض ہے کہ اسپر توجہ کرے اور اسکے رفع کرنے کی کوشش کرے۔

اب یہ غور طلب ہے کہ یہ رنجش کیونکر رفع ہو۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ گاندھی جی کے فاقہ سے یا دہلی کی کانفرنس سے یہ مخالفت سوا ایک خاص گروہ کے حلقہ اثر کے رفع نہیں ہو سکتی دونوں فریق یہ کہتے ہیں۔ ؎

دل را شکستہ نہ کہ گوہر شکستہ

تالی ہمیشہ دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ میں ہرگز اس بات کے کہنے پر آمادہ نہیں ہوں کہ اس افسوسناک حالت کے تنہا ذمہ دار محض ہندو ہیں یا صرف مسلمان جب تک دونوں قومیں ایک دوسرے کے ساتھ فیاضی اور رواداری کا برتاؤ نہ کریں گی۔ اور محض ظاہری میل نہیں بلکہ اصلی اور دلی یگانگت و یکجہتی کا برتاؤ نہ کریں گی یہ کاغذ کی ناؤ پار نہیں لگ سکتی اسوقت یہ حالت ہے کہ ایک بڑا عہدہ خالی ہوا اور کسی کو ملگیا تو دوسری قوم کے آدمیوں کو رنج اور حسد پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح ممبریوں اور کمیٹیوں کے واسطے رنج اور حسد کی آگ بھڑک جاتی ہے اگر چندروز صبر اور تحمل سے کام لیا جائے اور یہ سمجھکر کہ ہندو اور مسلمان دونوں ایک ہی خاک سے پیدا ہیں اور ایک ہی ملک کے باشندے اور ایک ہی بادشاہ کے رعایا ہیں اور ذاتی نفسانیت الگ کر دیجائے تو کم سے کم تعلیم یافتہ طبقہ سے منافرت مٹ جائے۔ اخبارات اور لیڈران کا بھی یہی فرض ہے کہ ذرا ذرا سی باتوں کا خیال نکریں اور ایک دوسرے کی فروگذاشتوں کو نظر انداز کریں۔ یہ واضح رہے کہ ہم سب کو اسی ملک میں رہنا ہے۔ یہ غیر ممکن ہے کہ مسلمان اب عرب یا ترکی بوریا بندھنا لیکر واپس چلے جائیں یا ہندوستان کا بٹوارہ مکمل ہو جائے کہ ایک طرف ہندو رہیں اور دوسری طرف مسلمان۔ اسی ملک میں ہندو مسلمان دونوں رہیں گے اور مرینگے۔ رہے مذہبی جھگڑے اُن کے واسطے دیہاتی پنچایتوں کا خیال بہت اچھا ہے دونوں فریق اپنے تنازعات بذریعہ پنچایت رسمی طے کر لیا کریں۔ تو یہ تعزیہ اور باجہ اور اذان کے قضیہ بہت کچھ کم ہو جائینگے۔

اہلِ ہند کو سمجھنا چاہیے کہ اس وقت جو بے اعتباری پھیلی ہوئی ہے وہ ہرگز اسکی مقتضی نہیں ہے کہ ہم انگلستان سے زیادہ حصہ حکومت کا مطالبہ کر سکیں اگر کوئی یہ خیال کرے کہ سوراج ملنے کے بعد ایک قوم دب جائے گی اور یہ جھگڑے رفع ہو جائینگے تو میرے

خیال میں غلط ہے۔ دب کر صلح اصلی صلح نہیں ہوتی۔ یہ وقت ہے کہ دلون کو صاف کر کے قومی احساس پیدا کر کے پوری رواداری برتنا چاہیے۔ اگر ایسا نہوا تو مادر ہند کے حالت وارد کے اس قطعہ کے حسب حال ہوگی۔

آنکھین کہین کہ دل ہی نے مجھکو کیا خراب — دل یہ کہے کہ آنکھون نے مجھکو مٹا دیا
بگڑا کسی کا کچھ نہین اے درد منت مین — دونون کی ضد نے خاک مین ہمسکو ملا دیا

عزیز الدین احمد

# مصالحت

آؤ بالآخر ہمین باہمی الفت، اور چپ چاپ زندگی بسر کرنے کا عزم کر لینا چاہئے ہم اس گرہ کو اس خوبی سے لگائین کہ جسکو زمانہ کبھی نہ وا کر سکے!!!

اُس شخص کی خوشیان شاذ و نادر حقیقت کا رنگ رکھتی ہین جو ان مضمون اور مناقشون سے آزاد رہ کر زندگی بسر کرتا ہے۔

ایک دوسرے سے عفو و درگذر سے کام لینا، محبت کا نازک ترین پہلو ہے!

میری تمام خوشیان اور ولولے کافور ہو جاتے ہین۔ جب مین بظاہر تجھسے بے تعلق ہوتا ہون اور جب مین تجھکو مصنوعی غصہ بھری آنکھون سے دیکھتا ہون۔ آہ! اسوقت میری محبت اور بھی بڑھ جاتی ہے!

---

کاش!!! تم بھی اگر ایسی ہی محبت کا اظہار کرنے لگ جاؤ۔
تو تم پر آشکا ہو جائے!!! کہ ہم کسقدر خوش نصیب ہین!!!!۔

(ترجمہ) حاجی محمد صادق

# ہندوستان اور مسئلہ محنت

ہندوستان مین جہان بہت سی چیزون کی طرف سے لاپروائی برتی جاتی ہے وہان ایک محنت کا مسئلہ ہے جس کی حقیقت اور اہمیت سے عوام بالکل ناآشنا ہین حالانکہ ملک کی معاشی حالت سے آگاہی رکھنا ملک کے افراد کے لیے بہت ضروری ہے۔ بغیر اسکے وہ اپنی حالت کو سُدھار نہین سکتے تعجب ہے کہ اس سخت معاشی جدوجہد کے زمانہ مین ہندوستان والے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہین شاید یہان کے لوگون کو معلوم نہین کہ ہندوستان مین قدرتی ذرائع کیا کیا ہین شاید وہ نہین جانتے کہ اس ملک مین کسقدر دولت ہے۔ وہ نہین جانتے کہ اِنکے ملک مین کیا سامان ہے۔ وہ نہین جانتے کہ آیا اس دولت سے فیضیاب ہوتے ہین یا نہین۔ جس ملک کے افراد پر ایسی بیخودی طاری ہو بھلا وہ اپنے گھر کا کیا انتظام کرین گے۔

ہندوستان ہمیشہ سے اپنی مصنوعات اور انواع و اقسام کی پیداوار خام کے لیے مشہور ہے تجارتی تعلقات قدیم زمانہ مین بڑی اقوام سے رہے ہین چنانچہ یہان کے ریشمی کپڑے اور کشمیری شالین روم کی دربار تک پہونچتی تھین اور ان کی وہان قدر کیجاتی تھی۔ یہ تو بہت پرانی بات ہے اٹھاروین صدی تک ہندوستان کی مصنوعات کو جو فروغ حاصل تھا۔ اسکا اندازہ ہندوستان کی تجارت خارجہ کی سرگذشت سے ہوگا۔ اسکا مفصل بیان تو ایک علیحدہ مضمون ہے۔ مگر ضمناً چند واقعات کا ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا۔

سنہ۱۸۰۰ء مین لارڈ ولزلی جو اُسوقت ہندوستان کے گورنر ہوکر آئے تھے۔ ڈاکٹر فرانسس بوچاننن کو جو کمپنی کے ملازم تھے۔ خاص طور سے اس کام پر متعین کیا کہ وہ کل جنوبی ہند کا دورہ کرین اور ذاتی تحقیقات اور معائنہ کے بعد ملک کی معاشی حالت کی رپوٹ بنا کر پیش کرین چنانچہ ان ڈاکٹر صاحب نے اسپر عمل کیا اور صنعت و حرفت کی اچھی طرح دیکھ بھال

کی اور اپنی تحقیقات کو تین ضخیم کتابون مین قلمبند کرکے سرکار مین پیش کیا۔ اس سے ملک کی عام مرفہ الحالی اور مصنوعات کے فروغ کا پتہ چلتا ہے۔

ہم لوگون کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ ہندوستان کا عام پیشہ زراعت ہے اور یہی اسکے لیے موزون ہے لیکن اٹھاروین صدی مین ضروریات کی کل چیزین ہندوستان مین پائی جاتی تھین۔

حقیقت یہ ہے کہ یہانکی مصنوعات اپنی خوبی اور نفاست کے لحاظ سے بہت عمدہ تھین سستے ہونے کے باعث انگلستان مین بہت مقبول ہوئین اور وہان کے بازارون پر چھائی جاتی تھین۔ یہ کیفیت اٹھاروین صدی کے نصف تک رہی مگر جب مدبران انگلستان نے خطرہ معلوم کر لیا اور سمجھ گئے کہ اگر ہندوستان کی مصنوعات اسی آزادی سے ملک مین آتی رہین تو چند دنون مین انگلستان کی مصنوعات تباہ و برباد ہو جائینگی۔ پھر کیا تھا ہر قسم کی پیش بندی کرنا شروع کر دی گئی اور اس ملک کی صنعت و حرفت پر وار ہونے لگے۔ یعنی اسقدر محصول بڑھا دیا کہ بالآخر ہندوستانیون کو اپنی مصنوعات سے دست کش ہونا پڑا اور برآمد کے لیے جو مصنوعات یہانکے صناع تیار کرتے تھے اسمین کمی ہونی شروع ہوئی۔ اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ دستکاری اور صنعت کو چھوڑکر لوگ زراعت کیطرف متوجہ ہونے لگے۔ مگر لوگ اس محنت کے متحمل نہو سکے وہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ رہے۔ اس طرح ملک کی معاشی حالت ابتر ہو گئی مگر اب بھی اسکی اصلاح ہو سکتی ہے ہندوستان مین ہر قسم کی پیداوار ہوتی ہے جس کا بہت بڑا حصہ پیداوار خام کی صورت مین باہر جاتا ہے اگر اسکو روکا جاوے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جائے تو کوئی وجہ نہین ہے کہ ملک کے افلاس مین کمی نہو۔

ہندوستان مین جہان اور چیزون کی طرف سے لاپروائی برتی جاتی ہے وہان محنت کا مسئلہ بھی ہے۔

بلحاظ آبادی یہان کی حالت بہت اچھی ہے۔ وسائل معاشرت بھی بہت کافی ہین لیکن صحت جسمانی کے لحاظ سے یہانکی حالت خراب ہے۔ اسکی یہی وجہ ہے کہ باشندون کی نشو و نما اچھی نہین ہوتی۔ کافی معاش نہونے کے سبب سے وہ لاغر ہو جاتے ہین اور معیار زندگی کے اعلیٰ

نہ ہونیکے سبب قوائے عمل کے تعطل کا ملک و قوم پر جو بڑا اثر پڑتا ہے وہ محتاج بیان نہین اگر محنت کے فوائد سے کوئی ملک فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے تو یہ بات ضروری ہے کہ وہان کے باشندون کی طرزِ معاشرت کو اعلےٰ بنانے کی کوشش کیجاوے۔ ہندوستان مین اسکی اشد ضرورت ہے۔ ملک کی دولت کا بہت بڑا حصہ باشندگان ملک کی بے اتفاقیون سے دوسرون کے کام آرہا ہے۔ کیا کسی قوم کے لیے یہ بات باعثِ فخر ہوسکتی ہے کہ وہ خود اپنی قوت بازو سے دولت پیدا کرے اور دوسرون کے سامنے ہاتھ پھیلائے اِس توقع پر بیٹھی رہے کہ دوسرے ہمکو کھانے کو دین تو ہم کھائین جن اقوام کی معاشی حالت نے یہ صورت اختیار کی ہے وہ ہمیشہ افلاس کے ہاتھون پریشان رہے اسکا ثبوت دنیا کی تاریخ مین موجود ہے۔

کیا یہ باتین ایسی ہین کہ نظر انداز کردی جاوین۔ ہندوستان کے باشندے اگر عزت کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہین تو انکو چاہیے کہ آنکھین کھولین اور خود کام کرین اور دوسرون کو کام کرنا سکھائین ملک مین کارخانے کھولین۔ مصنوعات کی طرف توجہ کرین اور کم قیمت پر ملک کے ۳۰ کروڑ باشندون کے ہاتھ فروخت کرین اور جو ضرورت سے زائد ہوا سے دوسرے ملکون مین بھیجین اس جدوجہد سے یہ ہوگا کہ ملک کی بیکار محنت ٹھکانے لگے گی اور دولت مین معتدبہ اضافہ ہوگا۔ اور معاشی حالت سدھر جاوے گی۔

سیّد عزیز احمد

---

کارلائل کا قول ہے کہ شاعری تمام علوم کا جوہر ہے۔ کالیرج کا بیان ہے کہ "نظم انشا کی وہ قسم ہے جو سائنس کی ضد ہو" ایڈگر پو کہتا ہے کہ "شاعری کو سوائے اتفاقی تعلق کے صداقت یا فرض سے کوئی واسطہ نہین"۔ برخلاف اسکے شیلی کا بیان ہے کہ نظم ابدی حقایق کی حیات کی تصویر ہوتی ہے"۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے مین مصنفین مین غیر معمولی اختلاف ہے۔ "شاعری پاکیزگی خوبی کا نام ہے"۔ "یہ خیالی تاریخ ہے"۔ "بیکن"۔ "یہ ماثل حیات" "یہ ایک کیفیت ہے جو لمحات تنہائی مین آپ اپنے سے ہمکلام ہوتی ہے"۔

(اردو) سیّد ساجد علی

# بھاشا اور اُسکے نورتن

## (۵)

## بہاری لال

عکّاسی فطرت اور جذبات کے اظہار مین جو کمال بہاری لال کو حاصل ہوا وہ کسی دوسرے بھاشا شاعر کو نصیب نہین ہوا - اظہار خیالات مین آپ غالباً کسی طرح پیچھے نہین رہے - آپ کے کلام مین ایک ایسا مخفی جادو ہے جو دلپر نشتر کا کام کرتا ہے -

بہاری لال ۱۶۰۳ء مین بسوا گو بند پور متصل گوالیر پیدا ہوئے - آپ قوم کے برہمن تھے - آپکے والد کی نسبت بہت سے لوگون کا خیال ہے کہ کیشوداس تھے - جو مشہور شاعر ہو چکے ہین اور جن کا شمار نورتنون مین ہے - مصنف "ہندی نورتن" نے دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ کیشوداس نام ہونا ممکن ہے مگر یہ ضروری نہین کہ وہ کیشوداس شاعر ہی ہون -

بہاری لال کے سوانحی حالات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک غریب شخص کے لڑکے تھے - لڑکپن ہی مین ماں باپ کا سایہ اُٹھ گیا تھا - انکا ننہال بندیلکھنڈ مین تھا - اور سسرال متھرا مین چنانچہ انھون نے اپنی زندگی انھین دو مقامون مین بسر کی -

آغاز شاعری کی نسبت یہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ مہاراجہ جے سنگھ ایک چھوٹی لڑکی پر عاشق ہو گئے اور کاروبار ریاست سے دست بردار ہو کر دن رات محل مین رہنے لگے یہ حال دیکھکر بہاری لال نے حسب ذیل دوہا لکھکر اندر بھجوایا -

नहिं पराग नहिं मधुर रस नहिं विकास यहि काल।
نہین پراگ نہین مدھپ رس نہین بکاس ایہی کال

अली कली ही सो बिंध्यो आगे कौन हवाल ॥
الی کلی ہی سے بندھیو آگے کون احوال

نہ تو پھول میں اسوقت پراگ ہے نہ تو رس ہے نہ اسمین شگفتگی ہی ہے۔ اے بھونرا تو کلی ہی پر اسقدر فریفتہ اور مبہوت ہے تو آگے کیا حال ہوگا۔

اس دوھے میں کچھ ایسا اثر مخفی تھا کہ مہاراجہ کو فوراً ہوش آگیا اور باہر آکر راج کا انتظام کرنے لگے اسوقت سے مہاراجہ جے سنگھ کی نگاہون مین بہاری لال کی قدر بڑھنے لگی اور رفتہ رفتہ یہ عزت حاصل ہوئی کہ ان کو فی دوھے ایک اشرفی انعام مین ملنے لگی۔

بہاری لال نے اپنی تمام عمر مین ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ جس کا نام "بہاری ستسئی" ہے جسمین ۷۱۹ دوہے ہین ستسئی کیا ہے؟ جذبات کا ایک دریا ہے جو کوزے مین بند ہے خیالات اور تشبیہات کی ندرت جو اُن کے کلام مین نظر آتی ہے اور بھاشا شاعرون کے کلام مین مفقود ہے ستسئیان بہت سی لکھی گئین مگر جو فروغ بہاری ستسئی کو حاصل ہوا وہ کسی کو نہین بہاری لال تقریباً ساٹھ سال تک زندہ رہے آخر اس دنیائے فانی کی سیر سے سیر ہو کر ہمیشہ کے لیے آنکھین بند کر لین۔

نمونۂ کلام | عکاسی فطرت و جذبات انسانی کی شان ملاحظہ فرمائیے۔

रह्यो मोह मिलनो रह्यो यों कहि गहे मरोर।

رہیو موہ ملنو رہیون کہہ گہے مرور

उतदे अलिहि उराहनो इत चितई मो ओर॥

اُت دے الی ہی اور اہنوا اِت چتئی مو اور

بندرابن مین کرشن جی موجود ہین پھول کھلا ہے بھونرے اُسپر اُڑ رہے ہین اور ایک گوپی اپنی محبت اور اشتیاق ملاقات کو کرشن جی سے ظاہر کرتی ہے۔

اپنے اصلی مخاطب کرشن جی کی طرف نظر بھی نہین وہ بھونرے سے کہہ رہی ہے کہ محبت بھی تھی اور اشتیاق ملاقات بھی...... یہ کہکر بھونرے کو پکڑ لیتی ہے اور ستم یہ کرتی ہے کہ گلہ تو بھونرے سے کرتی ہے اور کرشن جی کیطرف ایک نظر سے دیکھ لیتی ہے۔ ایک طرف بھونرے اور کرشن جی کے رنگ کی نسبت دوسری طرف عاشق ہونے کی حیثیت سے دونون مین تناسب پھر بھونرے سے شکایت کرنا اور صرف ایک نگاہ شوق کے ذریعہ اپنے

محبوب پر شکوۂ لطیف کا اظہار کتنا لطیف پیرایہ ہے۔

जो वाके तन की दशा देखो चाहत आप।

جو واکے تن کی دسا دیکھو چاہت آپ

तो बलु नेक विलोकिये चलीउचक चुप चाप॥

تو بلو نیک بلوکیئے چلی اوچک چپ چاپ

اگر تمہین اپنے عاشق کے صدمۂ فراق اور بیقراری کی مصیبت ملاحظہ کرنی ہو تو چپ چاپ پیر دبا کر چلو اور دیکھو اگر تمہارے آنے کی اُسکو خبر ہو جائیگی تو فرط انبساط سے اسکا چہرہ بدل جائیگا۔ اور تم اصلی کیفیت نہین دیکھ سکوگے غالب مرحوم نے اسی مفہوم کو یون ادا کیا ہے ؎

اُنکے دیکھے سے جو آجاتی ہے منھ پر رونق

وہ سمجھتے ہین کہ بیمار کا حال اچھا ہے

حضرت جگر مرادآبادی بھی اس خیال کو ظاہر فرماتے ہین۔

جاکے اُس بزم مین دینا ہے غم دل کا ثبوت

کیا کرون گا جو مرا حال پریشان نہ رہا

عاشق و معشوق دونون اپنے اپنے کوٹھون پر ہین اور لطفِ دیدار سے بہرہ اندوز ہوتے ہین۔ اس سین کو یون پیش کر رہے ہین۔

डीठि बरत बांधी अटन चढ़ि धावत न डरात।

ویٹھ برت باندھی اٹن چڑھ دھاوت نہ ڈرات

इते उते मन दुहुनके नट लों आवत जात॥

اِتے اوتے من دوہن کے نٹ لون آوت جات

قاعدہ ہے کہ نٹ جب تماشا دکھاتا ہے تو دو اونچے بانسون پر رسا باندھکر درمیان مین اپنا کرتب دکھانا شروع کرتا ہے اور بلاخوف اِس سرے سے اُس سرے تک دوڑتا پھرتا ہے۔ اِس موقع کو ملحوظ رکھتے ہوئے مطلب ملاحظہ فرمایئے۔

دونون کی شعلہ بار نگاہین کوٹھون سے بندھی ہوئی ہین اور اُسی کے ذریعہ سے عاشق و معشوق

نٹ کی طرح ادھر سے اودھر اوڑتے پھرتے ہین بالکل خوفزدہ نہین ہوتے۔
جذبات کی شان اور عکاسی کا کمال جسقدر موجود ہے قابل صد آفرین ہے۔

सतर भौंह रूखे बचन करति कठिन मन नीठ।
ستر بھونہہ روکھے بچن کرت کٹھن من نیٹھ

कहा करो ह्वै जाति हरि हेरि हंसो ही डीठि॥
کہا کرون ہوے جات ہری ہیر ہنسوہی ڈیٹھ

ایک گوپی اپنی مجبوری کا اظہار یون کرتی ہے کہ کرشن جی کے غصّے سے بھری ہوئی ٹیڑھی بھوئین اور روکھی باتین سنکر میرے دل مین بھی بیدلی پیدا ہوتی ہے مگر آہ مین مجبور ہون کیونکہ جب اُن کو دیکھتی ہون میری نگاہین ہنسنے لگتی ہین اور دل کی کیفیت بدل جاتی ہے یا یون مطلب ہو سکتا ہے کہ میری بھنوئین ٹیڑھی رہتی ہین اور باتین بھی روکھی کرتی ہون اور دل مین نٹھرتا (بے مروتی) بھی رہتی ہے مگر اے سکھی مین کیا کرون جب اُنکو دیکھتی ہون میری نگاہین ہنسنے لگتی ہین اور اُس پر کچھ اختیار نہین رہتا۔

ندرت خیال کی شان ملاحظہ فرمایئے۔

अंग अंग प्रति बिम्ब परि दरपन से सब गात।
انگ انگ پرتبیمب پری درپن سے سب گات

दोहरे तिहरे चौहरे भूषन जाने जात॥
دوہرے تہرے چوہرے بھوشن جانے جات

معشوق کا جسم بالکل آئینہ ہے اسلئے جب اعضا پر زیورون کا عکس پڑتا ہے تو ور باوجود ایک ہونے کے دوہرے تہرے اور چوہرے دکھائی دیتے ہین۔

भूषण भार संभारि हैं क्यों ये तन सुकुमार।
بھوشن بھار سنبھار ہییں کیون یہ تن سکمار

सूधे पाये न धर परत सोभाही के भार॥
سودھے پائین نہ دھر پرت سوبھاہی کی بھار

بھلا وہ نازک بدن زیور کا بوجھ کسطرح سنبھال سکتا ہے جبکہ خوبصورتی کے بوجھ سے اسکا پانون سیدھا نہین پڑتا۔

بلا شبہہ بہاری لال نے بڑی خوبصورتی سے نازکی کی تصویر کھینچی ہے۔ اُردو شعرا مین اسی مضمون کو حضرت اکبر نے ادا کرنا چاہا ہے لیکن وہ لطف نہ پیدا کر سکے۔

نازکہتا ہے کہ زیور سے ہو تزئین جمال
نازکی کہتی ہے کہ سرمہ بھی کہین بار نہو

मानहुँ विधि तन अच्छ छबि स्वच्छ राखिबे काज।
مانھو بدھ تن اچھ چھب سوچھ راکھبے کاج
दृग पग पोंछन को किये भूषन पायन्दाज॥
درگ پگ پونچھن کو کئے بھوشن پا انداج۔

جب کسی کمرے مین قدم رکھتے ہین تو فرش پر قدم رکھنے کے قبل پا انداز پر قدم پڑتا ہے جس سے پیر کی گرد وغیرہ وہین رہجاتی ہے اور صاف پیر فرش پر پڑتا ہے۔ بہاری لال کہتے ہین کہ برھمانے حسن پُر نور کو صاف رکھنے کے لیے زیورون کو پا انداز بنا دیا ہے تاکہ پائے نگہ پہلے آکر زیورون پر پڑے پھر حسن کی سیر کرے اللہ رے نزاکت پائے نگہ کے صاف کرنے کا انتظام۔

بہاری لال زور طبع مین یہ بھول گئے کہ برھما گہنے نہین بناتے بلکہ اُن کے سپرد آدمیونکا بنانا ہے۔

दृग उरझत टूटत कुटुम जुरत चतुर चित प्रीति।
دُرگ اُرجھت ٹوٹت کٹم جُرت چتر چیت پریت
परत गांठ दुर्जन हिये दई नई यह रीति॥
پرت گانٹھ درجن ہئے دئی نئی یہ ریت

قاعدہ ہے کہ جو دھاگا اُلجھتا ہے وہی ٹوٹتا ہے اور وہی جوڑا بھی جاتا ہے گرہ بھی اُسی مین پڑتی ہے۔ مگر محبت کا رشتہ عجیب وغریب ہے۔ اُلجھتی ہے آنکھ ٹوٹتا ہے خاندان، صاف دل والون کے دل مین وہ رشتہ جُڑتا ہے اور مفسدون کے دلمین گرہ پڑتی ہے۔

भई जुतन छबि बसन मिलि बरनि सकै सुन बैन।
بھئی جوتن چھب بسن مِل برن سکے سو نہ بین

अंग ओप आंगी दुरी आंगी अंग दुरै न॥
رنگ روپ آنگی دورے آنگی رنگ دُرے نہ

لباس کی خوبصورتی جسم مین ایسی مل گئی ہے کہ بیان نہین ہوسکتی جسم مین لباس پوشیدہ ہوگیا ہے مگر جسم لباس مین نہین چھپا۔

लिखन बैठि जाकी सबीह गहि गहि गरब गरूर।
لکھن بیٹھی جا کی شبیہ گہہ گہہ گرب گرور

भये न केते जगत के चतुर चितेरे कूर॥
بھئے نہ کیتے جگت کے چتر چیتیرے کرور

ساری دنیا کے مصوّر جو اپنے فن مین کمال رکھتے تھے سیکڑون گھمنڈ سے تصویر کھینچنے کے لیے بیٹھے مگر ناکام رہے۔ مولانا آسی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی مضمون کو یون ادا فرماتے ہین۔

تمھارے حسن کی تصویر کوئی کیا کھینچے
نظر ٹھہرتی نہین عارضِ منوّر پر

جناب بیخود دہلوی فرماتے ہین۔

نزاکت عکس کو آئینے تک جانے نہین دیتی
یہی نقشہ ہے تو بس کھنچ چکی تصویر رہنے دو

بہاری نے صرف یہ بتایا ہے کہ محبوب کی تصویر نہ کھنچ سکی مگر مولانا آسی اور جناب بیخود دہلوی نے تصویر نہ کھنچنے کا سبب بھی بیان کر دیا ہے۔

نشۂ عشق کی تندی کے لیے فرماتے ہین

डर न टरै नींद न पड़ै हरै न काल बिपाक।
ڈر نہ ٹرے نیند نہ پڑے ہرے نہ کال بپاک

छिन छाके उछकै न फिर खरो बिषम छप छाक।
چھن چھاکے اُچھکے نہ پھر کھرو بشم چھپ چھاک

نشۂ اُلفت دوسرے نشوؤں سے کتنا زائد ہے کہ نہ اسکو خوف اُتار سکتا نہ آئین نیند آتی اور نہ وقت ہی اِسکی کچھ اصلاح کرسکتا ایکبار چڑھا پھر ایک لمحہ کے لیے کبھی نہین اُترتا۔

صنعت لف و نشر ملاحظہ فرمائیے۔

अमी हलाहल मद भरे स्वेत श्याम रतनार।

امی ہلاہل مدہ بھرے سویت شیام رتنار

जियत मरत झुकि २ परत जो हि चितवत एकबार॥

جیت مرت جُھک جُھک پرت جیہے چتوت اکبار

معشوق کی آنکھون مین امرت' زہر' مستی بھری ہے وہ سفید' کالی' اور سُرخ بھی ہے اِسکو دیکھنے والا امرت کے اثر سے جیتا ہے اور زہر کے اثر سے مرتا ہے اور مستی کے اثر سے جُھک جُھک پڑتا ہے۔

اُردو شعرا نے چشم محبوب کے متعلق خوب خوب مضمون آفرینیان کی ہین مگر واقعہ یہ ہے کہ بہاری کے دوہے مین جو جامعیت و لطافت ہے وہ اُردو کے کسی شعر مین نہین، اُردو شاعری مین ردیف قافیہ کی بیجا پابندیون سے اتنی گنجائش نہین کہ کسی بیان کے متعلق ساری تشبیہات و لطافتین ایک جگہ جمع ہو سکین، برخلاف اِسکے ہندی شاعری کی وسعت ساری باتون کو ایک ہی ساتھ اپنے آغوش مین لے سکتی ہے۔

लाज लगाम न मानहीं नैना मो बस नाहिं।

لاج لگام نہ مانہین نینا موبس نا ہین

यह मुरव जोर तुरंग लौं ऐंचत हू चल जाहिं॥

یہ مکھ جور ترنگ لون اینچت ہو چل جاہین

میری آنکھین میرے بس کی نہین ہین یہ شرم کی لگام کو بھی نہین مانتین یہ منھ زور گھوڑے کی طرح کھینچنے پر بھی چلی جاتی ہین۔

नेह न नैनन को कछू उपजी बड़ी बलाय।

نیہہ نہ نینن کو کچھو اوپجی بڑی بلاسے

नीर भरे नित प्रति रहे तऊ न प्यास बुझाय॥

نیر بھرے نت پرت رہین توؤ نہ پیاس بجھائے

آنکھون مین کچھ محبت نہین ہے یہ بُری بلا پیدا ہوئین یہ ہمیشہ آنسوؤن سے بھری رہتی ہین مگر پیاس نہین بجھتی۔

مشق تصور کی تصویر

पिय के ध्यान धरि धरि रही वही ह्वै नार ।
پیہ کے دھیان دھری دھری رہی وہی ہوئے نار

आप आप ही आरसी लखि रीझत रिझवार ॥
آپ آپہی آرسی سکھی ریجھت رجھوار

عورت نے اپنے شوہر کا اتنا زبردست تصور کیا کہ وہ خود ہم شبیہ شوہر ہو گئی اور خود آرسی کو دیکھ دیکھ کر فریفتہ ہو رہی ہے۔

حکیمانہ اقوال

सीतलता रस बास की घटे न महिमा मूर ।
سیتلتا رس باس کی گھٹے نہ مہما مور

पीनस वारे जो तजें सोरा जान कपूर ॥
پینس[۱] وارے جو تجین شورا جان کپور

اگر پینس[۱] کے عارضے والے کافور کو شورا سمجھکر چھوڑ دین تو اس سے کافور کی ٹھنڈی خوشبو کم نہین ہو سکتی۔

बड़े न हूजे गुनिन बिनु बिरद बड़ाई पाय
بڑے نہ ہوجے گنن بن برد بڑائی پائے

कनक धतूरे को कहत गहनो गढ़ो न जाय
کنک دھتورے کو کہت گہنو گڑھو نہ جائے

بغیر ہنر کے حقیقی عزت نصیب نہین ہو سکتی دھتورے کو بھی کنک کہتے ہین مگر اُس سے زیور نہین تیار ہو سکتا۔

---

[۱] پینس کا عارضہ ناک مین پیدا ہوتا ہے جس سے ناک بیٹھ جاتی ہے اور خوشبو بدبو مین تمیز نہین رہتی۔

कनक कनक ते सौ गुनी मादिकता अधिकाय।
کنک کنک سوگنی مدوکتا ادہکاے

वह खाये बौरात है यह पाये बौराय॥
وہ کھاے بورات ہے یہ پاے بورسے

دھتورے سے سونے مین سوگنا نشہ ہے دھتورا کھانے سے انسان نشہ مین ہوجاتا ہے اور سونا پانے ہی سے پاگل ہوجاتا ہے کتنا سچّا مضمون ہے۔

बढ़त बढ़त सम्पति सलिल मन सरोज बढ़ि जाय
بڑھت بڑھت سمپت سلل من سروج بڑھ جاے

घटत २ पै ना घटै बरु समूल कुम्हिलाय॥
گھٹت گھٹت پے نا گھٹے برو سمول کمھلاے

دریاے دولت کے بڑھنے سے دل جو مثل کنول کے ہے بڑھجاتا ہے مگر جب دولت گھٹنی شروع ہوتی ہے تو بڑھاہوا دل نہین گھٹتا بلکہ وہ جڑ سے خشک ہوجاتا ہے۔

آپ کی ستسئی مین بھگتی کے دوہے بھی پائے جاتے ہین مگر خال خال مثلاً۔

मैं देख्यो निरधार यह जग कांचो कांच सम।
مین دیکھیو نردھار یہ جگ کانچو کانچ سما

एकै रूप अपार प्रति बिम्बित लखियत तहां
ایکے روپ اپار پرت بمبت لکھیت تہان

مین نے خوب غور کر کے دیکھا ہے کہ دنیا ایک آئینہ خانہ ہے جسمین ہر طرف شیشے لگے ہین اس مین جدھر دیکھتا ہون ایک ہی جلوہ دکھائی دیتا ہے۔

بہاری کے کلام مین چلبلاپن حد سے زیادہ بھرا ہے۔ جذبات نسوانی کی ترجمانی انکا حصّہ خاص ہے۔ خوشامد سے نفرت تھی باوجودیکہ فی دوہے ایک اشرفی ملنے کے انھون نے ست سئی کو اپنے ہی نام پر رکھا۔ دوہون مین عربی فارسی کے بہت سے الفاظ توڑ مروڑ کر ایسے کھپائے ہین کہ بادی النظر مین دھوکا ہوتا ہے کہ یہ کس زبان کے الفاظ ہین۔

غرض ہماری بھاشا کے مایۂ ناز شاعر گزرے ہین جذبات کے لحاظ سے انکا درجہ سب سے اونچا نظر آتا ہے۔ مجموعی حیثیت سے مصنف ہندی نورتن نے انکا درجہ سور داس تلسی داس اور دیو جی کے بعد رکھا ہے۔

منظور الحق کلیم (اعظم گڈھی)

---

ایک روز کے برت کے دوران مین تلسی داس کا حسب ذیل بھجن مہاتما گاندھی کے ورد زبان رہا ہے۔ آپ کے ستیہ گرہ آشرم مین بھی یہ گیت اکثر گایا جاتا ہے۔

رگھوبر راکھو میری لاج

| | |
|---|---|
| سدا سدا مین شرن تمہاری | تم بڑے گریب نواج |
| پتت اُدھارن وردتمہارو | شرون تن سُنی روا داج |
| ہون تو پتت پُراتن کہئے | پار اُتارو جہاج |
| پاپ اگھم کھنڈن دُکھ بھنجن کے | یہی تمہارو کاج |
| تلسی داس پر کرپا کرئیے | بھگتی دان دیو آج |

---

انسان کسی لایق نہین ہے۔ نپولین نے بہت سے ہوائی قلعے بنائے لیکن انجام کار اسنے اپنے تئین سینٹ ہلینا مین قید پایا۔ قیصر جرمنی نے سارے یوروپ کا شہنشاہ بننا چاہا۔ مگر آج وہ ایک معمولی حیثیت کا آدمی ہے۔ پرماتما کی مرضی ایسی ہی تھی۔ ہمکو ان نظیرون پر غور کر کے عجز اختیار کرنا چاہیے۔

مہاتما گاندھی

# کتب خانہ برٹش میوزیم

لندن مین چھوٹے چھوٹے ہزارون کتبخانے ہین ہر اسکول اور کالج مین۔ ہر ایک انجمن اور سوسائٹی مین حتی کہ بہت سے علم دوست اصحاب کے گھر مین بھی کتبخانے موجود ہین۔

انگلستان کے ہر ایک گانون مین کم از کم ایک کتبخانہ ضرور ہے۔ پھر لندن شہر مین بیشمار کتبخانون کا ہونا بالکل قدرتی امر ہے۔ ان کے علاوہ ایک کتبخانہ اور بھی ہے جو دنیا مین اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ جسکو برٹش میوزیم کہتے ہین۔ یعنی انگریزی عجائب خانہ۔ یہ عجائب خانہ بھی ہے اور لائبریری بھی۔ شہر کے وسط مین اس عالیشان عمارت کے صدہا کمرون مین دنیا کے ہر ایک ملک کی۔ ہر ایک زمانہ کی۔ ہر ایک مضمون کی اشیا ترتیب وار چنی رکھی ہین مصر کی وہ چار ہزار سالہ پرانی وہ ہڈیان اور ثابت لاشین دیکھ لیجئے جن کے مسالہ کا راز زمانہ حال کی علم طبیعات پر آجتک نہین کھلا۔ انسانون پر ہی موقوف نہین ہر قسم کے جانورون کی بھی ہزارون سال کی پرانی لاشین الماریون مین چنی رکھی ہین۔ اُنہی مصری کمرون کی دیوارون اور چھتون پر مصری جنت اور جہنم کی۔ سزا جزا کی قدیم تصاویر آویزان ہین۔ اور ملک الموت کے دربار کی تصویر بھی ہے۔ جسکو دیکھکر رقیق القلب عورتین اکثر لرزہ براندام ہو جاتی ہین۔

ذرا آگے بڑھئے تو قدیم کابل بغداد اور فارس کی قدیم تہذیب کی تاریخ اوّل سے آخر تک پتھرون بتون اور تصویرون مین پڑھ لیجئے۔ یونان اور روما کے گذشتہ ۲۵۰۰ سال کی زندگی کی تصویر بےنظیر ہے۔ زمانہ بدھ کی قدیم ہندوستانی مورتیون کا نظارہ جیسا یہان دیکھا جا سکتا ہے ویسا کسی ہندوستانی شہر مین بھی دیکھنے کو نہین ملسکتا۔ قدیم اسلامی فن مصوری کا حال معلوم کرنے کے لیے بھی اس عجائب خانہ سے بڑھکر موزون کوئی دوسری جگہ نہین ہے۔ انگلستان کی تاریخ اور تہذیب کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ وحشی پن کے زمانہ سے لیکر آجتک کے پتھر کانسے اور لوہے کے برتن ہتھیار ہڈیان لاشین کپڑے کتابین غرضکہ کوئی چیز ایسی نہین جسکے نمونے یہان موجود نہون طبیعات۔ شیشہ۔ سونا۔ چاندی

موتی۔ جواہرات وغیرہ کے کمرون مین دنیا بھر کے اچھے سے اچھے اور بڑے سے بڑے نمونہ جات موجود ہین۔

مگران سب سے بڑھکر دلکش چیز کتبخانہ ہے۔ اسمین ستر لاکھ سے زیادہ کتابین ہین ان کتابون کی فہرستون سے ہی ہندوستان کے بڑے بڑے کتبخانے بھرے جاسکتے ہین اسکی ادنےٰ امثال یون سمجھ مین آسکتی ہے کہ جن مصنفون کے نام حرف M سے شروع ہوتے ہین انکی تصانیف و تالیفات کے نام اسّی بڑی بڑی ضخیم لمبی چوڑی جلدون مین ہین۔ انجیل ایک چھوٹی سی کتاب ہے مگر اسپر جو کتابین یہان موجود ہین اِن کے نامون سے بیس موٹی موٹی کتابین بھر گئی ہین انگلستان پر جو کتابین ہین اُن کے نام بھی اسی قسم کی بیس جلدون مین ہین۔ دنیا کی ہر ایک زبان کی کتابین یہان الگ الگ حصّون مین موجود ہین۔ ہندی کتب کی فہرست دو ضخیم جلدون مین ختم ہوتی ہے۔ ہندی زبان کی بعض کتابین جو بنارس الہ آباد۔ کلکتہ۔ جے پور۔ جودھپور۔ چھتر پور وغیرہ مین بعد تلاش بسیار بھی دستیاب نہین ہوتین یہان بلا دقّت پڑھنے کے لیے ملجاتی ہین۔ سنسکرت اور پالی زبان کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابون کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اِسی طرح چینی جاپانی۔ اُردو فارسی عربی۔ فرانسیسی۔ جرمنی۔ اطالوی۔ ہسپین وغیرہ کی ہزارون کتابین یہان رکھّی ہین۔

اِس کتبخانہ کا مقصد معمولی پڑھنا پڑھانا نہین ہے۔ اسکا مقصد یہ ہے کہ علم دوست حضرات کو تلاش و تفحص مین مدد ملے۔ قانوناً سلطنت برطانیہ مین چھپی ہوئی کل کتابون رسالون اور اخبارون کی ایک ایک کاپی اس کتبخانہ مین آتی ہے نئے نئے ناول صدہا کی تعداد مین ہر روز یہان پہنچتے ہین اس ملک مین لوگون کو تازہ ناولون کا شوق نہین بلکہ نشہ ہے۔ لیکن برٹش میوزیم مین کوئی ناول جبتک کہ اُسے شایع ہوئے پانچ سال کا عرصہ نہ گذر جائے پڑھنے کے لیے نہین دیا جاتا اگر اس قاعدہ پر عمل نہ کیا جائے تو کتبخانہ ناول پڑھنے والون کی طغیانی مین ہی غرق ہو جائے۔ کتب خانہ مذکور کے قواعد کے مطابق ۲۱ سال سے کم عمر کے اشخاص کتب خانہ مین داخل نہین ہوسکتے۔ وجہ یہ ہے کہ اس سے کم عمر کے لوگ تحقیقات علمی نہین کر سکتے۔ علاوہ ازین ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ صرف اُنہی اشخاص کو داخلہ کا ٹکٹ دیا جائے جو زیادہ مطالعہ کے قابل ہون کتبخانہ سے کوئی کتاب کسی حالت مین بھی باہر نہین لیجائی جاسکتی۔ صبح ۹ بجے سے شام کے چھ بجے تک آپ یہان بیٹھکر

مطالعہ کر سکتے ہین۔ یہان ضرورت کے تمام سامان مہیا ہین۔ کوٹ۔ ٹوپی اور چھڑی اور چھتری رکھنے کے لیے کمرے مخصوص ہین۔ تیسرے پہر کے کھانے کا انتظام ہے۔ اہل انگلستان اس اصول کے پابند ہین۔ بھوکے رہکر کوئی کام بخیر وخوبی سرانجام نہین دیا جا سکتا یہانتک کہ عبادت بھی نہین ہو سکتی۔ خواہ کیسا ہی ضروری کام کیون نہو۔ کھانے کے وقت انگریز ساری دنیا کے کام چھوڑکر کھانا ضرور کھائیگا۔ یہان اسبات کو کوئی باور نہین کر سکتا کہ بھوکے رہنے سے عقل تیز ہوتی ہے یا خالی معدے والا آدمی ٹھیک ٹھیک پڑھ سکتا ہے جو لوگ پڑھنے کے لیے یہان آتے ہین وہ بوقت سہ پہر چاے ضرور پیتے اور کچھ ضرور کھاتے ہین۔ بہت سے اشخاص ایسے ہین جو تیس تیس چالیس چالیس میل بلکہ اسی میل تک کے فاصلہ سے صبح کی گاڑی سے کتبخانہ مین آتے اور رات کی گاڑی سے ہر روز اپنے اپنے مکان کو واپس چلے جاتے ہین۔ یہ امر محتاج بیان نہین کہ اس ملک کی تیز رفتار ریل گاڑیان ساٹھ ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہین اکسفورڈ سے لندن ۶۹ میل ہے۔ اکسفورڈ سے سوار ہوکر آپ ۷۰ منٹ مین لندن پہنچ سکتے اور اسٹیشن سے اُتر کر زیرزمین چلنے والی ریل گاڑی کے ذریعے پانچ منٹ مین کتبخانہ کے دروازے پر آسکتے ہین صبح کے وقت ۹ اور ۱۰ بجے کے درمیان سیکڑون آدمی کتب خانہ کے دروازہ مین داخل ہوتے نظر آتے ہین۔ مطالعہ کے لیے متعدد کمرے ہین۔ سب سے بڑے گول کمرے مین فہرستین رکھی ہین اور ادھر اُدھر سیکڑون میزین لگی ہوئی ہین۔ ہر میز کا نمبر جدا ہے۔ میز ایک ہاتھ سے زیادہ چوڑی اور ڈیڑھ گز سے زیادہ لمبی ہے۔ جنپر قلم۔ دوات۔ کاغذ جاذب۔ ورق تراش رکھا رہتا ہے۔ اس ملک مین جبتک روشنی کا بندوبست نہو کوئی کام نہین ہو سکتا موسم سرما مین بعض اوقات ایسا کہرا پڑتا ہے کہ کتابون کے حرف تو کیا سامنے کی چیزین تک بلکہ کھلے میدان مین اپنا ہاتھ بھی نظر نہین آتا۔ تین چار ماہ تک ۹ بجے آفتاب طلوع ہوتا ہے اور ۳ یا ۴ بجے غروب ہوجاتا ہے۔ سارے ملک مین بجلی اور گیس کی مدد سے رات کے چھ سات گھنٹون کو دن بنانا پڑتا ہے۔ لائبریری کے کونے کونے مین بجلی کی روشنی کا انتظام ہے۔ مطالعہ کرنے والے اصحاب ایک ایک میز گھیر لیتے ہین۔ وہ فہرستون سے مشورہ کرکے ٹکڑون پر مطلوبہ کتب کے نام۔ مصنفون کے نام۔ نمبر وغیرہ تفصیلات اور اپنا نام اپنی میز کا نمبر اور تاریخ وغیرہ لکھکر ادھر ادھر رکھی ہوئی ٹوکریون مین ڈال دیتے ہین۔

ہر دس پانچ منٹ کے وقفہ پر ملازم آکر ٹوکریون مین پڑے ہوئے ٹکٹون کے ڈھیرون کو اُٹھا لیجاتے ہین۔ اور دس پندرہ منٹ مین پہیہ دار گاڑیون مین کتابین بھر کر کمرے مین لاتے اور چپ چاپ میزون پر رکھتے چلے جاتے ہین۔ کتبخانہ مین بولنے کی سخت ممانعت ہے۔ جہان بغیر بولے کام چل ہی نہین سکتا صرف وہین منھ کھولنے کی اجازت ہے اگر آپ کی طلب کردہ کتاب کوئی اور شخص پڑھ رہا ہے تو ملازم آپکے ٹکٹ پر ایک اور ٹکٹ لگا دیگا جسپر یہ چھپا ہوا ہے کہ یہ کتاب استعمال مین ہے اگر بہت ضرورت ہو تو لائبریرین سے درخواست کی جائے" اور وہ دونون ٹکٹ آپ کی میز پر ٹھکر چلا جائیگا۔ اگر کتاب قاعدہ کے مطابق کسی دوسرے کمرے مین مل سکتی ہے تو آپ کے ٹکٹ کے ساتھ چسپان شدہ ایک اور ٹکٹ آپ کے پاس آجائیگا جسپر درج ہوگا کہ فلان کمرے مین اسکا ملاحظہ کیجئے۔ اگر آپ کتاب کا نمبر لکھنا بھول گئے ہین تو آپ کا ٹکٹ اس ریمارک کے ساتھ واپس آجائے گا کہ نمبر لکھئے اگر تاریخ غلط ہو تو دو منٹ مین ٹکٹ کے ساتھ چھپا ہوا نوٹ آجائیگا کہ تاریخ ٹھیک کیجئے جسقدر غلطیان ہونے کا امکان ہو سکتا ہے اُن سب کے لیے پرچے چھپوا کر رکھ لیے گئے ہین تاکہ زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ انگریزی اخلاق مین بات بات مین شکریہ ادا کیا جاتا ہے اور بات بات پر اظہار افسوس کیا جاتا ہے لیکن کتب خانے مین ان باتون کے لیے بھی اشارے ہی استعمال کئے جاتے ہین۔

یون اطمینان سے سیکڑون عالم روز مطالعہ مین منہمک رہتے اور مضامین یا کتابین تصنیف کیا کرتے ہین۔ گذشتہ ایکسو سال کی بہت سی تصانیف جنھون نے ایک عالم مین ہلچل پیدا کر رکھی ہے اسی گول کمرے مین تصنیف کی گئی تھین۔ کارل مارکس نے اپنی دنیا مین انقلاب پیدا کرنے والی کتاب "سرمایہ" یہین بیٹھکر لکھی تھی۔ وہ ہر روز صبح ہی کتبخانے مین داخل ہوتا تھا اور شام کو چھ بجے ملازمین کو زبردستی اُسے باہر نکالنا پڑتا تھا۔ آج بھی آپ دیکھ سکتے ہین کہ اُس میز پر ایک حبشی دانت پیس پیس کر ان مظالم کی تحقیقات کرنے مین مصروف ہے جو یورپ نے اُسکی قوم پر روا رکھے ہین۔ تھوڑی دُور آگے ایک آئرش پچاس کتابون کا ڈھیر لگائے اپنے ملک کی ایک نئی تاریخ تیار کر رہا ہے۔ ادھر انگریزی لٹریچر پر نئی روشنی ڈالنے کی کوشش ہو رہی ہے۔

کتابون کے مضمون وار ٹھیک تفریق اور انتظام کے لیے ہر ایک محکمہ مین مستند ماہرین فن ملازم ہین - اِسی کتبخانہ کا بڑا لائبریرین ہونا تو کجا اگر آپ اُسکے کسی ایک حصہ کے لائبریرین بھی مقرر ہو گئے تو یہ سمجھ لیجے کہ انگلستان کے چیدہ عالمون مین آپ کا شمار ہو گیا - لائبریرین اپنے اپنے مضمون کے ماہر ہوتے ہین - مصنفون کے نام درج کرتے وقت یہ نہایت دلچسپ طریقے اختیار کرتے ہین مثلاً بہت سے بنگالی مصنف اپنے نام کرجی بنرجی لاہا وغیرہ لکھتے ہین لیکن صحیح لفظ ہین - مکھوپادھیائے - بندیو پادھیائے - لاہا وغیرہ میوزیم کے عالمون نے ہر جگہ انکے صحیح نام لکھ رکھے ہین - مذکورہ بالا غلط نامون کے سامنے صرف صحیح لفظ دیکھنے کا اشارہ کر دیا گیا ہے ایک مرتبہ راقم الحروف کی ایک تصنیف کے بارے مین بھی ایسا ہی دلچسپ واقعہ پیش آیا یہ فاضلان اجل کہتے ہین کہ آپ لوگون کو اپنے نام غلط لکھنے کا اختیار ہے مگر ہم اپنے کتبخانہ مین کوئی غلطی نہین چاہتے -

عالم لائبریرین کے علاوہ سیکڑون اہلکار - منشی - چوکیدار سپاہی وغیرہ اس کتبخانہ مین ملازم ہین - گذشتہ جنگ یورپ کے زمانہ مین بہت سے ملازم میدانِ جنگ کو چلے گئے تھے اُن کے نام دیوارون پر کندہ ہین جو لوگ لڑائی مین کام آئے ان کے نام باہر کندہ ہین ۱۱ نومبر کے روز ہر سال اُن پر پھول چڑھائے جاتے ہین -

یہ کتب خانہ کیا ہے ایک پورا محکمہ ہے - ہندوستان سے جو لوگ یہان آتے ہین - اُن کے نزدیک تو یہ بہترین کتبخانہ ہے - البتہ جو لوگ امریکہ اور جرمنی کی سیاحت کر چکے ہین وہ اسمین بہت سے نقائص بتاتے ہین - قبل از جنگ جرمنی مین بعض کتبخانے ایسے تھے جو دن رات آٹھ پہر کھلے رہتے تھے - بہت سے کتب خانے ایسے بھی تھے جو چودہ پندرہ گھنٹے کھلے رہتے تھے - میوزیم صرف ۹ گھنٹے کھلا رہتا ہے - امریکہ مین پڑھنے والون کو ایک بکس مع قفل و کلید دیدیا جاتا ہے مگر اس میوزیم مین صرف ایک میز پر ہی قناعت کرنی پڑتی ہے -

(ترجمہ) **رام سروپ کوشل**

---

# کیلاش کے دیوتا کا انتقام

کوہ ہمالیہ کی بلند ترین چوٹی جو سطح زمین سے انتیس ہزار فٹ بلند ہے دھوپ مین صاف نظر آرہی تھی اسکے آس پاس کی چوٹیان برف پوش تھین لیکن کیلاش پر سبز دوب اُگی ہوئی تھی اور جگہ جگہ گرم ملک کے میوون کے درخت کھڑے تھے جا بجا جنگلی پھولون کے خودرو پودے بھی اپنی بہار دکھارہے تھے لیکن طیور خوش الحان کا کہین نام بھی نہ تھا، بجائے نوکیلے ہونیکے اسکی سطح ہموار تھی اور ایک گوشہ مین پھوس کی ایک کٹی بنی ہوئی تھی۔

کٹی سے کچھ ہٹ کر جانب شرق ایک مرد بزرگ جنکے نورانی چہرہ پر جلال برس رہا تھا ہرن کی کھال پر پالتھی مارے تسبیح خوانی مین مصروف تھے۔ گورا رنگ کشادہ پیشانی، بیضاوی چہرہ، سیاہ مونچھ ڈاڑھی اور کالی کالی جٹا نے ان کے چہرہ کو بارعب بنا رکھا ہے ان کے سر کی سیاہ جٹا سے ایک عورت کا دلکش چہرہ عجب انداز سے اپنے لبہا سے پانی کی دھار پھینک رہا تھا یہ پانی اچھلتا کودتا ہزارون فٹ کی بلندی سے زمین پر گر رہا تھا یہی وہ گنگا تھی جسکا منبع آجتک کسی کو دریافت نہ ہوسکا اور یہ مرد بزرگ کیلاش کے رہنے والے مہادیو جی تھے۔

بڑی دیر تک عبادت کرنے کے بعد مہادیو جی نے آنکھین کھولین اور انگڑائی لیکر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے گردن مین لپٹے ہوئے کالے سانپ نے بھی اپنا پھن نکالا۔ یہ کٹی کی جانب بڑھے تھے کہ اسمین سے ایک پریجمال نازنین جسکا گول چہرہ، غزالی آنکھین، کندنی رنگ پتلے ہونٹ، حسن مجسم کی شبیہ پیش نظر کر رہے تھے باہر نکلی۔ اس حوروش مہ جبین کے چہرہ پر اداسی کی جھلک نمایان تھی؛

مہادیو جی نے پیار سے سوال کیا۔ پیاری پاربتی آج تم کچھ اوداس نظر آرہی ہو؟

پاربتی نے شرم سے گردن جھکا کر جواب دیا۔ مہاراج آج مین نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے

اور اسی وجہ سے طبیعت پریشان ہے۔

مہادیوجی نے مضطربانہ انداز سے پوچھا۔ وہ کونسا خواب ہے جو پاربتی کو پژمردہ کر سکتا ہے؟ اندر چل کر اپنا خواب بیان کرو۔ مین تمہین تعبیر بتا دون گا۔

جب یہ لوگ اندر مرگ چھالون پر بیٹھ گئے تو پاربتی جی نے کہا۔ سوامی خواب مین مجھے ایسا معلوم ہوا کہ مین بیکنٹھ مین اڑ رہی ہون۔ ذرا دیر کے بعد جب مین زمین کیطرف آنے لگی تو کچھ ہی دُور رہ گئی ہونگی کہ ایک چٹان پر مجھے کوئی سفید چیز ٹنگی ہوئی نظر آئی۔ مین وہین اُتر پڑی تو کیا دیکھتی ہون کہ وہ کپڑے کی جھولداریان تھین اور ان کے سامنے کئی گورے رنگ کے آدمی بیٹھے ہوئے باتین کر رہے ہین۔ ان کی گفتگو اس چوٹی پر چڑھنے کے متعلق تھی۔ ذرا دیر بعد میری آنکھ کھل گئی۔ اس وقت سے مجھے یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ جس جگہ ہم مدتون سے رہتے ہین وہان اگر یہ لوگ پہونچ گئے تو ہم کہان رہین گے۔

مہادیوجی تشفی آمیز لہجہ مین بولے۔ تم اسکی کچھ فکر نہ کرو۔ ابتدائے آفرینش سے ہم یہین قیام پذیر ہین اور مہاپرلے تک یہین رہین گے یہ چوٹی سب چوٹیون سے اونچی ہے اور یہانتک پہنچنا انسانی طاقت کے باہر ہے۔ جنکو تمنے دیکھا تھا وہ انگریزون کا ایک گروہ ہے جو اس چوٹی پر چڑھنے کے لیے انگلینڈ سے آیا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ تیئس ہزار فٹ چڑھ آئے لیکن پھر بھی انھین یہان تک پہنچنا محال ہے۔

پاربتی جی سادگی سے بولین۔ مہاراج ان کے چہرون سے استقلال ٹپک رہا تھا اور وہ آپسمین کہہ رہے تھے کہ دو روز مین ہم چوٹی پر ہونگے۔

مہادیوجی نے تعجب انگیز مسکراہٹ سے کہا۔ کچھ ہرج نہین ہے۔ ان کو کوشش کرنے دو وہ یہان تک پہنچنے مین کبھی کامیاب نہین ہو سکتے۔ مین اگر چاہون تو ایک لحہ مین ان کی شمع حیات گل کر دون، مگر چاہتا ہون کہ وہ از خود تھک کر واپس جائین۔ پاربتی کیا تمہین یاد ہے کہ دو سال پہلے بھی تمنے ایسا ہی خواب دیکھا تھا؟

پاربتی نے سر ہلا کر جواب دیا۔ ہان سوامی۔ اب تک وہ خواب مجھے یاد ہے۔

مہادیوجی نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ اس وقت بھی تم غمگین ہو گئی تھین۔ حالانکہ مین نے

اس وقت بھی یہی کہا تھا کیا تمنے مجھے کبھی جھوٹ بولتے پایا ہے۔

پاربتی جی عقیدت مندانہ لہجہ مین بولین "نہین مہاراج یہ کام تو انسانون کا ہے کہین دیوتا بھی جھوٹ بولتے ہین ؟

مہادیو جی نے متانت سے فرمایا۔ پاربتی تم دیکھو گی کہ یہ لوگ اس سال بھی ناکام واپس جائینگے۔ اس متبرک چوٹی پر ابھی تک انسانی قدم نہین آسکتے ہین۔ اور جب تک ہم مین قوت ہے ان کے ناپاک قدم یہان تک نہین آنے پائین گے۔

آخری بات انھون نے سختی سے کہی اور ان کی پیشانی پر شکن ہو گئی۔

۲

قلۂ کوہ سے چھ ہزار فٹ نیچے دو چھوٹی چھولداریان استادہ تھین۔ ان کے سامنے چار انگریز بیٹھے باتون مین مصروف تھے۔ کچھ دیر گفتگو کرنے کے بعد دو انگریزون نے اٹھکر قلیون کو جو تھوڑی دور پر بیٹھے تھے تیار ہونے کا حکم دیا۔ ذرا دیر مین آٹھ توانا قلی اپنے اپنے ہلکے بوجھون کو اٹھا کر تیار ہو گئے۔ یہ جگہ سطح زمین سے تئیس ہزار فٹ کی بلندی پر تھی۔ یہ انگریز اُس جماعت کے تھے جو کوہ ہمالیہ کی بلند ترین چوٹی کیلاش پر پہنچنے کے لیے انگلینڈ سے آئے تھے۔ حالانکہ یہ لوگ گرم کپڑے پہنے ہوئے تھے جو خاص طور سے پہاڑ کی سردی سے بچنے کے لیے بنائے جاتے ہین پھر بھی ہوا اسقدر سرد تھی کہ ان کے کپڑون سے گذر کر ہڈیون کو ٹھنڈک پہنچا رہی تھی۔

دو انگریزون نے مع قلیون کے چڑھائی شروع کر دی۔ ہوا کی تیزی ہر لحظہ بڑھتی جاتی تھی پھر بھی یہ لوگ ہانپتے کانپتے چڑھتے ہی چلے جاتے تھے۔ کبھی چٹان پر پیر پڑتا کبھی برف پر مگر ہر ایک کا قدم مضبوطی سے پڑتا تھا آہستہ آہستہ چڑھتے ہوے یہ لوگ سہ پہر کے وقت پچیس ہزار فٹ کی بلندی پر پہنچ گئے۔ لیکن آخر ہمت انسانی نے جواب دیدیا اور یہ سستانے کی غرض سے بیٹھ گئے۔

ان مین سے ایک انگریز نے ہانپتے ہوئے کہا میلوری یہ چڑھائی تو واقعی بڑی مشکل ہے۔ اور پھر ہوا ایسی تیز ہے کہ قدم جمنے نہین دیتی۔

میلوری نے دم لیکر کہا - ہان بلندی اور ہوا کی تیزی کے باعث ہماری رفتار اسقدر سست ہے : بروس اگر ہو تو یہین کہین چھولداریان نصب کرین -

بروس نے کہا : نہین ابھی اور اوپر چلو یہ جگہ اچھی نہین ہے - پڑاؤ مشرق کی طرف ڈالنا چاہیئے : تاکہ مغربی ہوا سے محفوظ رہین -

میلوری نے اوپر دیکھکر کہا - بروس یہ قلی بہت تہک گئے ہین پہاڑ کی چڑہائی تو یون بھی دشوار گذار ہوتی ہے پھر بوجھ لیکر چڑھنا تو اور بھی قیامت ہے -

بروس نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا - اچھا اب چلو ابھی چھولداری نصب کرنے مین بڑی دیر لگے گی -

میلوری اُٹھ کھڑا ہوا اور یہ دونون آگے بڑھنے والے تھے کہ ایک قلی ان کے پاس آکر بولا " ہم مین سے چار تو اسقدر تہک گئے ہین کہ بوجھ لیکر کسی طرح بھی نہین چل سکتے اگر آپ یہین قیام کرتے تو اچھا تھا "

بروس - یہان ٹھہرنے کی جگہ اچھی نہین ہے جو قلی نہین چل سکتے ہین وہ یہین ٹھہرین ہملوگ کیمپ کے لیے جگہ تجویز کرکے انکی مدد کو آئین گے -

یہ کہکر انھون نے چڑہائی شروع کی - یہ لوگ کچھ ہی دُور چڑھے ہونگے کہ انکو تہرون کے سہارے کھڑی ایک چھولداری ملی اسکو دیکھکر میلوری بول اٹھا بروس دیکھو ۱۹۲۲ء مین ہملوگ یہانتک پہنچے تھے لیکن ہوا نے بڑھنے نہ دیا

بروس (اطمینان سے) اس سال ضرور کامیابی کا سہرا ہمارے سر رہے گا -

گفتگو کرتے ہوئے یہ لوگ اوپر چڑھ رہے تھے تھوڑی دور پر ان کو مشرق کی جانب کچھ ہموار زمین ملی یہ جگہ کیمپ قائم کرنے کے لیے موزون سمجھی گئی قلیون نے بوجھ رکھدیئے اور میلوری ان کو کھولنے مین مشغول ہوا - بروس ایک قلی کو لیکر نیچے اُترا - اور دو مرتبہ مین اسباب اور خستہ قلیون کو وہان لے آیا - قلیون نے زمین صاف کی اور ذرا دیر مین وہان دو چھولداریان نصب ہوگئین - صرف تین قلی دوسرے دن کی چڑہائی کے لیے روک لیے گئے - اور باقی نیچے اُترنے لگے -

قلیون کے جانے کے بعد بروس بھی میلوری کے پاس آکر بیٹھ گیا۔
بروس (تکلیف سے) میلوری میرے سینے مین سخت درد ہو رہا ہے۔
میلوری نے دلجوئی کرتے ہوئے کہا۔ ہان تم دو مرتبہ بوجھ لیکر چڑھے ہو اسی وجہ سے تمہارے سینہ مین درد ہو رہا ہے۔ صبح درد جاتا رہے گا۔
**بروس** - ہان یہی وجہ معلوم ہوتی ہے۔ اچھا چلو آرام کرین۔ کیونکہ صبح جلد تیار ہو جانا چاہیئے۔
**میلوری** - ہان کل ہمکو کیمپ نمبر ۴ قائم کرنا ہے۔ پس پھر پرسون اسوقت دنیا کے بلند ترین پہاڑ کی چوٹی ہماری قدمون کے نیچے ہوگی۔
بروس نے ہنسکر کہا۔ ہان کوئی وجہ نہین معلوم ہوتی کہ ہم کیون نہ کیلاوش پر پہنچین۔

(۳)

یہ صبح نہایت خوشگوار تھی۔ افق مشرق مین سرخی پھیل رہی تھی کہ میلوری اور بروس دونون کپڑے پہنکر چھولداری سے باہر نکل آئے لیکن ایک قلی کے سوائے اور دونون نے ہمتین ہار دین قلیون کے بغیر اوپر کیمپ کا سامان کیسے جاتا؟ - آخر بادل ناخواستہ یہ دونون بھی معہ تین قلیون کے نیچے اتر آئے۔ اتار بمقابلہ چڑھاؤ زیادہ آسان تھا یہ لوگ نصف مسافت طے کر چکے تھے کہ نارٹن اور سومرول بھی نیچے سے آتے ہوئے ملے۔
انکے پاس پہنچکر نارٹن نے حیرت سے پوچھا بروس ہمتو سمجھے تھے کہ تم لوگ آج چھٹے کیمپ پر ہوگے اتر کیون رہے ہو؟
بروس نے غمگین آواز مین جواب دیا۔ ان قلیون کی ہمت تو کل کے طوفان نے سلب کر لی تھی۔ صرف ایک قلی چلنے کو تیار ہوا۔ اسلیے مجبوراً لوٹ آئے سومرول تشفی آمیز لہجہ مین بولا۔ فی الواقع یہ مجبوری بُری تھی۔ اب ہم لوگ قسمت آزمانے جارہے ہین کامیابی خدا کے ہاتھ ہے۔
میلوری نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ آمین۔ اچھا اب دیر نہ کرو اوپر سب سامان ٹھیک ملیگا۔ ہملوگ کیمپ نمبر ۶ کے لیے سامان اوپر چھوڑ آئے ہین۔ کیونکہ ہمین معلوم تھا

کہ آج تم لوگ اُوپر چڑھ ہو گے۔

مارٹن اور سومرول استقلال سے قدم بڑھاتے ہوئے اسی راستہ سے اوپر چڑھنے لگے۔ جس سے ابھی بروس، میلوری، اور ان کے باربردار نیچے اُترے تھے۔ ہوا آج تیز نہ تھی اسلیے چڑھائی کل کی بہ نسبت آسان تھی۔ اور یہ لوگ بخیریت کیمپ نمبر ۵ مین شام کے قریب پہنچ گئے۔ انھون نے اوپر سامان لیجانے کے لیے ۸ قلیون کو روک لیا باقی قلی نیچے اُتر آئے۔

صبح کاذب کا ظہور ہوتے ہی دونون اوپر چڑھنے کے لیے پھر تیار ہو گئے۔ کافی پیتے ہوئے سومرول نے کہا: نارٹن آج تو کیمپ نمبر ۶ قائم ہو جائیگا۔ کیونکہ تین قلی چلنے کو تیار ہین۔

قہوہ کا خالی پیالہ رکھکر نارٹن بولا سومرول یہ خوش نصیبی ہے کہ قلیون نے دھوکا نہین دیا اتبو چلنا چاہیے۔ وہ دیکھو قلی بھی بستر کھانیکا سامان اور چھولداری لئے تیار کھڑے ہین۔

دونون اُٹھ کھڑے ہوئے اور چڑھائی شروع کر دی۔ لیکن اب چڑھائی دشوار گذار ہو گئی۔ ذرا دور چلکر پھر انھین دم لینے کو رکنا پڑتا۔ گھنٹون کی مشقت کے بعد یہ لوگ چھبیس ہزار سات سو فیٹ کی بلندی پر پہنچے۔ اب نہ ان مین آگے بڑھنے کی طاقت تھی اور نہ قلیون مین ہمت۔ یہ لوگ یہین رک کر سستانے لگے۔ حسن اتفاق سے یہ جگہ کیمپ قائم کرنے کے لیے نہایت موزون تھی۔ یہانکی چٹانین باہر کو نکلی تھین اور کسی وقت مین یہان جھرنے کا سوتہ تھا۔ جو اب خشک ہو کر ایک گڈھا سا رہ گیا تھا۔ یہ جگہ ہوا سے بھی محفوظ تھی۔ قلیون نے اسباب اُتارا اور چٹانون کے سہارے آٹھ پونڈ وزنی ایک چھوٹی سی چھولداری نصب کر دی۔ پھر زمین ہموار کی گئی اسکے بعد تینون قلی نیچے بھیج دیئے گئے۔

قلیون کے چلے جانے پر سومرول قہوہ بنانے مین مصروف ہو گیا۔ صبح جلد روانہ ہونے کے خیال سے انہون نے تھوڑا قہوہ ایک تھرماس (وہ بوتل کہ جسمین چوبیس گھنٹہ تک پھلے والی حدت باقی رہتی ہے) مین بھر لیا۔

۴

صبح جب یہ سوکر اُٹھے تو ان کو تھرماس کی ڈاٹ کھلی ہوئی ملی۔ اسمین تھوے کا نام بھی نہ تھا اب قہوہ بنانے کا وقت نہ تھا۔ آخر برف پگھلاکر خوب پی کیونکہ اتنی بلندی پر پیاس بہت پریشان کرتی ہے۔ اس سے فارغ ہوکر چڑھائی شروع کی۔

ان کے داہنی جانب پہاڑ پر دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ یہ لوگ ہانپتے کانپتے بدقت دھوپ مین پہنچے۔ تمازت آفتاب نے ان کے بدن مین حرارت پہنچائی اور دونون خوش خوش اوپر چڑھنے لگے۔ تھوڑی دور پر ان کو ایک قسم کی زرد چٹان ملی جسکو ہوا اور بارش نے بہت چوڑا کر دیا تھا اور یہ زینہ کا کام دیتی تھی۔ جیون جیون اوپر چڑھتے گئے ان کو سانس لینے مین دقت ہونے لگی۔ کچھ دور کے بعد ہوا اسقدر پتلی ہو گئی کہ ان کو سانس لینے کے لیے قدم قدم پر رکنا پڑتا۔ اب ہر قدم پر آٹھ یا دس بار سانس لینے کی ضرورت پڑتی۔ ان کی رفتار بھی سست ہو گئی۔ ہر بیس پچیس قدم کی چڑھائی کے بعد ان کو ایک دو منٹ سستانے کیلئے رُکنا پڑتا۔ تقریباً اٹھائیس ہزار فٹ پر سومرول کی ہمت نے جواب دیدیا۔

وہ تکان سے چور ہوکر کہنے لگا۔ نارٹن اب مجھے ایک ایک قدم دوبھر ہورہا ہے اسکے علاوہ میرے حلق مین بھی درد ہورہا ہے۔ اسلیے تم آگے بڑھو مین یہین رکتا ہون۔

اور وہ دھوپ مین ایک کگارے پر بیٹھ گیا۔

کچھ جواب دیئے ہوئے بغیر نارٹن ادھر چڑھنے لگا۔ بدقت ایک گھنٹہ مین اسنے آٹھ فٹ طے کیا لیکن تھکاوٹ سے چور ہوکر وہ بھی سومرول کے پاس لوٹ آیا۔

رومال سے پسینہ صاف کرکے مارٹن نے کہا۔ سومرول آگے بڑھنا غیر ممکن ہے۔ سانس لینے مین بڑی دقت ہوتی ہے اب بتاؤ کیا ارادہ ہے۔

سومرول نے تکلیف سے جوابدیا۔ اوپر جانیکا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم اپنے

کو رسّی مین باندھ لین تو شائد حفاظت سے پہنچ جائین - لیکن میرے حلق مین اسقدر درد ہے کہ سانس لینے مین تکلیف ہوتی ہے -

نارٹن نے خستگی سے کہا - دم تو مجھ مین بھی اب نہین ہے - چلو لوٹ چلین - دیکھو یہان سے منظر کتنا خوبصورت ہے - وہ سامنے برف سے ڈھکی ہوئی موری کی چوٹی ہے دنیا کے بڑے بڑے پہاڑ گیاچنگ اور جو نو یہان سے کم از کم ایک ہزار فٹ نیچے ہین - ہمارے ہر چہار طرف پہاڑون کی سر بفلک کشیدہ چوٹیان نظر آرہی ہین لیکن یہان سے وہ سب چھوٹی چھوٹی ٹیکریان معلوم ہوتی ہین -

سومرول نے نیچے دیکھتے ہوئے کہا - ہملوگ ہین بھی تو اٹھائیس ہزار فٹ کی بلندی پر - وہ سامنے تبت کا میدان نظر آرہا ہے یہ یہان سے کم از کم دوسو میل دور ہے پھر بھی ہر چیز صاف نظر آرہی ہے - ہملوگ اتنی بلندی سے دیوتاؤن کی طرح بیٹھے دنیا کو دیکھ رہے ہین -

نارٹن ہنس پڑا - دیوتا! اجی ہمتو اس وقت جانورون سے بھی بدتر ہین - جانور آرام سے سانس تو لے سکتے ہین لیکن ہمکو سانس لینا بھی مشکل ہے - اچھا اب نیچے اُترو یہان کب تک بیٹھے رہو گے -

اُتار بھی اتنا ہی خطرناک تھا جتنا کہ چڑھاؤ - بدقت یہ لوگ اس کمپ مین پہونچے جہان سے صبح شادان و فرحان اس غیر مفتوح چوٹی پر پہونچنے کی خوشکن امید پر روانہ ہوئے تھے لیکن یہان یہ زیادہ دیر نہ رُکے اپنے اوڑھنے بچھانے کا سامان کمر پر لاد کر نیچے اُترنے لگے آفتاب نے آشیانۂ مغرب مین بسیرا لیلیا اور شب کی سیاہ چادر دنیا پر پھیل گئی - لیکن یہ اتنی ہمت اور مستقل ارادے کے لوگ تھے کہ برابر اترتے ہی گئے - جب تاریکی زیادہ ہوگئی نارٹن نے بجلی کا جیبی لمپ روشن کر لیا اور اسکی روشنی مین اتار آسان ہوگیا - برقی لمپ کی روشنی جب نیچے والون نے دیکھی تو ان کی مدد کو بڑھے -

جب سومرول اور نارٹن کمپ نمبر ۴ مین پہنچے تو رات زیادہ آگئی تھی - یہ لوگ اسقدر خستہ ہوگئے تھے کہ بستر پر دراز ہوتے ہی دین و دنیا کی خبر نہ رہی - نیند نے ان کے ساتھ

تریاق کا کام کیا اور جب یہ سوکر اُٹھے تو ان کی تکالیف مین ایک گونہ کمی ہو گئی تھی ۔

ان کی غیر حاضری مین میلوری اور اروِن نے ارادہ کر لیا تھا کہ اگر یہ دونون چوٹی پر پہونچنے مین ناکامیاب رہے تو آکسیجن بھری بوتلون کی مدد سے ایکبار اور کوشش کی جاوے ۔ ممکن ہے کہ عارضی ہوا کی مدد سے سانس لینے مین آسانی ہو ۔ صبح ہوتے ہی یہ لوگ آٹھ قلیون پر اسباب لاد کر تیار ہو گئے ۔

میلوری نے ہنسکر کہا ۔ یہ آخری کوشش ہے ۔ دوستو اگر پہنچ گئے تو خیر ورنہ یہ چوٹی انسانی قدمون سے ہمیشہ پاک رہے گی ۔

سومرول بولا ۔ خدا حافظ دوستو جاؤ ۔ خدا اور یہ عارضی ہوا کی بوتل تمہاری مدد کرے دوسرون نے کہا آمین !

پھر سبھون سے ہاتھ ملا کر یہ دونون نوجوان روانہ ہو گئے ۔ اور دن رہے بخیریت کمپ نمبر ۵ مین پہنچ گئے ۔ دوسرے روز چار بجے شام کو کمپ نمبر ۶ پر جو ستائیس ہزار چھ سو فٹ کی بلندی پر واقع تھا ۔ قیام کیا ۔ اسی کمپ سے دوسرے روز قلۂ کوہ تک پہنچنے کا ارادہ تھا ۔

۵

صبح صادق کی روشنی مین نیلگون آسمان نہایت خوشنما معلوم ہو رہا تھا ۔ ستارون کی شمعین جھلملا رہی تھین ۔ اور قندیل ماہتاب کی روشنی مدہم ہو چلی تھی جب میلوری اور مراروِن سو کر اٹھے ۔

اروِن نے آسمان کو دیکھکر کہا لو آج بھی مطلع صاف ہے اور لطف یہ کہ طوفانی ہوا بھی نہین آج پڑاؤ مار لیا ۔

میلوری نے ہنسکر جواب دیا ۔ ہان یہ بات عجیب ہے کہ ہمکو برابر آسمان صاف ملا اور آفتاب چمکتا رہا ۔ شروع مین البتہ مانسون کے آثار نظر آئے تھے لیکن وہ بھی غائب ہو گئے ۔

چھولداری کی طرف مڑکر اروِن نے کہا ۔ میلوری چلو قہوہ پیکر چڑھائی شروع کرین

ابھی بہت فاصلہ طے کرنا باقی ہے۔

تھوہ پیکر یہ دونوں توانا و تندرست نوجوان جنھوں نے ہفتوں سے نہ حجامت بنوائی تھی، نہ غسل کیا تھا اور نہ کپڑے ہی صاف پہنے تھے۔ کمر ہمت باندھکر چڑھنے لگے یہ چڑھائی بہت مشکل تھی جیسا کہ نارٹن اور سومرول کو اتفاق ہو چکا تھا۔ کچھ دور پر انکو وہی سیڑھی نما زرد چٹانیں ملیں اور ان پر وہ لوگ آہستہ آہستہ چڑھنے لگے۔ آکسیجن کی بوتلیں ان کی جیبوں میں تھیں اور ربڑ کی نلیاں ناک میں لگی تھیں جنکے باعث سانس لینے میں آسانی ہو گئی تھی۔ اٹھائیس ہزار فٹ سے کچھ اونچے پہنچنے پر یہ لوگ سستانے کو رکے۔

گھڑی دیکھکر اروں نے کہا۔ لو اب ایکہزار فٹ سے کچھ کم رہ گیا۔ ہمکو ساڑھے تین سو فٹ چڑھنے میں دو گھنٹے لگے۔ ایسا نہو کہ چوٹی پر پہنچنے میں شام ہو جائے۔

میلوری نے کہا۔ چڑھائی واقعی دشوار گزار ہے۔ اسی سے ہملوگوں کو رفتار اسی سست ہے۔ اچھا آؤ کوشش کریں۔

اور یہ دونوں دگنی تیزی سے چڑھنے لگے۔

بلندی کے ساتھ ساتھ ہوا بھی پتلی ہوتی گئی۔ عارضی ہوا کی بوتل انکو سانس لینے میں بہت مدد دے رہی تھی مگر چٹانیں اتنی چکنی تھیں کہ ان پر پاؤں جمانا مشکل تھا۔ دوپہر کے قریب یہ لوگ چوٹے سے تقریباً پانچ سو فٹ رہ گئے۔ لیکن اب خرابی یہ لاحق ہوئی کہ جن زرد چٹانوں پر یہ زینہ کی طرح چڑھ رہے تھے ان کے درمیان فاصلہ زیادہ ہوتا گیا۔ بعض چٹانیں ڈھیلی بھی تھیں جو ان کے بوجھ سے ہلنے لگتی تھیں۔ اروں آگے جا رہا تھا۔ اور میلوری پیچھے یہ لوگ احتیاط سے قدم رکھتے چڑھ رہے تھے۔ تاکہ قدم نہ پھسلے اور کبھی کبھی سنبھلنے کیلئے اوپر والی چٹان کو پکڑ لیتے تھے۔

۶

چوٹی سے مہا دیو جی پاربتی کے ساتھ ان کے چڑھنے کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ نیچے دیکھتے ہوئے پاربتی بولیں۔ مہاراج یہ بڑے نڈر ہیں۔ دیکھئے تو کتنی دور آگئے

تین چار گھنٹے مین یہ لوگ چوٹی پر ہونگے۔
مہادیو جی نے تعریف کے لہجہ مین فرمایا۔ اسمین کوئی شک نہین کہ یہ لوگ بیخوفی سے چڑھ رہے ہین۔ لیکن پاربتی اب چڑھائی خطرناک ہوگئی ہے۔ ذرا پیر پھسلا تو بس کھڈ مین ہونگے۔
پاربتی جی نے اپنا سر اُٹھاکر کہا۔ اتنے نیچے دیکھنے سے میری طبیعت گھبراتی ہے۔
مہادیو جی نے سمجھایا۔ ہان بلندی سے پستی کی جانب دیکھنے مین بہت خوف معلوم ہوتا ہے۔ چڑھنے والے کو چاہیے کہ بغیر نیچے دیکھے چڑھے۔ یہ لوگ برابر چڑھے چلے آ رہے ہین مجھے ڈر ہے کہ اگر روکے نہ گئے تو چوٹی پر ہونگے۔
پاربتی نے ترس کھاکر کہا: "سوامی یہ لوگ جان پر کھیل کر آئے ہین اور بہت بیباک ہین اسلئے اسطرح روکئے کہ ان کو کچھ گزند نہ پہونچے۔ آپ سب دیوتاؤن مین رحمدل مشہور ہین۔
مہادیو جی بولے۔ یہ سچ ہے۔ پیاری پاربتی مین سب دیوتاؤن سے زیادہ رحمدل ہون مگر اب رحم کا کام نہین۔ مین نے ان کے راستہ مین بہت سی دقتین حائل کین تاکہ ان کو آگہی ہو۔ مگر نہین یہ بیوقوف کیطرح خود اپنی موت کے منھ مین آرہے ہین۔ ان احمقون کو اب سزا کو پہنچنے دو۔
پاربتی نے سفارش کی۔ سوامی یہ آخر تو انسان ہی ہین۔ ان کے قصور کو معاف کیجیے۔
مہادیو جی نے چین بجبین ہوکر کہا۔ پاربتی اب یہ ناممکن ہے۔ اب یہ روکے جائینگے تم اب کچھ نہ کہو۔
وہ دیوتا جنکی نیکدلی اور رحم کی داستانین ہندؤن کی قدیم کتابون مین مذکور ہین اسوقت غیظ و غضب کی مجسّم شبیہہ بنے اپنی شعلہ بار آنکھون سے آسمان کی جانب دیکھنے لگے۔ دفعتاً آسمان پر کالے کالے بادل محیط ہونے لگے۔ اور پہاڑی ہوا چلنے لگی۔
پاربتی نے نیچے دیکھا تو ان کو وہ دونون باہمت انسان اوپر والی چٹانون کو مضبوطی سے پکڑے نیچے والی چٹانون پر پیر جمائے نظر آئے۔
ہوا کا زور دمبدم بڑھتا جاتا تھا۔ آسمان کو ابر سیاہ نے ڈھک لیا اور آفتاب کا

رخ روشن سیاہ طوفانی بادلوں مین اسطرح چھپ گیا جیسے کسی حسینہ کا چہرۂ پر نور بکھری ہوئی زلفوں مین ۔

ہوا کا زور دیکھکر میلوری بولا ۔ ارون خداحافظ اگر تم نیچے بخیریت پہنچو تو کہدینا کہ مین اخیر تک ثابت قدم رہا ۔ اس طوفانی ہوا اور اس بیوجہ تاریکی کے باعث ان چٹانون پر زیادہ دیر تک ٹھہرنا انسانی طاقت کے باہر ہے ۔

ارون نے مایوسی سے کہا ۔ یہان بھی یہی حال ہے ۔ میلوری تم سے کچھ زیادہ اونچائی پر ہونے کے باعث مجھے زیادہ تکلیف ہو رہی ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہوا ہمکو پہاڑ سے کھینچکر نیچے پھینک دیگی ۔

میلوری تکلیف سے گویا ہوا ۔ میرے دونون ہاتھ چٹان پکڑے پکڑے بہت درد کرنے لگے ہین نسین ڈوری کی طرح ابھر آئی ہین اور ـــــ

لیکن بیچارے کا جملہ ناتمام رہا ۔ جس چٹان کو وہ پکڑے تھا وہ ہلی اور ہوا نے اسکو چٹان سمیت ہزارون فیٹ کی گہرائی مین گرادیا ۔ اسی چٹان پر ارون پیر جمائے تھا کہ دفعتاً ایک دھکا لگا اور چٹان پیر کے نیچے سے نکل گئی ۔ اگر وہ اوپر والے کرارے کو مضبوطی سے نہ پکڑے ہوتا تو وہ بھی میلوری کے ساتھ ہی نیچے گر جاتا ۔ لیکن اب وہ معلق لٹک رہا تھا اسکے پیر ہوا مین جھول رہے تھے ۔ اسنے اوپر اُٹھنے کی بہت کوشش کی لیکن ہوا مانع تھی ۔ اسکے ہاتھ شل ہو چکے تھے ۔ وہ سست ہونے لگے ۔ اور ان مین چٹان کو زیادہ دیر تک پکڑنے کی طاقت نہ رہی ۔

ہوا اب اسقدر تیز ہو گئی تھی کہ یہ معلوم ہوتا تھا گویا کہ چوٹی کو جڑ سے اکھاڑ ڈالے گی ۔ دفعتاً ارون کو ایک ایسا جھونکا لگا کہ چٹان اسکے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور وہ اٹھائیس ہزار پانسو فٹ کی بلندی سے دامن کوہ مین ان سنگریزون پر گرا جن پر دریائے گنگ معشوقون کی کاکل پیچان کی طرح بل کھاتی ہوئی بہ رہی تھی ۔ اسکا جسم چکنا چور ہو گیا اور مرغ روح فوراً قفس عنصری سے پرواز کر گیا ۔ اسکے پاس ہی اسکے دوست میلوری کی لاش تھی ۔ جو سنگریزون پر گرنے کے باعث پاش پاش ہو گئی تھی ۔

پاربتی جی یہ مہیب منظر دیکھکر گھبرا گئیں۔

منھ سے بیساختہ نکل گیا۔ ارے یہ کیا ہوا۔

مہادیو جی نے غضبناک آواز مین کہا۔ یہ کیلاش کے دیوتا کا انتقام ہے!

اسکے بعد ہی ہوا کا زور کم ہوگیا اور بادلون کی نقاب ہٹاکر آفتاب۔ اپنا نورانی چہرہ دکھانے لگا۔

جی۔ پی۔ بھٹناگر۔ بی۔ اے۔ (لکھنوی)

---

## رسید کتب

**باغبان** (ترجمہ از ٹیگور) مترجمہ مسٹر حامد حسین قادری بجہرایونی صفحات ۱۴۰ قیمت ۸؍ ملنے کا پتہ میلکن اینڈ کمپنی کلکتہ

**حریت اسلام** از سید یوسف حسین مولوی کی رائے۔ مطبوعہ ادبی پریس لاٹوش روڈ لکھنو۔

**کاس الکرام** یعنی شرح رباعیات عمر خیام معہ سوانحمری حکیم موصوف از میر ولی اللہ بی۔ اے، ایل، ایل، بی۔ وکیل ایبٹ آباد قیمت ۱۲؍

**خطوط سرسید**۔ مرتبہ سید راس مسعود صاحب المخاطب بہ نواب مسعود یار جنگ۔ بی اے (آکسن) ناظم تعلیمات سرکار آصفیہ حیدر آباد دکن۔ مطبوعہ نظامی پریس بدایون قیمت عہ؍

**دیوان جانصاحب** (مولفہ آغا حیدر حسن صاحب دہلوی) مطبوعہ نظامی پریس بدایون قیمت عہ؍

**آئینہ جذبات** نتیجہ فکر سردار دیوان سنگھ اہلووالیہ ملنے کا پتہ دفتر آئینہ جذبات گجرات

**مکاتیب امیر مینائی** کا دوسرا ایڈیشن معہ اضافہ و ترتیب مزید۔ مرتبہ مولوی احسن اللہ صاحب ثاقب ملنے کا پتہ دائرہ ادبیہ لاٹوش روڈ لکھنو۔

**معارف القرآن**، مصنفہ مولانا زاہد القادری صاحب تقطیع ۱۸×۲۲ ضخامت ۸۰ صفحہ قیمت ۸؍ ملنے کا پتہ دفتر الھلال دھلی؛

# سچّا دوست

ڈاکٹر رام ناتھ بی اے (جو حال میں ولایت سے ڈاکٹری پاس کر آئے ہیں) اپنے کمرے میں میز کے پاس کرسی پر بیٹھے ہوئے اخبار پڑھ رہے ہیں۔ مارچ کا مہینہ ہے شام کا وقت ہے ٹھنڈی ٹھنڈی دلخوش کن ہوا چل رہی ہے، ہر جگہ موسم بہار نے اپنا رنگ جما رکھا ہے۔ لیکن ہمارے ڈاکٹر بابو اخبار میں چھپی ہوئی "دق سل" کی بیماری کے متعلق ایک قابل ڈاکٹر کا لکھا ہوا مضمون پڑھنے میں اتنے محو ہیں کہ انکو بہار کی رنگین ادائی اور موسم کی دلفریبی کی مطلق پروا نہیں،

ڈاکٹر رام ناتھ ایک معزز خاندان کے تنہا وارث ہیں۔ جب وہ میڈیکل کالج میں تعلیم پاتے تھے اُسی وقت انکے سر سے ماں کا سایہ اُٹھ گیا تھا۔ گھر میں باپ کا اندوختہ بہت کچھ تھا اُسکے سہارے یورپ پہونچے اور وہاں سے ڈاکٹری کا سرٹیفکٹ لیکر ہندوستان واپس آئے ہیں، ایک چھوٹے سے مکان میں دواخانہ کھول رکھا ہے بڑی خوبی یہ ہے کہ لکھپتی ہو یا کنگال انکی نظر میں سا سب ایک سے ہیں۔ محبت اور محنت سے سب کا علاج مفت کرتے ہیں، مزاج میں قناعت بہت ہے جو کچھ دوا کی قیمت مل جاتی ہے اُسی پر قناعت کرتے ہیں،

تھوڑا زمانہ ہوا کہ ڈاکٹر رام ناتھ کے ماموں کا انتقال ہو گیا۔ ان کے پاس دولت بہت تھی لیکن سوائے ڈاکٹر صاحب کے کوئی اور وارث نہ تھا، چنانچہ انکی تمام دولت ڈاکٹر صاحب کے قبضے میں آگئی اور دفعتاً لکھپتی ہو گئے ڈاکٹر صاحب اس غیر متوقع دولت پر مغرور نہیں ہوئے بلکہ وہ اور بھی رحمدل ہو گئے۔ غریب محتاجوں کو فیض پہونچانا اور انکی مدد کرنا اُنکا فرض خاص ہو گیا۔ اُنہوں نے اپنا پرانا مکان اور دواخانہ نہ چھوڑا بلکہ صرف تین ہی کمروں میں وہ ہنسی

خوشی بسر کرتے رہے۔ اسطرح زندگی بسر کرنے کا ایک خاص سبب یہ بھی تھا کہ ابھی تک انکی شادی نہین ہوئی تھی، انکے یہان ایک کتا پلا تھا جسکا نام ٹامی تھا، اور ایک مینا بھی جسے وہ چمیلی کہا کرتے تھے، چونکہ گھر مین ان دونون کے سوا کوئی دوسرا نہ تھا اسلیے ڈاکٹر صاحب ان دونون سے بہت مانوس تھے،

ڈاکٹر صاحب اخبار پڑھنے مین محو تھے کہ انکے پُرانے دوست بیرسٹر رگھونش سرن کمرے مین آپہونچے، رگھونش سرن کے آتے ہی ٹامی نے اپنا منھ رام ناتھ کے پیر کے آگے سے ذرا ہٹا کر بیرسٹر صاحب کو گھور کر دیکھا، پنجرے مین بولتی ہوئی چمیلی نے بھی اپنا گانا بند کر دیا۔ رگھونش سرن نے ٹامی کا ایک کان پکڑ کر زور سے اپنی طرف کھینچ لیا۔ کتا زور سے چلانے لگا۔ بیرسٹر صاحب کتے کو چھوڑ کر اپنے دوست ڈاکٹر کی کرسی کے پاس ہی پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ اور چرٹ کا گل گراتے ہوے بولے "چلو گھومنے چلین"

ڈاکٹر۔ کیون آج گھومنے کے لیے اتنے بے قرار کیون ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ آج کوئی نئی بات ہے،

بیرسٹر۔ اٹھو چلو رانی باغ چلین یا اور کسی طرف چلین۔ کیا موسم بہار کی دلفریبیون کا تم پر کچھ اثر نہین ہوتا

ڈاکٹر۔ یہ تم ایکدم شاعر نازک خیال کیسے ہوگئے۔ تمھارے چہرے پر تو بسنت کے پھولون کیطرح خوبصورت بہار نہین معلوم ہوتی، لیکن دل کیون بہار کا شیدائی ہو۔ سچ کہو کیا بات ہے۔

رگھونش سرن نے چرٹ کو زور سے کھینچ کر دھوان چھوڑتے ہوے کہا شاباش ٹھیک پوائنٹ (نکتہ) پکڑا ہے۔ آج میرے دلمین بسنت کی بہار ہے۔

ڈاکٹر۔ یہ بات اچانک کیسے ہوگئی۔ تم تو دن بھر مسلون کے بنڈل اور قانون کی کتابین پڑھنے مین لگے رہتے ہو پھر تمکو بسنت کے پھولون کی بہار دیکھنے کا شوق کیسے چرایا کیا مس سندری بائی سے شادی ہونیکی بات قرار پاگئی۔

بیرسٹر۔ چھی چھی۔ مین نے جسکو پایا ہے اسکی برابر سندری بالی کیا چیز ہے۔ اُس جیسی نرگسی آنکھون والی گلابی رخسارون والی کیا دنیا مین کوئی اور بھی ہے،، اتنا کہہ کر بیرسٹر صاحب نے ٹامی کو اپنی گود مین بٹھا لیا اور اسکو چرٹ بانیکی کوشش کرنے لگے۔

ڈاکٹر۔ بھائی مین تو یقیناً کچھ نہین سمجھ سکا،،

بیرسٹر۔ کیسے سمجھ سکتے ہو۔ مردے چیرتے چیرتے تمھاری تو عقل مردہ ہوگئی ہے۔ سنو۔ وہ مس شانتا ہے اب سمجھے۔

یہ سنکر ڈاکٹر کا چہرہ ایکدم اُتر گیا۔ انکے ہاتھ سے اخبار گر پڑا لیکن وہ فوراً سنبھل گئے اور کہنے لگے۔ ہین۔ کیا تم سچ کہتے ہو،،۔ مُردا چیرنے کا تو ہمارا روزگار ہی ہے۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ یہ کام ہوا کیسے،،

بیرسٹر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ مین آج یہ خبر لیکر پہلے پہل تمھارے ہی پاس آیا ہون

ڈاکٹر۔ اچھا بیاہ کب ہونا قرار پایا ہے۔

بیرسٹر۔ جیسے ہو بہت جلدی کرنی چاہیئے۔ اچھا آؤ چلو گھومنے چلین۔

ڈاکٹر۔ آج تو مین مجبور ہون کیونکہ ابھی ایک بیمار کو دیکھنے جانا ہو۔

بیرسٹر۔ اچھا پھر مین تو جاتا ہون، یہ کہکر بیرسٹر صاحب خوشی کے مارے اکڑتے ہوئے نیچے اتر گئے۔ آج اُنکا دل باغ باغ ہو رہا ہے۔ خوشی کے مارے جامے مین پھولے نہین سماتے آج وہ بیحد چنچل ہو رہے ہین طرح طرح کے خیالات انکے دماغ مین چکر لگا رہے ہین۔

(۲)

ڈاکٹر رام ناتھ کے گھر سے تو بیرسٹر رگھونش سرن خوش خوش چلے آئے لیکن راستے بھر انکے دماغ اس خیال مین مصروف رہا کہ مس شانتا کے ساتھ شادی کی بات سنتے ہی رام ناتھ کا چہرہ کیون اُتر گیا۔ اگرچہ اس نے اپنے دل کی حالت چھپائی پھر بھی مین نے اسے بھانپ لیا۔ شاید وہ بھی شانتا کو چاہتا ہے۔ یہ سوچ کر رگھونش سرن دلمین ہنسنے لگے اور کہنے لگے۔ پاگل کہین کا بیشک حسن کیطرف ہر شخص کا دل کھنچتا ہے، کہان شانتا بائی اور کہان رام ناتھ۔ پھر بیچارے کا کیا قصور ہی۔ ہزارون راہ چلتے بھکاری سردار یونکو دیکھکر تن من نثار کر بیٹھے ہین۔ ذرا دیکھیا ذلیل آدمی

شیرین کا شیدائی ہو گیا تھا شانتا بھی کیسی حسین ہی کہ جسکے حسن کے سامنے حور بھی اپنی آنکھ شرم کے مارے جھکا لے۔

شانتا تو نے کس لیے غریب ڈاکٹر کو نا امید کرنے کیلئے اپنی خوبصورتی کے دام مین پھنسایا ہی کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہی کہ جو حسین ہے وہ ہمیشہ دل کو خوش کرنیوالا ہی۔

اتنا سوچکر بھی وہ اپنے دوست رام ناتھ پر ناراض نہین ہوئے۔ آج بیرسٹر صاحب کو وہ چیز حاصل ہوئی ہی جس سے انکا دل باغ باغ ہوا جاتا ہے۔

(۳)

رگھونش سرن کے چلے جانے پر رام ناتھ کے دل مین بھی خیالات کا دریا موجزن ہو گیا۔ بچپن سے اب تک کی بہت سی بھولی ہوئی باتین یاد آگئین۔ رام ناتھ اور شانتا مین بچپن ہی کی محبت تھی۔ دونون ایک ہی اسکول مین پڑھے تھے۔ دونون ایک ہی ساتھ گھومتے پھرتے تھے۔ آج بیرسٹر صاحب نے وہ سارے واقعات یاد دلا دیئے۔

شام ہو گئی۔ آہستہ آہستہ تارونکے زیورات سے سجی ہوئی اور نیلگون آسمان کی ساڑی باندھے ہوئے رات آپہونچی۔ چمپلی بھی چپ ہو گئی۔ ٹامی نے بھی آنکھین بند کرلین، لیکن ہمارے ڈاکٹر صاحب کے خیالات رات کی تاریکی مین اور بھی کھل کھیلے۔ کمرے مین لیمپ روشن ہو گیا مگر انکا دل تاریک ہی، ایکمرتبہ جوش مین آکر آپ ہی آپ کہنے لگے۔ رگھونش سرن مس شانتا بائی سے شادی نہین کرسکتا۔ مین شانتا بائی کے والد سے کہونگا کہ کیا رگھونش سرن مجھسے زیادہ دولتمند ہے۔ ہرگز نہین ہم دونون روپیہ پیدا کرتے ہین۔ وہ بیرسٹر ہے تو مین بھی ڈاکٹر ہون۔ اسکو خاندان کا بہت زیادہ خرچ برداشت کرنا پڑتا ہی۔ میرے ذمہ صرف چمپلی، ٹامی، اور نوکر کا خرچ ہے اور پھر مین ایک بہت بڑی جائداد کا مالک ہون کمانیکی بھی ضرورت نہین بیٹھے بیٹھے کھا سکتا ہون۔ وہ مجھ سے کسی طرح بھی بڑا نہین ہی آخر ڈاکٹر صاحب اُٹھے اور مس شانتا کے بنگلے کیطرف چلدیئے۔

(۴)

دوسرے روز جب رگھونش سرن عدالت سے مکان کو لوٹے تو انکو اسی وقت مس شانتا بائی کے ہاتھ کا ایک خط ملا۔ اسمین لکھا تھا کہ آج شام کی ٹرین سے ہملوگ متھرا جا رہے ہین آج شام کو

جو مین نے تم کو دعوت دی تھی اسکے لیے معافی چاہتی ہون''

خط پڑھتے ہی ہوشیار بیرسٹر کے دماغ مین طرح طرح کے خیالات آنے لگے۔ اسکے ساتھ ہی بیرسٹر صاحب کے شگفتہ دل مین وہم کا کالا بادل چھا گیا انہون نے اس خط کو کئی دفعہ پڑھا لیکن کچھ سمجھ مین نہ آیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ آخرکار وہ اسی وقت رام ناتھ کے مکان پر پہونچے بیرسٹر صاحب جیسے ہی ڈاکٹر کے گھر پہونچے نوکر نے آکر کہا ڈاکٹر صاحب باہر گئے ہین اور اتنا کہکر جیب سے ایک کارڈ نکال کر انکے حوالے کیا۔ اسمین صرف ''متھرا'' لکھا تھا،

اب کیا تھا دل کا وہم اور بھی زور پکڑ گیا۔ دلمین طرح طرح کے برے بھلے خیالات آنے لگے۔ وہ ڈاکٹر صاحب کو ذیل سے ذیل سمجھنے لگے۔ بلکہ اتنے دنون تک کی دوستی پر اپنے آپ کو ملامت کرنے لگے لیکن کرتے کیا چپ چاپ بیٹھنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا، کچھ عرصے کے بعد ڈاکٹر صاحب کا ایک خط انکو ملا جسمین لکھا تھا کہ ''شانتا بائی سے میری شادی ہوگئی۔ مین نے کیون اس سے شادی کی اسکا سبب ابھی تمکو نہین بتا سکتا۔ یہ مین خوب سمجھتا ہون کہ تم مجھے کمینہ کہوگے لیکن اگر ہوسکے تو بہت دنون کی سچی دوستی کے صدقے مین مجھے معاف کرنا۔ مین اب کبھی نہین لوٹونگا۔ یہان پر بھی بیمار اچھی تعداد مین آنے لگے ہین اسلیئے آمدنی معقول ہی، آپ خیال کرتے ہونگے کہ شانتا کے ملنے پر آپکو عیش ملتا۔ مین نے آپکو اس آرام سے الگ کردیا۔ لیکن ایشور سے میری بار بار یہی دعا ہی کہ وہ تمکو اس سے بھی کہین زیادہ آرام دے۔ اگر میری دعا مین اثر ہے تو یقیناً تم مجھ سے بھی زیادہ چین سے رہوگے۔

تمہارا صادق دوست رام ناتھ

اس خط کو پڑھکر بیرسٹر صاحب کے دل کی آگ اور بھی بھڑک اٹھی۔ آنکھین سرخ ہوگئین دانت پیستے ہوئے فوراً خط کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے پھینک دیا۔ غصے کے مارے ہاتھ کی مٹھیان بندھ گئین۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ ہی آپ بڑبڑانے لگے۔ ''بے ایمان۔ پاجی۔ اب بھی دوستی کا دعوی کرتا ہی مجھے زیادہ آرام سے دیکھنے کا جملہ لکھکر میرا مذاق اڑانا چاہتا ہی۔ اب اگر میرے سامنے آئے تو خون پی لون،

اتنا کہکر بیرسٹر صاحب بے دم سے ہوکر پاس پڑی ہوئی بنچ پر لیٹ گئے۔ انکی آنکھو

سامنے اندھیرا چھا گیا ۔

(۵)

پچھلے واقعات کو ہوئے اب دس سال گذر گئے ہین - ایکدن شام کو جنت نشان باغ کے بنگلے مین رگھونش سرن کی موٹر داخل ہوئی - موٹر کی آواز سنتے ہی بنگلے سے دو لڑکے اور ایک لڑکی نکل آئے - رگھونش سرن گاڑی مین سے اُترے ہی تھے کہ تینون بچے انکے پاس آ گئے رگھونش سرن نے بچون کو پیار کیا اور پھر ایک کو ایک ایک روپیہ دیا - بچے انکو گھیرے ہوئے انکے ساتھ ساتھ بنگلے کی طرف چلنے لگے -

رام ناتھ اور شانتا بائی کی شادی ہو جانیکے بعد رگھونش سرن نے بھی پچھلی باتون کا خیال رفتہ رفتہ بالکل بھلا دیا اور اپنی شادی مس سندری بائی سے کر لی تھی - اب انکی زندگی بڑے آرام اطمینان سے کٹتی ہے - کسی قسم کی تکلیف ہرگز نہین ہے - اب انکے دل مین شانتا کا نام کو بھی خیال نہین آتا - وہ سندری کو شانتا بائی سے کہین زیادہ حسین خیال کرتے ہین سندری بائی بڑی باعصمت عورت ہے انکی جی جان سے خدمت کرتی ہے - جب رگھونش سرن اپنے چھوٹے چھوٹے خوبصورت بچون کو کھیلتا دیکھتے ہین تو خوشی کے مارے جامے مین پھولے نہین سماتے -

(۶)

شام کو کھانا کھا چکنے کے بعد بیرسٹر رگھونش سرن صاحب اوپر کے برامدے مین بیٹھے تھے آسمان پر کالے کالے بادل اِدھر اُدھر دوڑ رہے تھے، چارون طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی - ہوا کے تھپیڑون سے نیلے پھول والی بیلین سفید پیڑون پر آ رہی تھین - رگھونش سرن چرٹ پیتے پیتے کچھ سوچ رہے تھے کہ اتنے مین سندری آ پہونچی - اس نے بیرسٹر صاحب کو یون فکر مین بیٹھے دیکھکر آہستہ مگر میٹھی آواز سے دریافت کیا "کیا سوچ رہے ہو" بیرسٹر صاحب کے خیالات کی لڑی ٹوٹ گئی انھون نے چرٹ کا گل گراتے ہوئے کہا - "آج مین نے ایک بڑا حیرتناک سپن دیکھا ہے"

سندری بائی نے تعجب انگیز لہجہ مین کہا - "وہ کیا"

بیرسٹر صاحب - آج کورٹ (عدالت) سے آتے ہوئے مین نے رام ناتھ کو دیکھا......
سندری - تو اسمین تعجب کی کونسی بات ہو کیا کچھ بات چیت ہوئی تھی -
سٹر - نہین - آج دس برس کے بعد اسکو دیکھتے ہی دلمین ایک آگ سی بھڑک اُٹھی - رر کیا
ون" اتنا سوچا تھا کہ موٹر آگے نکل گئی -
دری نے ہنستے ہنستے کہا - اب بھی دلمین آگ سی بھڑک اُٹھتی ہے تب تو آپ یقیناً ابھی
ے شانتا بائی کو نہین بھولے ہونگے -
رسٹر - نہین نہین - اگر بھول نہ جاتا تو یہ آرام کہان سے ملتا - تمہاری جیسی بے داغ صورت
ن سے دیکھتا - پیاری تمہارے نصیب سے مین آج اتنا باعزت آدمی ہون - اتنا کہکر بیرسٹر
احب نے سندری کا ہاتھ اپنے ہاتھ مین دبا کر کہا - لیکن آہ - کتنا خوفناک سین تھا،
ندری - (تعجب سے) کیسا خوفناک"
رسٹر - رام ناتھ کا جسم گل گیا ہے - جسم کے اوپر پھٹے ہوے کپڑے تھے معلوم ہوتا ہو کہ اسکو
سل کا مرض، ہوگیا ہے -
ندری کو بڑا رحم آیا - کہا - پھر کیا آپنے انکا حال نہین پوچھا،،
رسٹر - بڑی غلطی ہوئی"
ندری نے تھوڑی دیر سوچکر کہا - کیا انکی خبر لینے کی کوئی ترکیب نہین ہے،،
رسٹر - اتنی بڑی آبادی مین اُنکی خبر کیسے مل سکتی ہے،،

(۷)

دس روز اور اسی طرح سے گذرے - گیارھوین روز دوپہر کے بعد موسلا دھار بارش ہونیلگی
طرف پانی ہی پانی نظر آنے لگا - ہوا کے تیز جھونکون نے بیرسٹر صاحب کے باغ مین پھولونکا
ین پر گرا کر رنگ برنگی چادر بچھا دی تھی لیکن بارش ہوتے ہی وہ سب کے سب پانی مین تیرنے
لگے - رات کا کھانا کھانے کے بعد بیرسٹر صاحب اپنے دیوان خانے مین جا بیٹھے، تھوڑی دیر
کے بعد سندری بائی بھی انکے پاس آ بیٹھی -
گھنشیام نے کہا دروازے بند ہونے کی وجہ سے گرمی بہت معلوم ہوتی ہے، سامنے کی

کھڑکی کھولدو تاکہ ہوا آئے۔
سندری بائی نے جیسے ہی ایک کھڑکی کے کواڑ کھولے ویسے ہی نیچے نوکر کو کسی آدمی کے ساتھ زور زور باتین کرتے سنا۔ اس نے نوکر کو بلا کر کہا۔ کیا ہے کس سے باتین کر رہا تھا۔ نوکر نے کہا۔ ایک شخص کسی کا خط لیکر آیا ہے۔ سندری بائی نے کہا وہ کہان ہے،،

نوکر۔ وہ خود دینا چاہتا ہے۔

سندری۔ اسکو ساتھ لیکر اوپر آؤ، نوکر بہت اچھا کہکر چلا گیا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک اجنبی شخص کو اپنے ساتھ لے آیا۔ اس اجنبی نے آتے ہی رگھونش سرن کو سلام کیا اور انکے آگے وہ خط رکھدیا۔ رگھونش سرن سلام کا جواب دیکر خط کو پھاڑکر پڑھنے لگے۔ انہین لکھا تھا میں بستر مرگ پر پڑا ہوا ہون، مجھے اپنا بچنے والا اس وقت کوئی نہین ہے، اسی سے بمشکل تمام اس آدمی کے ہاتھ یہ خط بھیجتا ہون۔ آپ سے مجھکو بہت ہی باتین کہنی ہین۔ مگر کیا آپ تشریف لائین گے، امید تو نہین۔ پھر بھی لکھتا ہون معاف کرنا۔

تمہارا سچا دوست ،، رام ناتھ،،

خط رام ناتھ ہی کے ہاتھ کا تھا۔ پڑھکر رگھونش سرن نے سندری کے ہاتھ مین دیا۔ سندری نے پڑھکر کہا۔ اسی وقت جانا چاہیے۔ آرام طلب بیرسٹر صاحب بولے اس وقت کہان جائین دیکھو نہ کیسی موسلا دھار بارش ہو رہی ہے،

سندری۔ کچھ پروا نہین، چاہے جو کچھ ہو لیکن جانا ضرور چاہیے۔ اس نے خط لانیوالے کو ٹھہرنے اور نوکر سے موٹر تیار کرنے کو کہا اور خود بھی کپڑے بدلنے لگی۔ اسکو اسطرح تیار دیکھکر رگھونش سرن نے کہا کیا تم بھی ساتھ چلو گی،؟

سندری نے جواب دیا۔ ہان! مین بھی آپکے ساتھ چلتی ہون،

(۸)

بمبئی کی ایک لمبی سڑک سے گزرکر موٹر ایک گلی مین داخل ہوا، تاریکی، تنگی راہ کی وجہ سے رگھونش سرن اور سندری بائی گاڑی سے اُتر پڑے اور اس خط لانیوالے کے پیچھے پیچھے چلنے لگے، راستہ مین سخت بدبو تھی جس سے ان دونون کا سر چکرانے لگا، اس راستے سے وہ پہلے

کبھی نہین آئے تھے۔ رگھونش سرن سوچنے لگے کہ ایک اجنبی آدمی کے ساتھ ایسی اندھیری رات مین ایسی جگہ آپہونچے یہ ٹھیک نہین کیا۔ اور سندری بائی کو تو ساتھ مین کبھی لانا ہی نہین چاہیے تھا، چلتے چلتے ایک خراب خستہ مکان کے سامنے آکر رُکے۔ اس مکان مین سے ہوکر دوسری منزل پر پہونچے۔ دوسری منزل کی ایک چھوٹی سی کوٹھری مین ایک مٹی کا دیا جل رہا تھا جسکی دُھندلی روشنی مین اُنھون نے ایک شخص کو ایک ٹوٹی ہوئی چارپائی پر موت کی گھڑیان گنتے ہوئے پایا۔ یہ ڈاکٹر رام ناتھ تھے۔

رام ناتھ نے اپنے دوستون رگھونش سرن اور سندری بائی کو کھڑے ہوئے دیکھکر بہت ہی کمزور آواز سے کہا "کون؟" رگھونش سرن اور سندری بائی"

رگھونش سرن۔ ہان۔ یہی میری بیوی ہین

رام ناتھ نے کہا۔ ہان، وہ مین نے سب سنا ہے۔ سنکر جو خوشی ہوئی ہے وہ مین ہی جانتا ہون۔ بھائی رگھونش سرن مجھے معاف کرنا۔

رگھونش سرن۔ اب آپ معافی مانگنے کے لایق نہین رہے اب آپکے اوپر غصہ کیسا۔ مین نے آپکو سچے دل سے معاف کیا۔

رام ناتھ نے آہستہ آہستہ یون کہنا شروع کیا۔ مرنے سے پہلے آپکو دیکھ لیا۔ یہی میرے لیے خوشی کی بات ہے۔ جسکی دوستی نے مجھے اس حال کو پہونچا دیا، اسکی وجہ سے مین زندگی بھر آپکی دوستی سے محروم رہا، آج مرتے وقت اُمید بندھ گئی کہ آپسے پھر دوستی کرسکونگا......

زیادہ نہین بولا گیا۔ تھوڑی دیر تک دم لینے کے بعد پھر یون کہنا شروع کیا۔ رگھونش سرن تمکو یاد ہے کہ ایک دن دس برس ہوئے شام کے وقت تم مجھے مس شانتا بائی کے ساتھ اپنی شادی کی خوشخبری دینے آئے تھے۔

رگھونش سرن" ہان۔

رام ناتھ آپکی وہ بات سنکر مجھے بڑی حیرت ہوئی تھی۔ بات یہ تھی کہ مین جانتا تھا کہ مس شانتا بائی کو "سل" کی بیماری ہے۔ ایک بار مین اُسکا علاج کرنے گیا تھا جبھی سے یہ بات جانتا تھا اور یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ اسی مرض سے اسکی والدہ کی بھی موت ہوگئی تھی، اسکی اس بیماری کا حال

پونا مین سب جانتے تھے۔ اسی سے اُسکے والد بمبئی مین آرہے تھے، اور یہان اسکو اپنے رشتے دارون اور مسون کے پاس اچھے اچھے کپڑے پہنا کر گھومایا کرتے تھے اسکے ہاتھ مین اعلیٰ درجے کا عمدہ رومال ہمیشہ رہا کرتا تھا۔ اسکا مطلب یہ تھا کہ جیسے ہو اسکی شادی بہت جلد ہوجائے۔ مین اِن کا خاص ڈاکٹر ہونے کیوجہ سے یہ بھید جانتا تھا۔ لیکن مجھسے عہد کرالیا گیا تھا کہ مین یہ بات کسی سے بھی نہین کہونگا۔ ایک دفعہ آپسے کہنے کی خواہش ہوئی مگر اپنے عہد کی وجہ سے رُک گیا۔ پھر آپ اس کے حُسن کے مقابلے مین میری بات کیون مانتے چنانچہ ایسی حالت مین ایک سچے دوست کا کیا فرض تھا وہ مین بخوبی جانتا تھا۔ مین نے بہت کچھ سوچا سمجھا........

رگھونش سرن اور سندری بائی تعجب بھری آنکھون سے رام ناتھ کیطرف دیکھ رہے تھے، تھوڑی دیر دم لینے کے بعد رام ناتھ نے پھر کہنا شروع کیا۔ مین نے آخر مین یہ طے کر لیا کہ آپکے اوپر ایک خاندان کی ذمہ داری ہے اور مین بالکل اکیلا ہون۔ اِدھر شانتا بائی کے والد کو شادی کی جلدی تھی۔ مین فوراً انکے پاس گیا اور ان سے کہا کہ مین رگھونش سرن سے ہر ایک بات مین زیادہ ہون، آپ مجھی سے شانتا بائی کی شادی کیون نہین کردیتے۔ اُنہون نے فوراً میری بات مان لی۔ اور ہم متھرا اسوجہ سے چلے گئے تھے کہ یہان پر آپ ہرگز شادی نہونے دیتے بلکہ میری جان کے گاہک ہوجاتے۔ روپیہ لٹوا چکنے کے بعد شانتا تکلیفین سہتی سہتی آخر مرہی گئی، مین بھی اس مصیبت سے چھٹنے کی تیاری کر رہا ہون۔

بھائی رگھونش سرن اب آپکو معلوم ہوا ہوگا کہ مین نے کیون آپکے آرام مین روڑا اٹکایا تھا۔ مین نے آپ کو خط مین لکھا تھا کہ میری دعا ہے کہ آپکو مجھسے زیادہ آرام ملے۔ اب آپ دونون کی حالت کا مقابلہ کر دیکھین کہ کون آرام سے ہے اور کون تکلیف سے؟ دوست کیا اب آپکی دوستی مجھے پھر مل سکے گی؛ کیا اب آپ مجھے دوست کہہ سکتے ہین۔.....

رگھونش سرن تمکو اب معلوم ہوا کہ شانتا بائی کے ساتھ ڈاکٹر نے کیون شادی کی تھی، رام ناتھ نے ایشور سے دعا کرتے ہوئے اپنے خط مین لکھا تھا۔ کہ تم مجھسے زیادہ آرام مین رہو۔ اُس کا سبب بیرسٹر صاحب کو آج معلوم ہوا۔ وہ ابھی تک یہی نہین سمجھ سکے تھے

کہ سچا دوست اپنے دوست کے لیے کیا کیا کر سکتا ہی انہون نے صرف قانون ہی کی کتابین پڑھی تھین مگر انھین سچے دوست کی کوئی پہچان نہ دیکھی تھی آج رام ناتھ کے سچے دل سے جو الفاظ نکلے ان سے سچے دوست کی پہچان ہوئی۔

انکا دل بھر آیا وہ رام ناتھ کی گندی چارپائی پر منھ رکھکر نادان بچے کی طرح رونے لگے اور بھرائی ہوئی آواز مین بولے دوست ؛ سچے دوست ؛ درآپ صرف مجھکو آرام پہونچانے کیلئے جان بوجھکر موت کے منھ مین گئے اور مین نالایق آپکو کس نظر سے دیکھا کیا ! ہائے ! ؟

(۹)

رام ناتھ سے اُنکی آپ بیتی سنکر سندری بائی کے نازک دل پر ٹھیس لگی اور اسکی آنکھون سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ وہ من ہی من مین کہنے لگی۔

او فرشتہ خصلت انسان تو واقعی فرشتہ ہے۔ اپنے دوست کی بھلائی کے لیے اپنی دولت و زندگی کو برباد کر دیا۔ دنیا مین تجھ جیسا کون آدمی ہی۔ اگر اس دنیا مین تجھکو آرام نہین ملا تو دوسری دنیا بین بھی خوشی اور راحت نصیب ہوگی

اکثر ایسا بھی ہوا ہی کہ مردون کی نسبت عورتین زیادہ ہوش و حواس قائم رکھنے والی پائی گئین ہین ٹھیک وہی حال یہان بھی ہوا۔ رگھونش سرن تو رنج کے مارے از خود رفتہ ہو گئے مگر سندری بائی نے صبر سے کام لیا اور اس خط لانے ولے آدمی کے ذریعہ سے مالک مکان کو بلوایا۔ مالک مکان نے آکر یہان ایسی گندی جگہ پر رگھونش سرن اور سندری بائی کو دیکھکر بڑا تعجب کیا۔ اسکے آتے ہی سندری نے کہا جو کچھ خرچ ہوگا دیا جائیگا لیکن آپ فوراً ایک ہوشیار ڈاکٹر کو بلائیے۔ یہ سُنکر وہ اُلٹے پانوں فوراً ڈاکٹر کو بلانے گیا اور آدھ گھنٹے کے اندر ہی ایک ڈاکٹر کو ساتھ لیے ہوئے آپہونچا۔ اسنے رام ناتھ کو دیکھتے ہی کہدیا کہ حالت بہت خطرناک ہی۔ موت کی گھڑی اب دور نہین ہے ، اسکو جلد ہی کسی شفا خانے مین لیجاؤ۔ کیونکہ ایسے خطرناک سل کے مریض کو اپنے گھر مین کون رکھیگا۔ سندری بائی نے رگھونش سرن سے کہا۔ ڈاکٹر کو اپنے گھر ہی پر لے چلو۔ اُنھون نے اپنے لیے اپنی جان کو بھی کچھ نہ سمجھا انکا شفاخانہ مین رکھنا مناسب نہین اب رگھونش سرن بھی ہوشیار ہو گئے تھے۔ وہ ایک آدمیون کی وجہ سے رام ناتھ کو بڑی حفاظت

سے موٹر مین لائے اور پھر وہان سے اپنے بنگلے مین لا کر دل و جان سے ان کی تیمار داری کرنے لگے۔ مگر وقت پورا ہو چکا تھا، آخر آٹھ روز کے بعد ڈاکٹر رام ناتھ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

رگھونش سرن اور سندری بائی کو بے انتہا رنج ہوا، تمام آدمیون مین اس سچے دوست کی کہانی پھیل گئی اور سب اسکی تعریف کرنے لگے۔

بیرسٹر رگھونش سرن اور سندری بائی نے آپسمین مشورہ کر کے اپنے سچے دوست کا نام قائم رکھنے کے لیے "سل" کے مریضون کے لیے ایک خیراتی شفاخانہ کھلوا دیا۔ بمبئی مین یہ "رام ناتھ شفاخانہ" ابتک ڈاکٹر رام ناتھ کی یاد دلاتا ہوا ہزارون غریب محتاجون کی مدد کر رہا ہے۔

(ترجمہ از گجراتی) شیام سنگھ شیام

---

حضرت عمرؓ کا دور خلافت ہے، قادسیہ کی ہولناک جنگ سعد کے زیر کمان ہے، غنیم کا لشکر جرار سامنے پڑا ہے، اور زمانہ فیصلۂ جنگ کا انتظار کر رہا ہے، خنسا جو عرب کی مشہور شاعرہ تھی۔ اصناف سخن کے علاوہ اُس کا قلب جذبۂ محبت وطن سے لبریز تھا۔

جب لڑائی کے شعلے اُٹھنے لگے اُسکا دل بیچین ہو گیا، اور اپنے نوجوان بیٹون سے جو اُسکے عصائے پیری اور کفیل زندگی تھے، کہنے لگی۔

پیارے بیٹو! تم اپنے ملک کو دوبھر نہ تھے اور نہ تم پر قحط پڑا تھا۔ جس طرح تم ایک مان کی اولاد ہو۔ اسی طرح ایک باپ سے بددیانتی نہین کی، جاؤ اور آخر دم تک لڑو۔

اس سحر آفرین تقریر نے ان کو تڑپا دیا، اسلحہ زیب جسم کئے، غمزدہ بوڑھی مان کے کانپتے ہوئے ہاتھون نے بلائین لین اور خدا حافظ کہا۔ اور وہ گھوڑون پر سوار ہو کر دشمن کے قلب لشکر مین ٹوٹ پڑے۔

(محسن الملک)

---

# محشر جذبات

میر احمدی صاحب اجمیری کا کلام موقت الشیوع مطبوعات مین اکثر شایع ہوتا رہتا ہے۔ اس لحاظ سے حاشیہ نشینان بزم اُردو اُن کے نام سے ناواقف نہونگے۔ میر صاحب قدیم روش غزلگوئی مین کافی مہارت رکھنے کے باوجود زمانۂ موجودہ کی طرز سخن سے ناآشنا نہین اور اگرچہ رسالہ زیر عنوان مین اس آخری قسم کے نمونۂ کلام موجود نہین تاہم بعض اخبارات مین اس سے بہت پیشتر آپکی قومی اور نیچرل نظمین شایع ہوچکی ہین جن سے آپ کی طبیعت کی ہمہ گیری کا ثبوت ملتا ہے۔

گذشتہ سال سے آپ نے اپنی غزلیات کے سالانہ ایڈیشن مختصر رسائل کی شکل مین نکالنے کا التزام کیا ہے اور "محشر جذبات" اس سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔ اس رسالہ مین جسکی کل ضخامت بشمول ٹائٹل پیج ۱۸ صفحات پر ختم ہوگئی ہے "عشقیہ' نعتیہ' مدحیہ' اور صوفیانہ کلام" کے متعدد نمونے آپ کو ملین گے جنکا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہین ہوسکتا۔ اجمیر شریف اور اسکے باہر بھی میر صاحب کی ان [illegible] سے اکثر غزلیات قوالون اور ارباب نشاط کی زبانون تک پہونچ چکی ہین اور اس مقبولیت کے لئے میر صاحب مستحق مبارکباد ہین اس جگہ مختصراً میر صاحب کی غزلیات کے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہین۔

تیغ ادا کے زخمی قاتل کو ڈھونڈھتے ہین — آسانیون کے خواہان مشکل کو ڈھونڈھتے ہین
آ آ کے بیٹھتے ہین سینے مین تیر اُن کے — بچھڑے ہوئے مسافر منزل کو ڈھونڈھتے ہین
دنیا کی خواہشون سے کرتے ہین ہم کنارا — دریا سے تنگ آکر ساحل کو ڈھونڈھتے ہین

---

بہت ملے ہمین مطلب کے یار دنیا مین — مگر ملا نہ کوئی غمگسار دنیا مین
عبث نسیم سحر آ [illegible] — نہین کسی کو قیام و قرار دنیا مین

تمہیں اسیر نہیں انکے دام مین اے میر ہر ایک شخص ہے غم کا شکار دنیا مین

---

تمنا ہے ترا جلوہ مجھے اس طرح حاصل ہو مری آنکھین ترا گھر ہون مرا دل تیری منزل ہو
شہیدان نگہ کی صف مین جا کر ملگیا مین بھی جماعت جب کھڑی ہو پھر مسلمان کیون نہ شامل ہو
کسی پر دل نہ آئے، جان جائے موت آجائے کسیکی زلف کا سودا نہو، سرسام ہو سبل ہو
گدائے حق کو غیر حق کی پروا ز عم باطل ہے وہ کیونکر ہاتھ پھیلائے جو اُسکے در کا سائل ہو

انداز بیان دلچسپی اور برجستگی سے خالی نہین اور اکثر باتین مزے کی کہہ گئے ہین۔ ذیل کے اشعار مین ایک جوش پایا جاتا ہے۔

ادہر بھی لطف و عطا کملی والے دل میرا تجھپر فدا کملی والے
پیے جا رہا ہے سوئے حوض کوثر تصور تری آنکھ کا کملی والے
توہی ہے توہی مرہم زخم پنہان توہی درد دل کی دوا کملی والے
ترا ذرہ ہے دردمندون کا درمان ترا در ہے دار الشفا کملی والے

ترے عشق مین میر محزون کی جان ہو
فنا کملی والے فنا کملی والے

کوئی شک نہین کہ یہ اشعار حال وقال کی محفل کو گرما دینے کے لیے کافی ہین۔ اس انداز کے اور بہت سے اشعار "محشر جذبات" مین موجود ہین۔ بعض اشعار کسی نہ کسی پہلو سے ندرت فکر کا نمونہ پیش کرتے ہین۔ مثلاً

چلا ہون سر کے بل طیبہ کی جانب شوق رویت مین ثبوت اسکے سوا ہو اور کیا بے دست و پائی کا

---

مرنا ترے فراق مین جینے کی ہے دلیل مین گم ہوا تو تیرا پتہ مجھکو مل گیا

---

سنگدل تعویذ تربت کا اوٹھا کر لیچلا غم کی رکھنے کے لیے بنیاد پتھر لیچلا

رکھتا ہون ضعف مین بھی جوانی کے ولولے ممکن ہے پیر اپنا بنا لین جوان مجھے

یہ شعر کسقدر حسرت انگیز ہے۔

بدلی جو لگا ہین نظر آتی ہین کسیکی ٹکتی ہے ہمین یاس سے اُمید ہماری

ان اشعار کو پڑھئے اور مزے لیجئے۔

لطف مین چین مین آرام مین کیا ملتا ہے درد پہلو مین اگر ہو تو مزا ملتا ہے
تیرے محتاج لگائے ہین بھی پر تکیہ آج دیکھین تری سرکار سے کیا ملتا ہے
مین یہ کہتا ہون مرے خانۂ دل مین ہی مکین لوگ کہتے ہین کہ کعبہ مین خدا ملتا ہے

---

اقتباسات بالا سے قارئین حضرت میر کے کلام اور اُسکی دلچسپیون اور خوبیون کا اندازہ لگا سکتے ہین۔ انھون نے اپنی غزلیات کا سالانہ مجموعہ نکالنے کا جو قصد کیا ہے، خدا کرے وہ جاری ہے۔ کلام کے تحفظ کا یہ غالباً ایک اچھا ذریعہ ثابت ہوگا۔

میر صاحب کو اجمیر شریف ایسی مقدس بستی کے ساتھ نسبت توطّن حاصل ہے اور راجپوتانہ ایسے غیر ترقی یافتہ خطّہ سے میر احدی ایسے سلجھے ہوئے شاعر کا پیدا ہونا زبان اُردو کی وسعت اثر کا ایک ناقابل تردید ثبوت ہو سکتا ہے۔ میر صاحب کی زبان مجموعی حیثیت سے صاف اور شستہ ہے۔ تاہم اُن دوستانہ تعلقات کی بنا پر جو میر صاحب اور راقم الحروف کے درمیان ہین! اور اُس وسیع الاخلاقی پر اعتماد کرکے جو میر صاحب کی منکسر المزاجی کا جزو اعظم ہے۔ مین اُن کی توجہ محشر جذبات' کی بعض [illegible] فروگذاشتون پر منعطف کرانا چاہتا ہون تاکہ میری راے اگر صحیح ہو تو مجھے اپنی اصلاح کا موقع مل جائے۔

توحید کے ہر جانب عالم مین کھلے مکتب قرآن کا سبق دینے "اُمی لقبی" آیا

یہان "اُمی لقب" ہونا چاہیئے تھا۔

اگرچہ دیکھ لے گلفام تیری رعنائی تری ادا پہ کرے نذر جان و مال بہشت

اس مین "چہ" زاید معلوم ہوتا ہے۔

لیلیٰ کی قبر سے ہے مجنون کی "شان ہویدا" مجنون کے "مقبرون" مین محمل کو ڈھونڈھتے ہین

"شان ہویدا" کی جگہ "شان پیدا" ہو سکتا تھا۔ کیونکہ "شان" باظہار نون اس جگہ اچھا معلوم ہوتا ہے

مقبرون" غالبًا "مقبرے" کی ترمیم شدہ صورت ہے۔ جسکو کاتب صاحب کی عنایت کہنا چاہیے ورنہ
بظاہر صیغہ جمع بے معنی ہے۔

گو میرہر طرف ہے نا اہلیت کا رونا — قابل مگر ہمیشہ قابل کو ڈھونڈھتے ہین

اہلیّت بہ تشدید یا صحیح ہے۔

خاطر مین ذرا لائے نہ پھر صحن ارم کو — رضوان اگر دیکھ لے میدان مدینہ

رضوان باظہار نون فصحا نے نہین باندھا اسیطرح ایک فارسی غزل مین۔

زبان وقف ثنائے محمدؐ عربی

آیا ہے۔ یہان بھی نون کا اخفا ضروری تھا۔

ہم کیون نہ مصحف رُخ جانان کو بوسہ دین — مومن ہین اور پھر نہ قرآن بر زبان رہے

اگرچہ میر احدی سے بہت پہلے میر تقی بھی قرآن کو بہ رائے متحرک باندھ چکے ہین لیکن
اُسکے مسلمہ طور پر غلط ہونے مین شبہ نہین عوام کی زبان پر آج بھی قُرآن جاری ہے۔ لیکن
میر احدی صاحب کا قُرآن بہ اخفائے نون ایک طرف فارسیّت کا شک دلاتا ہے۔ دوسری
طرف بہ تحریک را ہندوستان کے ادنے طبقہ کی زبان کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ اور کسی اعتبار
سے بھی درست نہین کہا جا سکتا۔ یہی حال مندرجہ ذیل شعر مین "صبح" کا ہے۔

ترے زُلف و رُخ کی اگر جھلک نظر آئے ان کو تو پھر وہین
ترے جان نثارون کے واسطے شب قدر ہے صبح عید ہو

سید محمد فاروق (شاہ پوری)

---

**تصویر**۔ اس نمبر کیساتھ "محبت" کی تصویر ہدیۂ ناظرین ہے۔ جس خیال کو مد نظر رکھکر قابل مصوّر نے یہ تصویر
بنائی ہے اُسکو ہمارے دوست جناب احسن سہمی نے نظم مین قلمبند کر دیا ہے۔

آیندہ نمبرون کے لیے کئی عمدہ تصویرین بنوائی گئی ہین جو انشاء اللہ جلد شایع ہونگی۔

---

## دیوان جگر[۱]

حکیم افتخار علی صاحب جگر بسوانی، شاگرد جناب امیر مینائی کا مجموعۂ کلام دیوان جگر کے نام سے شایع ہوا ہے، جگر صاحب ایک پختہ مغز و پختہ کار شاعر ہین، اور اسی خیال سے امید تھی کہ انکا دیوان امید سے زیادہ دلکش ہوگا۔ لیکن ہمکو افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مطالعہ کے بعد آنکھ بات بین جو جگر صاحب کی شاعری سے متعلق تھی بہت کمی آ گئی۔

دیوان کے آغاز مین جگر صاحب نے عرض حال کے عنوان سے چند صفحے نثر کے تحریر فرمائے ہین جنمین اپنے خاندانی شجرہ کے علاوہ ابتدائے شاعری اور مختلف مقامات کی نوک جھوک کے حالات درج کئے ہین۔ اس مضمون سے مصنف کی انشا پردازی مین کوئی خاص اضافہ نہین ہوتا بلکہ انشا پردازی کے ایسے ادب نواز نمونے دیکھکر حیرت ہوتی ہے۔

دیوان جگر کا اگر انتخاب شائع ہوتا تو بلا شبہہ دلکش ہوتا۔ لیکن بہ صورت موجودہ تو یہ مجموعہ دل و دماغ کی تفریح کے لیے بھی زیادہ مفید نہین۔ پھیکے اور سست اشعار کی تعداد زیادہ ہے مذاق عموماً پست اور فرسودہ ہے۔ اسکا جواب سوا اسکے اور کیا ہوسکتا ہے کہ جگر صاحب نے جس زمانے مین نشو و نما پائی ہے اس زمانے کا عام مذاق ہی یہ تھا۔

اچھے شعرون کی تعداد اگرچہ مختصر ہے لیکن ان سے جگر صاحب کی اُستادانہ شان ضرور نمایان ہوتی ہے، مثلاً۔

نکلنا روح کا اے قالب خاکی نہین آسان
بڑی دقت سے آئی ہے بڑی مشکل سے نکلیگی

مجھے معلوم ہے جو شمع کا انجام ہوتا ہے
مرے دل کی طرح بجھکر تری محفل سے نکلے گی

---

[۱] قیمت عہ ر حجم صفحہ ۱۹۲ ملنے کا پتہ منشی احمد علیخان تاجر کتب ٹپکا پور کانپور

بازپرسِ خونِ ناحق سے وہ گھبراتے ہوئے ... آ رہے ہیں حشر میں جھوٹی قسم کھاتے ہوئے

---

آ گئے آپ دیکھ لی صورت ... زندگی کا کچھ اعتبار نہ تھا

---

انھیں پر خون کا دعویٰ ہمین کرنا ہے محشر مین ... انھین سے پوچھتے ہین خون کا دعویٰ کہان ہوگا

پستیٔ مذاق کی مثالین تو ناظرین کو دیوان جگر مین کثرت سے ملین گی اسلیے ہم یہان صرف چند ایسی مثالین پیش کرتے ہین جنمین کوئی نہ کوئی خامی ہے۔

دیکھکر آپ کو ہم جان گئے رات کا حال ... سر جھکا لینے سے گھبرانے و شرمانے سے

اس شعر مین واؤ عطف کا محل استعمال صحیح نہین،

ہمین چھوڑ کر رفتگان جا رہے ہین ... تو ہم بھی پسِ کاروان جا رہے ہین

بغیر اضافت رفتگان کا استعمال محتاج سند ہے، اور پھر رفتگان کا اطلاق اُن پر ہے جو جا چکے ہین، رفتگان جا رہے ہین، کیونکر صحیح ہوگا۔؟

بھڑک کر آتشِ گل نے لگا دی آگ گلشن مین ... عجب کیا ہے چھپے صیاد بلبل کے نشیمن مین

بلبل کا آشیانہ بھی تو گلشن ہی مین ہے۔ پھر صیاد کا بلبل کے نشیمن مین چھپنا کتنا معنی خیز ہے،

اگر چاہِ کنعان مین یوسف نہ گرتا ... تو وہ راستہ کاروان چھوڑ دیتے

پہلا مصرعہ مجسمۂ تاریخ ہے اور دوسرا مصرع پیکر جغرافیہ،

بیجا بلند پروازی، اور شاعرانہ تحقیق کی مثال ملاحظہ ہو۔

غم فرہاد کو شیرین نہ بھولی خاک مین ملکر ... ابھی تک ہاتھ تربت سے پئے ماتم نکلتا ہے

دیوان جگر مین کہین کہین توارد کی مثالین بھی نظر آتی ہین مثلاً،

کعبہ مین بھی نہین ہٹتا بت کا فر دل سے ... سجدہ کرتے ہین جدھر سامنے تو آتا ہے

کسی شاعر کا شعر ہے۔

نہ نماز آتی ہے ہمکو نہ وضو آتا ہے ... سجدہ کرلیتے ہین جب سامنے تو آتا ہے

معنوی توارد ملاحظہ ہو۔

خاک میں اُسکو ملاتے ہوئے دیکھا پہلے پھر اسی زود پشیمان کو پشیمان دیکھا

غالبؔ کہتا ہے :-

کی مرے قتل کے بعد اُسنے جفا سے توبہ ہائے اُس زود پشیمان کا پشیمان ہونا

جگرؔ صاحب اس زمانہ کے ممتاز شعرا میں ہیں انھیں چاہئے کہ آیندہ اپنے کلام کا سختی سے انتخاب کر لیا کریں۔ امید ہے کہ وہ ہمارے ناچیز مشورے کی قدر کرینگے۔

اعظمی

## گورا[1]

ڈاکٹر ربندرناتھ ٹگور کے مشہور و معروف ناول کا یہ ہندی ترجمہ ہے جو پنڈت شیونرائن مصر کے اولوالعزمی سے حال میں شایع ہوا ہے۔ پنڈت صاحب کے مشہور سلسلہ پرکاش پستک مالا کی یہ چھبیسویں کتاب ہے۔ پنڈت سروپ نرائن جی پانڈے نے اس دلچسپ و سبق آموز قصہ کا ترجمہ کرکے ہندی علم ادب پر احسان عظیم کیا ہے۔ کتاب کے مصنف سر ربندرناتھ ٹگور کی شہرت چاردانگ عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔ سادہ و سلیس طرز تحریر میں انسانی جذبات کی مصوری ان کا خاص حصّہ ہے۔ لایق مترجم نے اپنے ترجمہ میں بھی اسی خصوصیت کو قائم رکھا اور ساری کتاب نہایت سلیس ہندی میں لکھی گئی ہے۔ گورا کا قصّہ نہایت ہی دلچسپ و دلاویز ہے۔ وہ یوروپین نژاد ہے مگر غدر کے ایام میں باغیوں کے مظالم نے اسکی ماں کو ایک ہندوستانی بابو کرشن دیال کے یہاں پناہ گزین ہونے پر مجبور کیا تھا۔ اور انھیں کے مکان میں گورا کی پیدایش ہوئی۔ مگر جس رات کو یہ پیدا ہوا اسی رات کو اسکی یوروپین ماں کا انتقال ہوگیا۔ بابو کرشن دیال نے اس بچہ کی پرورش بالکل اپنے بیٹے کی طرح کی گورا بھی ہندو دھرم کا دلدادہ ہوگیا۔ حتیٰ کہ وہ روزمرہ گنگا اشنان اور پوجا وغیرہ کیا کرتا تھا۔ اور ہندو مذہب کے اشاعت میں بھی دل و جان سے کوشاں رہتا تھا۔ وہ کٹر سناتن دھرمی تھا۔ اسی حیثیت سے اسکی شناسائی ایک ہندو لڑکی سچرتا سے ہوگئی۔ شدہ شدہ ان دونوں میں پاک دوستی ہوگئی سچرتا اس ناول کی ہیروین ہے۔ ہندی خوان ناظرین اس قصّہ کو پڑھکر محظوظ ہوں کاش اُردو میں بھی ٹیگور

[1] ملنے کا پتہ۔ پنڈت شیونرائن مصر منیجر پرکاش پستکالیہ۔ کانپور

کے مشہور فسانوں کے ترجمے شائع ہون - اس کتاب کی چھپائی نہایت دیدہ زیب اور کاغذ بہتر ہے - ... بعض مقامات مین حروف مین مادہ لگنے سے رہ گئی ہے - اسکا حجم ۲۴۷ صفحات ہے اور اسکو دیکھتے ہوے اسکی قیمت تین روپیہ زیادہ نہین کہی جاسکتی ہے -

(مسٹر) بی - پی - نگم

## اہل قلم سے التماس

آزاد - حالی - نذیر احمد اور شبلی مین سب سے بڑا انشاپرداز کون تھا اور سب سے زیادہ اُردو کی خدمت کس نے انجام دی "اس بحث پر بہترین مضمون لکھنے والے کو ایڈیٹر صاحب الناظر لکھنؤ نے مبلغ پچاس روپیہ کی تھیلی نذر کرنے کا اعلان کیا ہے -

مضمون فلسکیپ کاغذ کے کم سے کم ۳۰ صفحون پر صرف ایک جانب لکھا جائے اور ۳۱ دسمبر ۱۹۲۲ء تک دفتر الناظر مین بھیجدیا جائے -

(۲) حسب ذیل اصحاب تمام مضامین موصولہ کی جانچ کرکے بہترین مضمون کا انتخاب کرینگے -

۱- جناب مولوی سید محفوظ علی بی اے رئیس بدایون

۲ جناب مولوی عبدالماجد بی اے - دریاباد ضلع بارہ بنکی

۳- جناب مولوی سید ہاشمی فریدآبادی رکن دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی -

۴- جناب منشی امیر احمد علوی بی اے ڈسٹرکٹ جج و مجسٹریٹ نیپجج -

۵- جناب مرزا محمد عسکری بی - اے سکریٹری انجمن اُردو - لکھنؤ -

---

طالبعلمون مین اُردو مضمون نویسی کی حوصلہ افزائی کی غرض سے الہ آباد یونیورسٹی کی اُردو ایسوسی ایشن نے حسب ذیل عنوان پر بہترین مضمون لکھنے والے طالبعلم کو ایک طلائی تمغہ عطا کرنے کا اعلان کیا ہے - عنوان یہ ہے -

"تاجداران اودھ کے عہد حکومت مین علمی - اخلاقی تمدنی اور سیاسی نادل کا اردو ادب پر کیا اثر ہوا" - طلبا اپنے مضامین ۸ دسمبر ۱۹۲۲ء تک سید ضامن علی صاحب ایم - اے لکچرار اردو یونیورسٹی الہ آباد کی خدمت مین بھیجدین -

# خاکِ ہند

انجم سے بڑھ کے تیرا ہر ذرہ ضو فشان ہے — جلوون سے تیرے ابتک حسنِ ازل عیان ہے
انداز دلفریبی جو تجھ مین ہے کہان ہے — فخر زمانہ تو ہے۔ اور نازش جہان ہے

افتادگی مین بھی تو ہم اوج آسمان ہے
"اے خاک ہند! تیری عظمت مین کیا گمان ہے"

وہ کجکلاہ تیرے، وہ سوربیر تیرے — وہ تیغ زن۔ کمان کش۔ وہ قلعہ گیر تیرے
ناپید آج ہین گو تاج و سریر تیرے — شاہون سے کم نہین ہین لیکن فقیر تیرے

پستی مین سربلندی سب پر تری عیان ہے
"اے خاکِ ہند! تیری عظمت مین کیا گمان ہے"

منظر دو حال فزا ہین اور دلپذیر تیرے — جانین ہین تجھ پہ شیدا دل ہین اسیر تیرے
شیرین و صاف دریا ہین جوئے شیر تیرے — ہین کوہ و دشت و صحرا جنت نظیر تیرے

آنکھین جدھر اٹھاؤ۔ فردوس کا سمان ہے
"اے خاکِ ہند! تیری عظمت مین کیا گمان ہے"

تجھکو مٹا دیا ہے ہر چند آسمان نے — پھونکا ہے آہ! دل کو سوز غم نہان نے
چھوڑی نہ تاب اپنی پر حسنِ دلستان نے — جوہر بھرے ہین تجھ مین صناع دو جہان نے

فصلِ خزان ہے تیری۔ پھر بھی تو گلفشان ہے
"اے خاک ہند تیری عظمت مین کیا گمان ہے"

گو حد سے بڑھ چکا ہے رنج و ملال تیرا — ابتک مٹا نہین ہے نقش جمال تیرا
آخر کبھی تو ہوگا ظاہر کمال تیرا — ہوگا کبھی تو آخر دورِ زوال تیرا

کب اک روش پہ قائم یہ دورِ آسمان ہے
"اے خاک ہند! تیری عظمت مین کیا گمان ہے"

نادر

# جذبات عزیز

پہلے کچھ قدر نہ کی عشق کے بیمارون کی
سرنگون بیٹھے ہین اب صف مین عزادارونکی

بیخبر عشق کے آثار قدیمہ نہ مٹا
جوش کھاتا ہے لہو نیو مین دیوارونکی

دب گیا ہے دل بیتاب کا ذرہ کوئی
جنبشین ہمکو بتاتی ہین یہ کہسارون کی

رک گیا عزم عیادت سے کوئی مست خرام
نبضین ساقط ہوئی جاتی ہین جو بیمارونکی

کیا ہین یہ ہستی کونین کے دونون صفحے
ایک فہرست فقط اُن کے خریدارونکی

ذرہ ذرہ کو بنا دیگی کسی دن مشرق
مہر افروز تجلی ترے رخسارونکی

ڈبڈبا آئین کسی مست طرب کی آنکھین
حالت آخر کو نہ دیکھی گئی بیمارونکی

آکہ سامان تجلی کی کمی پوری ہو
بزم آراستہ ہے چھٹکے ہوئے تارونکی

اپنے اندازکو رحمت نے ستور کر دیکھا
آئینہ بنگئین شکلین جو گنہگارونکی

شانہ زلفون مین کر آہستہ سنورنے والے
سانس اُکھڑی ہوئی ہے دیر سے بیمارونکی

عہد گل سبزۂ نوخیز نہالان چمن
داستانین ہین فقط تازہ گرفتارونکی

مین تو مین کاوش غم ہے وہ بُری چیز عزیز
شکلین دیکھی نہین جاتین میرے غمخوارون کی

عزیز لکھنوی

# موجِ ہستی

اِک حوض چمن مین نزہت افزا دیکھا
لبریز و مسطح و مُصفّا دیکھا
پانی کے سکون کی تھی یہ کیفیت
گویا کوئی آئینہ سراپا دیکھا

(۲)

ناگاہ ہَوا کے چند جھونکے آئے
آئے تو وہ یون آئے اور ایسے آئے
یہ منظرِ پُر سکون مٹا کر چھوڑا
سوتی ہوئی لہرون کو جگاتے آئے

(۳)

لہرین جو اُوٹھین تو لڑکھڑاتی اُوٹھین
کچھ اُوٹھکے گرین تو کچھ اوٹھاتی اوٹھین
بمٹین او بھرین ملین اور آخر ملکر
ہر سمت کو دائرے بناتی اوٹھین

(۴)

آگے تھی کوئی تو کوئی اُس سے پیچھے
چلنے لگین الغرض سب آگے پیچھے
کیا شانِ کشش تھی کہ جدہر کو یہ گئین
جاتی تھی مری نظر بھی پیچھے پیچھے

(۵)

لہرون مین عجیب جوشِ عرفان پایا
طوفان حیات اُنمین پنہان پایا
کچھ مٹ گئین اور کچھ کنارے پہونچین
اُنکو بھی مگر نہ پھر نمایان پایا

(۶)

فطرت کی نمود تھی ہویدا اُن مین
اِک ہست و بود تھی ہویدا اُن مین
یہ جدّ و جہد بس کنارے تک تھی
پھر شانِ جمود تھی ہویدا اُن مین

(۷)

موجین جو مٹین تو وہ سمان بھی نہ رہا — کچھ انکی نمود کا گمان بھی نہ رہا
مٹنے کو تو ہم سب بھی ہین مٹتے جاتے — لیکن یہ مٹین یون کہ نشان بھی نہ رہا

(۸)

دم بھر مین ہوا سکون مطلق طاری — موجین نہ رہین ہائے وہ پیاری پیاری
یہ منظر ہستی تھا عجب درد افزا — اب تک مری آنکھ سے ہین آنسو جاری

(۹)

اس حوض مین مینے موج ہستی دیکھی — تحریک ہوا مین ایک مستی دیکھی
اللہ کا بھید مین نے پایا ان مین — ہستی کی بلندی اور پستی دیکھی

محمد یسین تسکین (سورنوی)

## جذبات موج

کیون دل مضطر نے راز عشق افشا کردیا — خود بھی رسوا ہوگیا مجھکو بھی رسوا کردیا
ترک الفت سے مری تکلیف روحی بڑھ گئی — سوز غم نے بہت کے دلمین درد پیدا کردیا
بزم ہستی مین کوئی دیکھے تو فطرت کا مذاق — شمع کے ہمراہ پروانہ بھی پیدا کردیا
اب دل مضطر پہ استغنا نہین میری بھی بات — آپنے کیا کہدیا یہ آپنے کیا کر دیا
میری خاموشی کے چرچے ہر طرف ہونے لگے — ضبط راز غم نے مجھکو اور رسوا کردیا
تھا دل پُر داغ میرا گلزار ارم — لیکن آکر یاس نے اسکو بھی صحرا کردیا

ضبط الفت کیلیے پیا کہانتک خون دل
موج غم نے اشکون سے اک طوفان برپا کردیا

# جذبات فراق

نہ سمجھنے کی ہے یہ بات نہ سمجھانے کی — زندگی اپنی ہوئی نیند ہے دیوانے کی

نگہ یاس کسی مست کی کیون آئے نہ یاد — ساقیا آہ وہی روح تھی میخانے کی

چھلکی پڑتی ہے مے ناب اسے جاتے ہین ہاتھ — خیر ساقی ترے چھلکے ہوئے پیمانے کی

---

یہ بیخودی نہین ہے یہ ہے انتہائے ہوش — خورشید ہی کی تو آخری منزل تو رات ہے

گردون شرار برق دل بیقرار دیکھ — جن سے یہ تیری تارون بھری رات رات

چشم سیہ تری کہ سیہ مستیان میری — دونون مین کون مایۂ ناز حیات ہے

تارون کی ڈبڈبائی ہوئی آنکھین اے فراق — کہتی ہین رونے والون کی اک عمر رات ہے

---

مین نے دیکھی ہین یہ آنکھین مست و افسونگر کہان — ساقیا چھوٹا تھا میرے ہاتھ سے ساغر کہان

اُٹھکے پھر جھک جانیوالی اے نگاہِ شرمگین — ڈوب کر دیکھین نکلتا ہے ترا نشتر کہان

یاد ہین لب ہائے جانان کی تبسم ریزیان — بات وہ مجھین ہے اے موج مئی کوثر کہان

نزع مین ہون دیکھ لے جاتی ہوئی دنیا کی سیر — اُٹھنے والے پھر نظر آئیگا یہ منظر کہان

آنکھین بھر آتی ہین اکثر پچھلے شبکو اے فراق — وہ خمارین چشم ساقی وہ بھرے ساغر کہان

---

بیتاب دل کو اور بھی بیتاب کر دیا — کشتہ ہون تری پرسش بیگانہ وار کا

لرزان تھی قبر گورِ غریبان مین رات تھی — مین خواب دیکھتا تھا دلِ بیقرار کا

خاموش یون تو آپ کے وحشی نے جان دی — ہان ایکبار نام لیا تھا بہار کا

اک یادگار نشۂ سرجوشِ عشق ہون — افسانہ ہون فراق اک اُترے خمار کا

رگھوپتی سہائے فراق

# دعوتِ نظّارہ

| | |
|---|---|
| تھی شبِ غم اے عظمی اک محشرستانِ خیال | ہائے کن لفظوں میں شرحِ دفترِ غم کیجیے |
| یاس کہتی تھی کہ میرا دل بہلنے کے لیے | پھر تمنّاؤں کو وقفِ رقصِ پیہم کیجیے |
| دل یہ کہتا تھا کہ صدقے اِس فریبِ ناز کے | بزم ہم ترتیب دیں اور آپ برہم کیجیے |
| نالہ کہتا تھا کہ اب خاموش رہنے دیجیے | کیا تمنا ہے کہ پھر رُسوائے عالم کیجیے |
| اشک کہتے تھے کہ اپنی جان کو ہم رُو چکے | اب نہ ہنسکر ہمکو گریاں مثلِ شبنم کیجیے |
| رُوح کہتی تھی کہ پھر یہ آگ کیوں بھڑکائیے | کس لیے پھر مجھکو وقفِ سوزشِ غم کیجیے |
| ہو رہی تھی میری تخئیل پریشاں بھی اداس | وہ بھی کہتی تھی کہ اِن جھگڑوں کو اب کم کیجیے |
| قوّتِ ادراک بھی یہ کر چکی تھی فیصلہ | بیٹھ رہیے اور تمنّاؤں کا ماتم کیجیے |

---

| | |
|---|---|
| دفعتًا یہ جلوہ گاہِ دوست سے آئی صدا | آئیے آکر تماشائے دو عالم کیجیے |
| آرزوئیں مسکرائیں یاس بولی "ہائے ہائے" | لیجیے اب حسرت و ارمان کا ماتم کیجیے |
| چھوڑیے ضبطِ فغاں کا ادعائے بوالفضول | دلکو پھر نذرِ تبسّمہائے پیہم کیجیے |

دعوتِ نظّارہ اور وہ جلوہ گاہِ نازِ حُسن
اب کہاں فرصت کہ ذوقِ عیش کا غم کیجیے

عظمی، حلقۂ ادبیہ کانپور

# بزم سخن

ستمبر کے آخر ہفتے مین جناب سخا شاہجہان پوری نے ایک بزم مشاعرہ ترتیب دی تھی - بعض حضرات باہر سے بھی تشریف لائے تھے۔ جنمین جناب رواں اور جناب جگر خصوصیت سے قابل ذکر ہین؛ ناظرین زمانہ کی تفریح طبع کے لیے بعض غزلون کا انتخاب حاضر ہے -

## جناب رواں بی اے، ال ال بی، وکیل اناؤ

دل کے ہر ذرے سے پیدا ساغر جم
نذر ساقی آج سامان دوعالم کیجئے

کاوش حسن عمل خود اک نتیجہ ہے یہان
بھولکر انجام، فکر سعی پیہم کیجئے

دولت دنیا نہین ہے درخور ذوق طلب
فرق استغنا کہین کسواسطے خم کیجئے

دیکھ لون مین بھی رخ تابان پہ بکھرے بکھرے بال
کاش میرے جیتے جی ہی میرا ماتم کیجئے

میری خاطر دیجئے گیسوئے برہم مین گرہ
میرے دل کے منتشر اجزا، فراہم کیجئے

بتکدے مین بیٹھیے یا کیجیے کعبہ کی سیر
جس طرح ہو روح کی تکلیف کو کم کیجئے

رقص مین ہے دل کا ہر ذرہ شعاع حسن سے
کیجیے اسطرح تسخیر دوعالم کیجئے

زندگی کا ہر نفس ہے اک پیام مرگ نو
کس کو کس کو روئیے کس کا کس کا ماتم کیجئے

ہوگیا شیرازۂ نظم دوعالم منتشر
اور آپ اپنا مزاج حسن برہم کیجئے

نیش عقرب ہے حسین سینے مین زخم دل رواں
اعتبار ان مہربانون پر ذرا کم کیجئے

## جناب سخا شاہجہانپوری

ہو کے برہم دفتر عالم تہ برہم کیجئے
جو ورق ہے مری ہستی کا وہی کم کیجئے

آگیا اشکون کے ہر قطرہ مین روحانی اثر
اب ذرا اندازۂ صدمات پیہم کیجئے

وقتِ آخر ہاتھ سینہ پر جو رکھکر آ گئے
مدعا یہ ہے کہ اپنا آپ ماتم کیجئے

سرحدِ ادراک سے ملحق ہے اُسکا آستان
ختم یہ منزل جہاں ہو سر وہیں خم کیجئے

وہ بھی ہچکی آ گئی جو تھی مآل داستان
اب ارادہ ہے کہ ختم افسانۂ غم کیجئے

دیکھکر ایسا ہی فطرت دلکو یہ کہنا پڑا
حسن ہی کو کارفرمائے دو عالم کیجئے

عشق کے جذبات جو کونین میں پنہاں ہے انتہا
ہو سکے تو ان کا ہر قطرہ فراہم کیجئے

## حضرت احسن سنبھلی ناظم حلقۂ ادبیہ کانپور

کیفِ غم سے دلکو رشکِ ساغرِ جم کیجئے
روح کو آئینہ دار ہر دو عالم کیجئے

نغمۂ عشرت سے پیدا نالۂ غم کیجئے
ہو سکے تو محفلِ ہستی کو برہم کیجئے

انبساطِ روح کا سامان فراہم کیجئے
ذوقِ غم کو آشنائے لذتِ غم کیجئے

کام کیا غمخانۂ حرماں میں ذوقِ عیش کا
کیوں حریمِ دل میں نامحرم کو محرم کیجئے

جان کر انجان بنتے ہیں تو اسکا کیا علاج
ان کو سب معلوم ہے کیا شکوۂ غم کیجئے

مٹ نہ جائے میرے دل کے ساتھ یہ ذوقِ نیاز
ناز اپنی بے نیازی پر ذرا کم کیجئے

لیجئے احسن فضائے دل بھی شبگوں ہو گئی
صبح تک اب اپنی شامِ غم کا ماتم کیجئے

## جناب شاکر کانپوری

پ کو سب کیا کہیں گے دیکھکر بزمِ نشاط
مرنے والے کا بھلا دو دن تو ماتم کیجئے

پنے دل کے راز سے خود ہمکو آگاہی نہیں
دوست کہتے ہیں کہ ہمکو اپنا محرم کیجئے

نبطِ غم کر لیجئے کا یا ہجر میں مر جائیے
شکوہ کر کے کیوں مزاجِ یار برہم کیجئے

عدۂ جاناں پہ خوش رہیے وفا ہو یا نہ ہو
کچھ تو اپنے زیست کا سامان فراہم کیجئے

## جناب صوفی شاہجہانپوری

مستعد راہِ وفا میں دل کو محکم کیجئے
ہر مصیبت کا خوشی سے خیر مقدم کیجئے

جس طرح روزِ ازل ہنگامہ برپا کر دیا
پھر اُسی انداز سے عالم کو برہم کیجئے

سنتے یہ کہکر ادا سے ڈال لی منھ پر نقاب
عمر بھر اب آرزو کے دل کا ماتم کیجئے

# ہندی یا اُردو

ہندی اور اُردو کی رقابت کا قصہ ممالک متحدہ مین ایک پرانا قصہ ہے۔اگرچہ اُنکا تنازعہ ہنوز ختم نہین ہوا ہے تاہم شکر کا مقام ہے کہ اب یہ بحث اُس جوش و خروش کے ساتھ نہین کی جاتی جیسے کہ چند سال پیشتر کی جاتی تھی۔ یہ ایک قدرتی جذبہ ہے کہ ہر شخص اپنی مادری زبان پر دلدادہ ہوتا ہے اور اُسی کی ترقی چاہتا ہے۔ یہان تک تو غنیمت ہے۔ اور کوئی جائے شکایت نہین مگر جب اس معاملہ مین مذہبی پیرایہ سے بحث ہونے لگی اور تعصب مذہبی کو دخل دیا گیا تو واقعی ایک قابل افسوس صورت پیدا ہوئی۔ یہ بات کہ ہندؤن کا بلحاظ ہندو ہونے کے ہندی کی پیروی کرنا اور مسلمانونکا بلحاظ مسلمان ہونے کے اُردو کی پیروی کرنا اور دوسری زبان کی مخالفت کرنا ہی فرض ہے میرے خیال مین محض لغو ہے۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ دوسری زبان سے صرف وہی شخص مخالفت کرسکتا ہے جو اُس سے واقف نہو اور جسنے اُسکی حُسن اور خوبیون کا لُطف نہ اُٹھایا ہو۔ جو لوگ علاوہ اپنی مادری زبان کے کسی دوسری زبان سے واقفیت رکھتے ہین اور جن مین اُسکے لٹریچر کی قدر کرنے کا مادہ ہے وہ اُس سے مخالفت نہین کرسکتے اور نہ اُسکو نفرت کی نگاہ سے دیکھ سکتے ہین اگر تعصب اور ہٹ دھرمی کو چھوڑکر غور کیا جائے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دراصل ہندی اور اُردو مین کہانتک غیریت ہے۔ اور کسقدر یگانگت۔ میری خیال مین غیریت بہت کم اور یگانگت بہت زیادہ ہے۔

واضح رہے کہ یہ یگانگت زبان تک محدود ہے۔ اس سے اُن کے طرز تحریر اور حروف تہجی کا کچھ تعلق نہین۔ فی الحقیقت حروف تہجی مین تو سراسر غیریت ہی غیریت ہے۔ اور کوئی مناسبت ہی نہین۔ اُردو زبان عربی کے حروف مین لکھی جاتی ہے اور ہندی سنسکرت مین یہ کہنے کی تو ضرورت نہین

کہ عربی سمٹک نسل کی اور سنسکرت آرین نسل کی زبان ہے اور ایک کا دوسری سے کوئی تعلق نہین - طرز تحریر کو چھوڑکر اگر دیکھا جائے تو ہندی اور اُردو جیسی کہ ممالک متحدہ پنجاب اور دیگر صوبجات مین بولی جاتی ہین قریب قریب یکسان ہین - دونون کی گرامر یعنی قواعد صرف و نحو اور دونون کے لغات مین بیحد اشتراک ہے اگر فرق ہے تو صرف اسقدر کہ ہندی مین مقابلتاً زیادہ تر سنسکرت لغت استعمال کئے جاتے ہین اور اُردو مین عربی اور فارسی کے لغت - ایسے دو زبانون مین جنکے اجزا اسقدر مشترک ہون کوئی مخالفت نہین ہونا چاہیے - خدا کا شکر ہے کہ ہمیشہ سے ان دونون فریق مین یعنی ہندو اور مسلمانون مین ایسے لوگ ہوتے چلے آئے ہین جو دوسرے فریق کی زبان مادری پر پورا عبور رکھتے تھے اور اُسمین تصانیف کرتے تھے ہندی کے کبیشرونمین ملک محمد اور رحیمن کا بڑا اونچا درجہ ہے - ہندو شاعرون کی تعداد بہت زیادہ ہے اور وہ اسقدر مشہور اور معروف ہین کہ اُسمین سے چند کے نام نامی کے لکھنے کی بھی کوئی ضرورت نہین -

بڑی خوشی کی بات تو یہ ہے کہ زمانہ حال مین بھی جبکہ زبان انگریزی کا دور دورہ اور اُسی کا چاردانگ ہندوستان مین ڈنکا بج رہا ہے یہانتک کہ اگر انگریزی کو ہند کی مشترکہ زبان کہا جائے تو بیجا نہین ہے ایسے زمانہ مین بھی ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کی ہندی اور اُردو کی تصانیف کو بڑے شوق وذوق سے پڑھتے ہین اور ان کی صدق دل سے قدر کرتے ہین اگر اسکے ثبوت کی ضرورت ہے تو ہمارے ہندی اور اُردو کے رسالون مین کافی شہادت موجود ہے زیادہ عرصہ نہین گذرا کہ ہمارے ملک مین شاید قسم کھانیکو ایک بھی ریویو کسی زبان مین اہل ہند کیطرف سے شائع نہین ہوتا تھا اب ہم فخر کیساتھ کہہ سکتے ہین کہ مثل غیر ملکون کے ہندوستان مین بھی مختلف زبانون مین متعدد ریویو اہل ہند کے قلم سے اعلےٰ درجے کے نکلتے ہین - غالباً اس کی شروعات مسٹر مالاباری مرحوم کے وقت سے ہوئی جنھون نے ماہواری رسالہ "ایسٹ اینڈ ویسٹ" نکالا اور اُسکے بعد مسٹر سچدانند سنہا صاحب نے ہندوستان ریویو نکالا ازان بعد مسٹر راما نند چٹرجی کا ماڈرن ریویو اور مسٹر نٹیشن کا انڈین ریویو جاری

ہوئے - ہندی مین رسالہ سرسوتی اور مادہوری - پربھا اور اُردو مین زمانہ ادیب[1] صبح[1] امید وغیرہ - یہ سب ایسے پیمانہ کے ریویو ہین کہ جو دوسرے ملکون کے ریویو سے بخوبی مقابلہ کرسکتے ہین ان رسالون مین کسی ایک ہی قوم یا ملت کے ہنین مختلف اقوام و ملت کے اصحاب مضامین نگاری کرتے ہین - حال ہی مین دو مضمون راقم کی نظر سے گذرے ہین جنکو مین نے بڑے غور اور مسرت کے ساتھ پڑھا - اوّل مضمون بہ عنوان "بھاشا اور اُسکے نورتن" جناب مولوی منظور الحق صاحب کلیم کا تھا جو سلسلہ وار زمانہ مین نکل رہا ہے اور دوسرا بہ عنوان "مہاکوی اکبر" جناب پنڈت امرناتھ جہا صاحب کا جو مادہوری کے ماہ بہادون کے نمبر مین شائع ہوا ہے ذرا خیال تو فرمائیے کہ ہندی کے کبیشرون پر ایک مولوی صاحب اور ایک مسلم شاعر کے کلام پر ایک پنڈت صاحب اس خوبی اور خلوص طبع کے ساتھ اپنے اپنے خیالات ظاہر کرین - جناب حق تو یہ ہے کہ ہندی اور اُردو دونون زبانون کا ذخیرۂ ادب قابل دید اور قابل قدر ہے - اور اپنا اپنا نرالا ہی ڈھنگ اور نرالی ہی سج دہج رکھتا ہے اور دونون کے لیے اس اقلیم ہندوستان مین پوری گنجایش ہے - جس کو جس سے رغبت ہو وہ اُس کی بلا مخالفت دوسرے کے ترقی اور بہبودی کی کوشش کرسکتا ہے - مین اس مضمون کو یہین پر ختم کردیتا - مگر چونکہ ان دنون ہندو اور مسلمانون مین جا بجا ان بن ہے اور باہمی تعلقات مین نقیض پیدا ہوکر آئے دن لڑائی جھگڑے کی نوبت آتی ہے - اسیلیے چند کلمات اور لکھنے کی ضرورت ہے - جیسے کہ اس وسیع ملک مین ہر دو زبان کے لیے کافی جگہ ہے اسیطرح ان دونون قومون کے بود و باش کے لیے بھی کافی جگہ ہے - مگر امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لیے اور ایک مشترک آزاد و سوتنتر قوم جسکا نام انڈین نیشن ہوگا بنانے کے لیے یہ لازمی ہے کہ ملکی و سیاسی معاملات سے مذہب کو بالکل علیحدہ رکھا جاوے - اور جیسے کہ دو بھائی یا دو پڑوسی ایک ہی محلہ یا ایک شہر مین یہ اتحاد باہمی رہتے ہین - رہین - دبنا یا دبانا - غالب و مغلوب - زیردست و زبردست ان سب خیالات کو بالکل اپنے دل سے نکالدیا جائے ہر قوم کو مساوی آزادی ہو اور ایک قوم دوسری قوم کے

[1] افسوس کہ یہ رسالے ملک کے بے قدری کا شکار ہوگئے - مگر ان کی جگہہ الناظر - معارف - ہمایون - نیرنگ - داستان شباب اُردو وغیرہ ملک کی ادبی خدمت کر رہے ہین - ایڈیٹر

بخی و مذہبی معاملات مین قطعی مخل و مضر نہو۔ الغرض دونون قومین مرنجان و مرنج (انگریزی مین LIVE AND LET LIVE کہتے ہین) کے اصول پر پورے طور پر کاربند ہون جب ہر طبقہ کے عوام الناس کے دلون مین یہ خیال مستحکم ہوگا تب انڈین نیشن کی سچی بنا اس ملک مین قایم ہوگی ورنہ

این خیالست و محالست و جنون

(راے بہادر) لالہ دہارمن

---
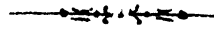
## بندے ماترم البم

اس خوبصورت البم مین بنگلہ زبان کے مشہور قومی گیت بندے ماترم کی تشریح و توضیح مین بارہ نہایت دلچسپ و دلکش رنگین تصاویر کا مجموعہ پیش کیا گیا ہے۔

بندے ماترم کا گیت ہندی، رومن حروف مین درج کردیا گیا ہے۔ اور اسکے بعد اسکا ایک ٹکڑا معہ ایک خاص تصویر کے جو اسکے متعلق کھینچی گئی ہے ہدیۂ ناظرین ہے۔ اصل گیت کا انگریزی ترجمہ نامور ادیب و فلسفی شریمت اروبندو گھوش کے زور قلم کا نتیجہ ہے یہ البم دبیز نفیس آرٹ پیپر پر چھاپا گیا ہے۔ جلد بھی نہایت خوبصورت ہے اور سرورق ایک تصویر سے مزین ہے اس مرقع کی تصویرین ایک خاص آرٹسٹ مسٹر متر اسے بنوائی گئی ہین جہان تک سین سینری اور قدرتی مناظر کا تعلق ہے قابل مصور کو اپنے مقصد مین شاندار کامیابی ہوئی ہے البتہ بھارت ماتا کی جو تصویرین بنائی گئی ہین ان سے روحانیت مترشح نہین ہوتی ہے۔ تاہم تصاویر بحیثیت مجموعی قابل دیدہ ہین اور ہم ان کے پبلشر پنڈت شیو نرائن صاحب مصر مالک پرکاش پستکالیہ کانپور کو اس خوبصورت البم کی اشاعت پر مبارکباد دیتے ہین۔

قدردانان فن مصوری و محبان قوم کو اس البم کی قدردانی کرنا چاہیے۔ قیمت عہ/ شایقین پرکاش پستکالیہ کانپور سے طلب فرماہین۔
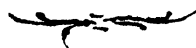
# قاضی ہاشم علی صاحب مسیح

آپ ۱۲۲۵ھ مین پر شد پور ضلع رائے بریلی کے ایک مشہور معروف مجتہد خاندان مین پیدا ہوئے آپ کے والدبزرگوار کا نام قاضی سید قاسم علی تھا - فارسی و عربی مین آپ کو کامل دستگاہ تھی نجوم و رمل مین بھی دخل تھا - پندرہ برس کے سن مین لکھنو گئے اور مجتہد العصر کے دربار مین وکیل مقرر ہوئے وہان مطابق شرع اسلام وکالت کرتے تھے - لکھنو کا قیام پھر شاعرون کی صحبت آخر طبیعت شاعری کی طرف مائل ہوگئی اور شعر گوئی شروع کی، لکھنو مین اُن دنون شاعری کی بہت قدر تھی - کیونکہ اودھ کا آخری تاجدار واجدعلیشاہ خود شاعری کا دلدادہ تھا -

آپ شاعر اور عالم ہونے کے علاوہ ایک بہادر سپاہی بھی تھے، بلکہ زمانۂ غدر مین خوب خوب بہادری کے جوہر دکھائے تھے - غدر کے بعد آپ بہت دن تک گوالیار مین فقیری بھیس مین روپوش رہے - وہان آپ کو لوگ ”بتاشے والے بابا“ کہا کرتے تھے - کیونکہ روزانہ شام کو بچون کو بتاشے تقسیم کیا کرتے تھے - رمل کی آمدنی آپ کے معاش کی کفیل تھی، اور رمل کے ذریعہ سے جو بات بتاتے تھے وہ بالکل ٹھیک نکلتی تھی -

برسون آپ گوالیار مین رہے - آخر ایک تعلقہ دار کی طلبی پر رائے بریلی واپس آئے اول اول تو تعلقہ دار صاحب آپ کی قیمتی پوشاک کو دیکھکر غلط فہمی مین مبتلا ہوگئے اور یہ سمجھ لیا کہ ان سے نوکری نہ ہو سکے گی - لیکن بہت جلد یہ غلط فہمی رفع ہوگئی - اور آپ کو نوکری مل گئی جبکی قدر رفتہ آپ کی دیانتداری اور کارگزاری نے آپ کو منیجر ریاست بنادیا اسی زمانہ مین آپ نے امتحان وکالت پاس کر لیا اور رائے بریلی مین وکالت شروع

کردی۔ طبیعت ذہین و طباع تھی اسلیے وکالت خوب چمکی ایک مرتبہ گھوڑے سے گر پڑے جس سے ایک ٹانگ ٹوٹ گئی اور بینائی پر بھی برا اثر پڑا، معالجے سے ٹانگ تو درست ہو گئی مگر بینائی واپس نہ آئی۔ نابینائی کی حالت مین بھی سات سال تک وکالت کا بازار گرم رہا۔ طباعی اور ذہانت کا یہ عالم تھا کہ روزانہ دو گھنٹہ تک تازہ نظائر پڑھوا کر سنا کرتے اور ہر نظیر دماغ مین محفوظ رہتی، حکام وقت بھی اکثر اہم معاملون مین آپ سے مشورہ کر لیا کرتے تھے۔

فروری ۱۸۹۲ء مین آپ نے انتقال فرمایا آپ کی شاعری اسقدر مقبول ہے کہ آج ۳۲ سال بعد بھی رائے بریلی کے اکثر ذی علم حضرات اُس بادۂ کہن سے مسرور و مخمور نظر آتے ہین۔

افسوس ہے کہ آپ کے کلام کا بڑا حصہ تلف ہو گیا۔ ورنہ آج دنیا دیکھتی کہ گمنامی کے دامن مین بھی کیسے کیسے نامور باکمال چھپے پڑے ہین۔

بڑی جستجو کے بعد چند غزلین ہاتھ آئی ہین۔ جو بغیر کسی تبصرے کے نذر ناظرین ہین۔

کیا کیا قتل مجھکو ظالم ہوا ہوا خون مجھپہ خرمن کا
ارے پکڑے نہ کوئی دامن لہو تو دھو ڈال آستین کا

ہوا ہی سودا کسی حسین کا نہین ٹھکانا دل حزین کا
کبھی فلک کا کبھی زمین کا کبھی کہین کا کبھی کہین کا

کہان کا لایا ہی شیخ کعبہ برہمنون ہے یہ دیر کیسا
مین پوچھتا ہون پتہ کہین کا نشان دیتے ہو تم کہین کا

غنا تین ہین عجب خدا کی رہا نہ تنہا مزار مین بھی
میری تسلی کو قبر بیٹھی ملال دیکھا جو ہمنشین کا

ہی گو کہ عصیان سی رو سیاہی مگر جو توجا ہے یا الٰہی
سمٹ کے ہر کی سب سیاہی نشان سجدہ بنی جبین کا

یہ سبکو نفرت ہی نامیون سی کہ نام لیتے نہین ہین سید
حرف اُلٹی کہہ دیکھا جو دیکھا کہ دل بھر گیا نگین کا

کھلین گے پردہ دری کے دفتر ہر ایک پرزہ بنیگا محضر
جنون کے دامن مین روز محشر پڑیگا جب ہاتھ آستین کا

ہزار مال حرام پائے طمع نہ طامع کے دل سی جائے
تمام عالم کی مردے کھائے نہ پیٹ ہرگز بھرا زمین کا

گری ہکا تو نہین ہم پکارے لیکن تمہارے کدھر سدھارے
جھکے ستون ذکے اشارے کہ سب نے رستہ لیا زمین کا

مسیح ہے اصل شے مقدر مآل ابلیس پر نظر کر
سجود مین کسقدر گھسا سر مگر نہ لکھا مٹا جبین کا

---

کہانتک چھانتے پھرتے رہو گی خاک در در کی
کرو کچھ فکر اب اس کوچہ گرد و آخری گھر کی

سنا ہے چھپ کے ہمسے اُسکے دلمین فکر ہی گھر کی — ہمارے بیوفا دل زیر بندش کی تو بہتر کی
پیام موت پہنچا را د کیا دیکھین کبوتر کی — صدا آنے لگی کانون مین عزرائیل کے پر کی
جواب خط مین بھی گر چشم پوشی یہ ستم کیا تھا — مثال بازسی دین اُسنے آنکھین بھی کبوتر کی
کیا ہے بند ظالم نے اُسے یا ذبح کر ڈالا — خبر اوڑتی ہوئی بھی کچھ نہین ملتی کبوتر کی
یہ دنیا آج سنم ہے تیری کل تیرے دشمن کی — زن بیکار کب پابند ہوگی ایک شوہر کی
ہمین گر ذبح کرنا ہے تو بسم اللہ بہتر ہے — صدا کافر کے منھ سے تو سنین اللہ اکبر کی
خدر سودا یونکی بڑہ سے اسے فصاد لازم ہے — رگون کے منھ نہ کھلوائے زبان تیز نشتر کی
مجھے خوش بھی کیا اُسنے تو کیا کیا رنج دی دیگر — کیا اقرار وصلت کھا کے قسمین غیر کے سر کی
مدارات احبار سے رہے ہم نزع مین قاصر — دم آخر ہوئی برباد محنت زندگی بھر کی
جنازہ تو اُٹھا وے ہاتھ سے یہ آرزو کب ہے — مری میت تو ہے محتاج ظالم ایک ٹھوکر کی
نشان بھی دخت رز کا محتسب ظالم مٹاتے ہین — یہی وہ قوم ہے ہے رسم جنمین قتل دختر کی
کئے سوراخ اتنے میری آہون نے کہ تارون سے — ہوئی ہے پارہ دوزی خیمۂ گردون اخضر کی

---

ہمسے کفار تو کب صاحب ایمان ہونگے — جبکہ مومن یہ کہے ہم نہ مسلمان ہونگے
صحبتین کیون نہ غنیمت ہون مجھے یارون کی — بچھڑے آج کے کل خواب پریشان ہونگے
صاف آئینگی نظر درد والم کی شکلین — داغ سینہ کے چراغ شب ہجران ہونگے
دل کے جانے سے مٹی فکر ہوئی آزادی — اب نہ بھولے سے بھی ہم سر بگریبان ہونگے
ہے یہی خانہ خرابی جو دل وحشی کی — جن گھرون مین مین رہون گا وہ بیابان ہونگے
کسکو محشر کے تلاطم کی خبر ہووے گی — ہمتو محو رخ نظارۂ جانان ہونگے
آپکی قید سے مشکل ہے ہمارا چھٹنا — ہوئے آزاد بھی تو بندۂ احسان ہونگے
باہر آئیگا چمن سے جو وہ مجموعۂ حسن — نکہت گل کی طرح گل بھی پریشان ہونگے
ہمنے غیرون کو نہ دی زیست مین ایذا پہ حیف — مر کے تکلیف دہ دوش عزیزان ہونگے
نہین پروائے مرض نام جو اپنا ہے مسیح — مر بھی جائین تو نہ منت کش درمان ہونگے

سزائے موت پاکر تجھ سے گو اے آسمان چھوٹے ۔۔۔ زمین کی قید تنہائی سے لیکن ہم کہان چھوٹے
نظر آتا نہین منزل پہ کوئی ہم سفر ہمکو ۔۔۔ نہ جانے راہ مین فرہاد اور مجنون کہان چھوٹے
سفر ہے زیست کے ایام یہ تو آپ کہتا ہے ۔۔۔ خلاف شرع پھر واعظ مرے روزی کہان چھوٹے
گران جنس ندامت بک گئی ارزان ملی جنت ۔۔۔ گنہگارانِ محشر خوب ہی سستے یہان چھوٹے
مکانِ یار تک تب بھی نہ پہونچا یک بیک ہم اپنا ۔۔۔ ہزارون کوس پیچھے گو حدودِ لامکان چھوٹے
نہ زورِ حسن باقی ہے نہ شورِ نالۂ بلبل ۔۔۔ قفس سے وا اسے ہم چھوٹے بھی تو وقت خزان چھوٹے
نہ اوڑنے کا طریقہ یاد ہے نے راہ گلشن کی ۔۔۔ بہت مدت ہوئی صیاد ہمسے آشیان چھوٹے
قضا آتے ہی کھانا تھا نہ پینا تھا نہ چلنا تھا ۔۔۔ خدا کی شان عادت عمر بھر کی ناگہان چھوٹے

بس اب مشتاق رہنے دو تم اپنے قدر دانون کو
بہت تھوڑے قوافی اے مسیح خوش بیان چھوڑ

---

نہ عزیزون کو پتہ یوسفِ مطلب کا ملا ۔۔۔ کس کنوئین مین نہین ڈالے گئے ہر سو کانٹے
کہنے سننے کے لیے گوش و زبان انکی ہے ۔۔۔ گل نہ سامع کبھی ہونگے نہ سخنگو کانٹے
دل اگر نرم ہے ہر سختی دہر آسان ہے ۔۔۔ جسم ماہی کے لیے کب ہین جفا جو کانٹے

اس زمانہ کی ہے دعوت کہ عداوت ہے مسیح
اک طرف میز پہ چھریان ہین تو یکسو کانٹے

---

تکبر زاہدون کا بڑھ گیا ابرار ہونے سے ۔۔۔ نظر ہے رحمتِ حق پر مری میخوار ہونے سے
یونہی خونخواریان ضرب المثل تھین چشم قاتل کی ۔۔۔ غضب کچھ بڑھ گیا ہے اور بھی بیمار ہونے سے
غبار آنا دلون مین باعثِ نا اتفاقی ہے ۔۔۔ جدا ہو جاتے ہین گھر بیچ مین دیوار ہونے سے
نگاہ بد سے ڈھانا نہین تیز دستی اپنے قاتل کی ۔۔۔ غرض یہ ہے مرے زخمون کے دامن دار ہونیسے
مدد احباب کی افلاس مین ہین کر نہین سکتا ۔۔۔ اگر غم ہے تو اتنا ہے مجھے نادار ہونے سے

مسیحؔ بے بضاعت مغفرت گو سخت مشکل ہے
بھروسا ہے مگر اللہ کے غفار ہونے سے

---

اسکی بدنامی گوارا مر کے بھی اصلا نہین  دامنِ قاتل پہ میرے خون کا دھبا نہین
دہر کی آب و ہوا ہے باعثِ بغض و فساد  مردمِ ملکِ عدم مین نام کو جھگڑا نہین
جسکی قیمت جان یا ایمان سے کم ہو سکے  حسن کے بازار مین ایسا کوئی سودا نہین
جھانکئے تو بام سے چتون ذرا ہم دیکھ لین  آج ہے کیون آپکا در بند کچھ کھلتا نہین
حسن یوسف دیکھکر دی ہے جگہ آغوش مین  اے اولوالابصار کنعان کا کنوان اندھا نہین
دار دنیا ہے الٰہی یا ہے کوئی اسپتال  دیکھتا ہون مین جسے بیمار ہے اچھا نہین
جو زر و زیور سے مالا مال تھے تا زندگی  قبر مین دیکھا تو ان کے ہاتھ مین چھلا نہین
پھر نظیرین پیش ہونگی منصفون کے سامنے  پہلے یہ تنقیح تو طے ہو کہ ہے یا نہین
پڑ کے تنہا جاگنے کی ہو گئی عادت مجھے  ساتھ اپنے بخت خوابیدہ کبھی سویا نہین

تازگی مشق کہن کی کسکو دکھلاؤن مسیحؔ
میر آتش ذوق ناسخ مصحفی سودا نہین

---

شادی ہمین ہے رنج نہین احتضار کی  لائین ملک عروس اجل کو سنوار کے
واعظ عمامہ سر پہ ہے یا ہے گنہ کا بار  رکھ لے تمام خلق کی پگڑی اوتار کے
بولے کبھی نہ شہر خموشان کے آدمی  ہم تھک گئے ہر ایک لحد پہ پکار کے
دم بھر نہ بے ثباتی دنیا سے لڑ سکا  دریا بہت حباب کو لایا ابھار کے
دلبر کو کھینچ لائی کشش اپنے قلب کی  صیاد آپ دام مین آیا شکار کے

کیون ہون ہدف نہ تیر ملامت کے یہ مسیحؔ
کینہ وردن کے دلمین ہین تو دے غبار کی

---

اگر ذی قدر دعا یجا ہ اے افلاک ہونا تھا
تمہین نمگیرۂ قیر شہ بولاک ہونا تھا

تجلی سے نہ یون موسیٰ کو وحشت ناک ہونا تھا
اگر دیدار کے تھے حوصلے بیباک ہونا تھا

جو آخر بعد مردن سب تکلف خاک ہونا تھا
کفن کو روز اول سے مری پوشاک ہونا تھا

ہزار افسوس بعد مرگ یہ ثابت ہوا ہمپر
کہ ہمکو خاک ہو جانے سے پہلے خاک ہونا تھا

تصور بھی گذر کرتا نہین نازک مزاجون کا
تجھے اے خانۂ دل یون نہ وحشت ناک ہونا تھا

کھلا طول شب فرقت کا باعث میری مرنیسے
اسی غم مین گریبان سحر کو چاک ہونا تھا

کہین مر میکے ہین ہم سخت جان اُن اُوچھی وارونسے
نزاکت چھوڑ دیتے تم اگر سفاک ہونا تھا

عدم ہی کسطرح آتے نہ ہم اقلیم ہستی مین
ہیا کی ٹھوکرین کھا کھا کے ہمکو خاک ہونا تھا

اجل آئے تو جان وجسم کی آویزشین چھوٹین
اسی ثالث سے یہ مدت کا جھگڑا پاک ہونا تھا

ندامت سے معاصی کے عرق مین مر تو دم ڈوبی
کسی صورت گنہگارون کو آخر پاک ہونا تھا

زمین پر لاش اگر پھینکی تو پھینکی تونے ای ظالم
ہمارا سر تو کٹ کر بستۂ فتراک ہونا تھا

جنون مین اب تمیز وصل وفرقت بھی نہین باقی
ہوا آخر وہی جو اے دل غمناک ہونا تھا

تف اے عشق جفا کش پھٹگیا کیون دامن یوسف
زلیخا کا دل اس پردہ مین آخر چاک ہونا تھا

پہنچ جاتی لپک انوار محبوب حقیقی تک
بلند اتنا تجھے ای شعلۂ ادراک ہونا تھا

یہ کیسی نیند ہے حال عدم بھی کچھ نہین کہتے
کبھی بیدار بھی اے خفتگان خاک ہونا تھا

نظر جمنے نہ پائی راہ ہستی مین کسی شے پر
نہ اتنا بھی سمند عمر کو چالاک ہونا تھا

کیا کیا جانکر انسان نے وعدہ عبادت کا
ملک کا کام مشت خاک سے کیا خاک ہونا تھا

مسیح بینوا کی لاش پر رقت ہے عالم کو
تیری پلکون کو بھی دو چار پل نمناک ہونا تھا

رادھکا کمار رنگا

# میر و غالب کی ہم طرح غزلین

(غالب کی غزل دیوان جدید سے لی گئی ہے)

(میر) تھا مستعار حسن سے اُسکے جو نور تھا — خورشید مین بھی اُس ہی کا ذرہ ظہور تھا

(غالب[1]) ہر رنگ مین جلا اسد فتنہ انتظار — پروانۂ تجلی شمع ظہور تھا

دونون اُستادون نے مسئلہ وحدت الوجود نظم کیا ہے (اسکے متعلق مقدمۂ دیوان مین ایک دلچسپ بحث قابل ملاحظہ ہے)

میر نے اُس درجۂ معرفت مین پہنچکر یہ مطلع کہا ہے۔ جہان شک وشبہ یا دلائل کی گنجائش نہین صیغۂ ماضی کے استعمال سے یہ امر بخوبی واضح ہے کہ شاعر یہ مدارج معرفت طے کرکے بعد آشکارا ہوا ؎ تھا مستعار حسن سے اُسکے جو نور تھا الخ

یہ منزل وہان شروع ہوتی ہے جہان فلسفہ و سائنس کی حکومت ختم ہو جاتی ہے۔ نگاہ معرفت دیکھ رہی ہے اور قلب لکھ رہا ہے کہ کسی چیز کا وجود تیری ذات سے محال ہے۔ دنیا مین روشنی کا معدن آفتاب ہے (ماہتاب اور ستارے آفتاب ہی سے کسب ضیا کرتے ہین) اور وجود آفتاب مین تیرے جمال بے مثال کی خفیف جھلک ہے۔ تاہم یہ ظاہری آنکھین خیرہ ہو جاتی ہین باوجودیکہ حجاب آفتاب حائل ہے۔ ہم تیرے نقاب کا ہلکا سا عکس دیکھنے کی تاب نہین لاسکتے تو بھلا تیرے جلوہاے بے نقاب کس طرح دیکھ سکتے ہین۔

مدار زندگی روشنی ہے اور روشنی کا سرچشمہ آفتاب جسنے تجھسے تھوڑا نور مستعار لے لیا ہے۔ تو جس وقت چاہے یہ نور ظہور آفتاب سے سلب کرلے۔ پھر سوا ظلمات فنا کی ہمارے واسطے کیا رہ جائے۔ لہذا ثابت ہوا کہ ہر شے اپنے وجود کے لیے تیرے نور کی محتاج ہے اس سے علیحدہ کچھ نہین تو ہی مبداء حیات و وجہ بقا ہے۔

---

[1] غالب کی غزل دیوان جدید سے انتخاب کی گئی ہے۔

سائنس کی کوششین اس حد تک پہنچکے رہ گئیں کہ ہماری بصارت کا راز یہ ہے کہ ہر شے سے روشنی کی لہرین اُٹھکر ہمارے ثقبون سے ٹکرتی اور منعکس ہوتی ہین اس وقت ہمین وہ شے نظر آتی ہے ورنہ اندھیرے مین بھی دیکھ سکتے۔ مگر ہر شے مین یہ تموج نور کیونکر پیدا ہوا۔ شاعر یہ رمز بیان کرتا ہے ؎

تھا مستعار حسن سے اُسکے جو نور تھا

کسی شے مین بالذات روشنی نہین جو کچھ ہے وہ تیرا پرتو جمال ہے۔

میر کا یہی شاندار مطلع سر دیوان غالب کے مقطع کا ماخذ ہے مگر حق یہ ہے کہ اِس خوبی سے نظم کیا گیا کہ بالکل اچھوتا معلوم ہوتا ہے۔ مگر اسمین معرفت کا وہ اوج کمال نہین جہان شبہات کے تاریک بادل پھٹ جائین اور طوفان فرد ہوکر سکون بے پایان حاصل ہو مگر سی ہے، کوشش ہے، جد وجہد ہے، انتظار ہے، اضطراب ہے، شورش ہے، دیوانگی ہے، رقص ہے، وجد ہے! کون کہہ سکتا ہے کہ یہ ایک بلند درجہ عشق کا نہین؟

لفظ فتنہ کو فارسی والون نے معشوق کے معنی مین استعمال کیا ہے بجائے ہنگامہ یا شور قیامت کے اس معنی سے شعر کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ معشوق کے انتظار مین اسد ہر رنگ مین جلا۔ (روز ازل، نور شمع ظہور پر دل قربان کر چکا تھا (غور کیجئے محض شمع ظہور نہین کہا بلکہ تجلی شمع ظہور، جس سے مترشح ہوتا ہے کہ جمال نہین بلکہ پرتو جمال دیکھا۔ اسی عظمت کو میر نے بھی مد نظر رکھا ہے) وہی آنکھون مین بسا ہوا تھا اور اُسی کی ضیا ہر شے مین نظر آتی تھی ان تجلیون کو علامت موجودگی معشوق (نہ کہ خود معشوق) سمجھکر پروانہ وار جلتا تھا۔ شعر مین وحدت الوجود کا مکمل فلسفہ بیان کر دیا ہے اور ایسے دلکش انداز مین کہ روح بالیدہ ہوتی ہے۔

(میر) ہنگامہ گرم کن جو دل ناصبور تھا پیدا ہر ایک نالہ سے شور نشور تھا

غالب نے یہ قافیہ نہین کہا۔ جن لوگون کا خیال ہے کہ میر کے کلام مین شکوہ نہین اس مطلع کو ملاحظہ کرین۔

دلکو ہجر ناگوارا تھا اور وارفتگی شوق مین سرگرم نالۂ وزاری تھا وہ ہنگامہ برپا کیا تھا کہ گویا

قیامت آگئی۔ نہیں! بلکہ ہر نالہ ایک حشر اپنے دامن میں لیے ہوئے تھا۔

"پیدا ہر ایک نالے سے شور نشور تھا"

(دیدار خدا کے متعلق بعض کا عقیدہ ہے کہ ناممکن ہے بعض کہتے ہیں کہ حشر میں نصیب ہوگا) اگر معشوق مجازی لیجئے تو بھی چنداں فرق نہیں۔ یوں کاہے کو آئیگا یا ہمکو بلائے گا۔ ہم خود جائینگے نہیں (وضع کے خلاف ہے) صبر بھی نہیں ہوسکتا۔ عجیب مشکل ہے۔ یہ ترکیب نکالی کہ شور مچا کر قیامت برپا کریں جہاں خلقت جمع ہوگی (معشوق سمیت)

میرؔ پہنچا جو اُسکو تو میں پہنچا خدا کے تیئں معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دور تھا

غالبؔ نے یہ قافیہ نہیں کہا۔ تیئں (وہ بھی بلا اعلان ہمزہ) اب متروک ہے شعر صاف اور اچھا ہے "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ!"

امیرؔ، آتش بلند دل کی نہ تھی ورنہ اے کلیم یک شعلہ برق خرمن صد کوہ طور تھا

(غالبؔ) اے وائے غفلت نگہ شوق ورنہ یاں ہر پارہ سنگ لخت دل کوہ طور تھا

دونوں اشعار کا مطلب قریب قریب ایک ہے۔ مگر میرؔ کے تخیل کا جہاں گذر ہے۔ غالبؔ کی رسائی نہیں، حالانکہ میر راستہ دکھا رہا ہے کیونکہ یہ امر یقینی ہے کہ غالب کے سامنے میرؔ کی غزل کھلی ہوئی رکھی تھی جس وقت وہ اس زمین میں فکر کر رہے تھے۔ میرؔ کی جسارت دیکھئے کہ کلیم سے تعقرب بارگاہ ایزدی سے کہتے ہیں کہ تمہارے دلمیں کافی التہاب و تپش نہیں تھی۔ ورنہ اس کے ایک شعلہ میں سنکڑوں کوہ طور جل جاتے۔ برق تجلی کی محتاجی نہوتی (کوہ کی تشبیہ خرمن سے بالکل نئی ہے۔ اور میرؔ کے حاکمانہ تصرف زبان کی عمدہ مثال ہے) جو حضرات شعر کو مذہب کی میزان میں تولتے ہیں غالبًا اسکو پسند نہ کریں گے مگر شاعری مذہب کی تابع نہیں۔ شاعری عاشقی کی ترجمان ہے۔ جسنے اس کوچہ میں قدم رکھا اُس کا جائزہ لیتی ہے۔ خواہ کیسا ہی عالی مرتبت ہو

غالب کہتے ہیں کہ افسوس نگہ شوق غافل تھی ورنہ ہر پارہ سنگ کوہ طور کا ایک ٹکڑا نظر آتا ہے۔ یعنی ہر پتھر میں تیرا ہی شعلہ حسن نظر آتا۔

خوب! بہت خوب! مگر میرؔ کے شعر کے پاسنگ بھی نہیں۔ اس سے بلند مگر میرؔ سے پھر بھی پست سوداؔ کا یہ مطلع ہے ؎

ہر سنگ مین شرار ہے تیرے ظہور کا — موسیٰ نہین جو سیر کرون کوہ طور کا

فدا سیر کو نذر باندھتے تھے۔)

(میر) مجلس مین رات ایک ترے پرتوے بغیر — کیا شمع کیا پتنگ ہر اک بے حضور تھا

غالب نے یہ قافیہ نہین کہا۔ میر کے شعر مین بےحضور کا نادر صرف قابل غور ہے۔ بلکہ مین یہ کہونگا کہ اس خاص کیفیت کی مصوری بغیر اس لفظ کے ناممکن تھی۔

(میر) منعم کے پاس قاقم و سنجاب تھا تو کیا — اس رند کی بھی رات گذر گئی جو عور تھا

غالب نے یہ قافیہ نہین کہا۔ میر نے "استغنا کی عجیب شان دکھائی ہے۔

(میر) ہم خاک مین ملے تو ملے لیکن اے سپہر — اس شوخ کو بھی راہ پہ لانا ضرور تھا

(غالب) ضعف جنون کو وقت تپش در بھی دور تھا — اک گھر مین مختصر سا بیابان ضرور تھا

میر کا شعر ایک تیز نشتر ہے جو دل مین پیرتا چلا جاتا ہے۔ ایسی شاعری مین اُنکا ہمسر ہوا ہے اور نہ امید ہے کہ آئندہ ہو۔

ایسے اشعار کا لطف وجدانی ہوتا ہے الفاظ مین اظہار دشوار ہے۔ کہتے ہین کہ گردش سپہر نے ہمین تباہ کر دیا (فلک کے بجائے سپہر کا لفظ استعمال کر کے میر نے شاعری کا اعجاز دکھایا ہے) اسکی شکایت نہین گلہ ہے تو یہ ہے کہ وہ شوخ راہ راست پر نہین آیا۔ اُسکی جفاکاری بدستور جاری ہے کیا اچھا ہوتا کہ ہمارے برباد ہونے پر ظلم سے باز آتا اس طرح ہمین ایک امتیاز خاص ہوتا اور مزا سوا رتھ ہو جاتا مگر مین ان بیجان الفاظ مین وہ روح کہان سے پھونکون جو میر کے شعر مین تڑپ رہی ہے۔ اس شعر کو ہزار مرتبہ پڑھئے مگر لطف کم نہوگا۔

غالب کہتے ہین کہ ادہر تو دیوانگی کا زور ادہر ضعف کا غلبہ در تک پہنچنا دوبھر ہو گیا جی چاہتا تھا کہ گھر ہی مین ایک چھوٹا سا ویرانہ ہوتا جسکی سیر سے دل بہلتا اور وحشت مین کمی ہوتی۔

(میر) کل پاؤن ایک کاسۂ سر پر جو آگیا — یکسر وہ استخوان شکستون سے چور تھا

کہنے لگا کہ دیکھکے چل راہ بےخبر — مین بھی کبھو کسی کا سر پر غرور تھا

---

سلہ کیا غالب کے شعر سے تنا پائی جاتی ہے۔ عظمی

سری کرشن اور سیود ریا

Lakshmi Art, Bombay, 8
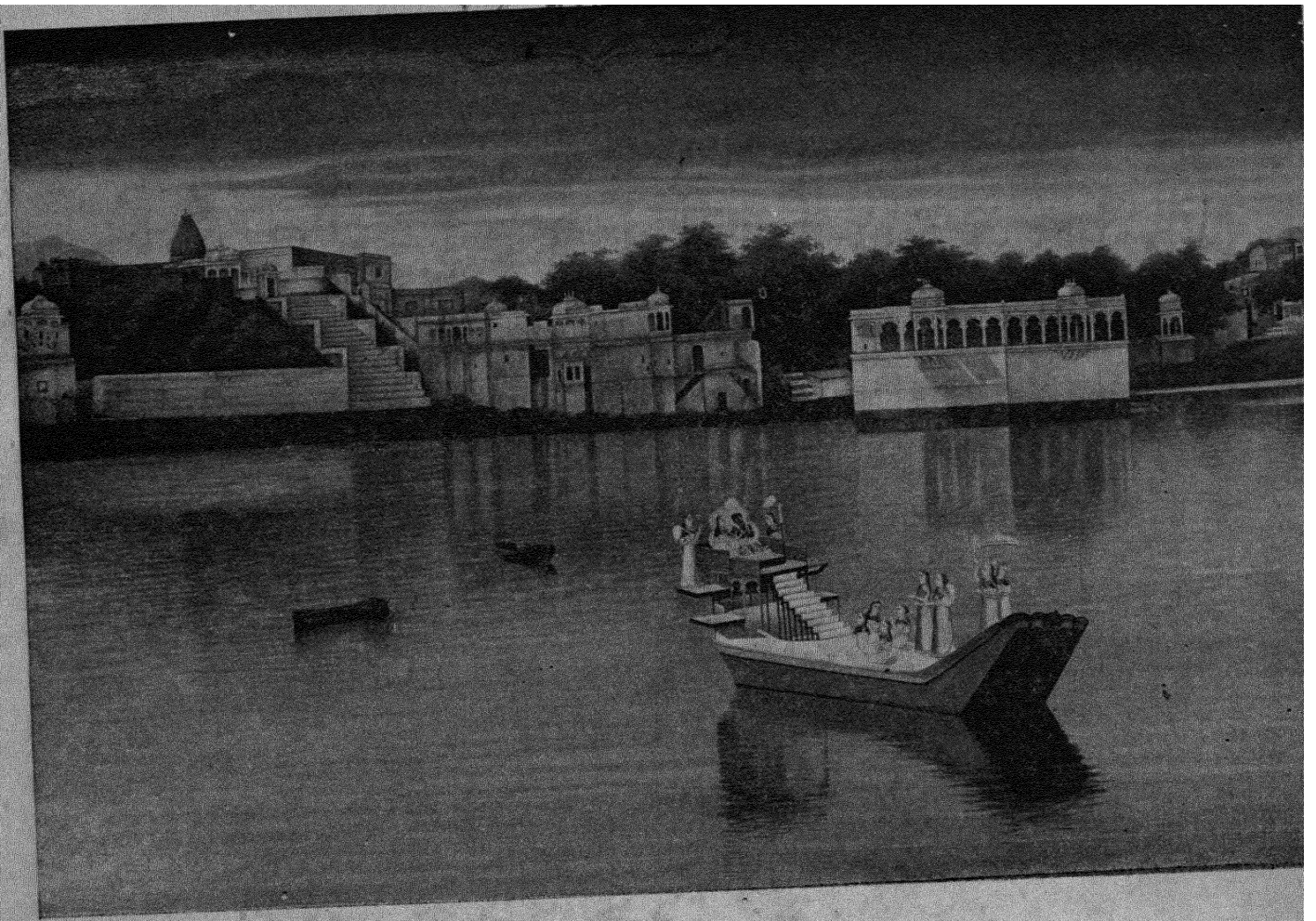
(غالب) آئینہ دیکھ اپنا سا منھ لیکے رہ گئے صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا (مطبوعہ)

میر کا قطعہ اور غالب کا شعر اپنے اپنے طرز مین لاجواب ہین۔ غالب کا شعر انکے اصلی رنگ سے الگ اُن محدودے چند اشعار مین ہے۔ جن مین اُنھون نے کوئی محاورہ نظم کیا ہے۔

میر کا قطعہ عبرت کا مرقع ہے۔ ایک مستقل تاریخ ہے جو کبھی فراموش نہ ہونا چاہیئے

(میر) تھا تو وہ رشک حور بہشتی ہمین مین میر سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنے قصور تھا

(غالب) قاصد کو اپنے ہاتھ سے گردن نہ ماریئے اُسکی خطا نہین ہے یہ میرا قصور تھا

میر کے شعر کا حاصل یہ ہوا کہ انسان خود ایک مظہر الوہیت ہے مگر سمجھتا نہین یہ اُسکے فہم کی کوتاہی ہے اگر یہ امر باور ہو جائے۔ تو ہرگز وہ افعال سرزد نہون جو اُسکی شان کے منافی ہین۔

غالب نے بڑے مزے کا شعر کہا ہے۔ خط قاصد کے حوالے کیا مگر صبر کہان فرطِ شوق مین خود بھی ساتھ ہو لئے قاصد نے معشوق تندخو کو خط دیا وہ پڑھکر ایسا خفا ہوا کہ قاصد کے قتل پر آمادہ ہو گیا۔ انھین موقع ملا۔ آگے بڑھکر عرض کی کہ قاصد گردن زدنی نہین ہے۔ میرا قصور ہے مجھے سزا دیجئے۔ ایک بیگناہ کو بچاتے بھی ہین اور خود معشوق کے ہاتھ سے قتل ہوتے ہین جو دلی تمنا ہے ؎

قافیہ جو میر نے نہین کہا۔

غالب جنت ہے تیری تیغ کے کشتون کی منتظر جوہر سواد جلوۂ مژگان حور تھا

تیغ کے جوہر کو مژگان حور سے نہین بلکہ سواد جلوۂ مژگان حور سے تشبیہہ دی ہے۔ اس سے یہ خوبی پیدا ہوئی کہ جوہر شمشیر کی سیاہی اور آب و تاب آنکھون مین بھر گئی اور مژگان سے تشبیہہ کامل ہو گئی چونکہ تلوار خون مین ڈوبی ہوئی تھی ایک کیفیت گلزار (جنت) پیدا ہوئی دونون مصرعون مین صیغۂ ماضی و حال کا اختلاف قابل غور ہے۔ سطحی نظرون سے دیکھنے والے کہدینگے کہ پہلے مصرع مین بجائے "جنت ہے" کے "جنت تھی" چاہیئے کیونکہ ردیف "تھا" ہے۔ نہین! صیغہ حال ہی درست ہے۔ اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ غلو گھٹ گیا، اگر معترض

کہے کہ آپ کو کیونکر علم ہوا کہ جنت کشتگان تیغ معشوق کی منتظر ہے تو اُسکا یہ جواب ہے کہ میری نظر میں جوہر شمشیر سواد مژگان حور ہے (جسکا تعلق بہشت سے ہے) لہذا مجھے یقین ہوا کہ جنت ان کی منتظر ہے۔ اس "ہے" نے ایک اور خوبی یہ پیدا کی کہ ایک کلیہ قائم ہوگیا۔ جنت برابر منتظر ہے اور یہی چاہتی ہے کہ تیرے کشتون سے مملو ہو جائے۔ پھر تجھے کیون تامل ہے قتل کیے جا۔

دو شعر غالب کے اور رہ گئے۔ یہ قافیے میر کے یہان نہین ہین۔

دو درس تپش ہے برق کو اب اسکے نام سے　　وہ دل ہے یہ کہ جسکا تخلص صبور تھا

شعر صاف ہے۔ "درس تپش" کی ترکیب یاد رکھنے کے قابل ہے ۵

شاید کہ مرگیا ترے رخسار دیکھکر　　پیمانہ رات ماہ کا لبریز نور تھا

اس بظاہر سادہ شعر مین عجیب معانی پنہان ہین۔ سامنے کا مطلب تو یہ ہوا کہ تیرے رخسار دیکھکر ماہتاب کا پیمانہ عمر لبریز ہوگیا۔ مرگیا۔

سنہ ۱۸۶۴ء مین جرمن سائنس دان زولنر نے دریافت کیا کہ ماہتاب مین پہاڑ ضرور ہین مگر پانی یا ہوا نام کو نہین نہ آبادی ہے۔ اسکے قبل یورپ اور ایشیا کے حکما متفق تھے کہ چاند مین بھی ذی حیات مخلوق آباد ہے۔ چشمے ہین دریا ہین کوہ و صحرا ہین، جہانتک خیال ہوتا ہے غالب نے سنہ ۱۸۶۹ء مین انتقال کیا ظاہر ہے کہ زولنر کی تحقیق کی انھین خبر ہی نہ ہوگی۔ جیسا عرض کیا گیا یہ واقعہ کہ چاند مُردہ ہے۔ غالب کے زمانہ تک کی تحقیق کے بالکل خلاف تھا مذہبی امور مین مجھے کم دخل ہے مگر عام عقیدہ ابتک یہ ہے کہ چاند مین آبادی ہے۔ لہذا غالب کا شعر سائنس یا اعتقاد کی بنیاد پر نہین ہوسکتا۔ پھر بھی وہ کہتا ہے ع

شاید کہ مرگیا ترے رخسار دیکھکر!

ایسے ہی اشعار کی بنا پر شعراء کو تلامذ الرحمٰن کہتے ہین۔

اسی شعر مین ایک اور مسئلہ سائنس کا حیرت انگیز انکشاف ہے۔ دوسرے مصرع سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ماہ کامل کی طرف اشارہ ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ اسمین اسقدر نور پہلے نہین ہا بلکہ معشوق کے رخسار کے عکس سے پیدا ہوا جسکی تاب نہ لاکر ماہ کا پیمانہ چھلک گیا۔ اب اِس

عبارت پر غور کیجیے جو انسائکلوپیڈیا برٹینکا سے ترجمہ کیجاتی ہے۔

"چاند کا پورا سطح روشن نہین ہے بلکہ بعض مقامات تاریک اور بعض منور ہین جن کا عکس تاریک حصّہ کو بھی روشن کر دیتا ہے۔ یہ قوت انعکاس اسوقت شدید تر ہوتی ہے جب اسکی شعاعین عمودی شکل مین پڑتی ہین یعنی جبوقت ماہ کامل ہوتا ہے۔ یہ قوت کم ہوتی جاتی ہے جب شعاعین ترچھی پڑنے لگتی ہین۔"

شاید کہ مرگیا ترے رخسار دیکھکر  پیمانہ رات ماہ کا لبریز نور تھا

جسے شاعری سے ذرا بھی مس ہے وہ خیال کریگا کہ

"پیمانہ آفتاب کا لبریز نور تھا"

کیون نہین نظم کیا۔ بندش چست ہو جاتی۔ اور ظاہر ہے کہ رخسار معشوق کے مقابل آفتاب سے نورانی کرہ کی خبرگیری چاند کے ماند ہونے پر ترجیح رکھتی ہے۔ یہ خیال کرنا حماقت ہے کہ ایسا پیش پا افتادہ مضمون غالب کو نہین سوجھا پھر کیون بجائے آفتاب کے ماہتاب نظم کیا؟ اسکی وجہ سوا اسکے ذہن مین نہین آتی کہ متذکرۂ بالا مسائل کا اُسے وہبی علم تھا اور اُنھین نظم کرنا چاہتا تھا۔ لہذا اُس نے کہا جو کچھ کہا! اور ہم اسکی جسقدر تعریف کرین کم ہے۔

اثر۔ لکھنوی

---

بے ضرورت بات کرنا عقلمندون کا شیوہ نہین کوئی پوچھے تو جواب دو۔ تم کو خود حاجت ہو تو بولو۔ کہ اس سے زیادہ بولنا بے فائدہ ہے۔ جو بات کرو نرمی اور آہستگی کے ساتھ کرو۔

سخت بات کرنا۔ چلا کر بولنا ہرگز نہین چاہیئے۔ جو لوگ تم سے کم درجہ کے ہین یہانتک کہ اپنے خدمت گارون اور نوکرون سے بھی "بھائی" "میان" اور "جی" کہکر بات کرنی چاہیئے۔ تاکہ سب لوگ تم کو جی سے پیار کرین۔

شمس العلما ڈاکٹر نذیر احمد دہلوی

---

(اویشن بندھو داس کے مشہور تصنیف سانگیت ساگر کا ترجمہ)

## راگ نمبر ۲

نہین نہین[۵] - آج اس مجمع عظیم کے سامنے وہ "سرنہ چھیڑ" - بلکہ ایسا راگ گا جس سے ہرکس وناکس محظوظ ہو - دیکھ یہ خلقت عامہ سرمستی اور بیخودی کے عالم مین محو - رقصان و خندان کس طرح دھوم مچا رہی ہے - ہان اس دلکی خبر لیے رہنا ، تو انکو ہنسا اور خوب ہنسا ان کو ناچنے دے ہان ناچنے دے . گر جب آدھی رات کا عالم ہو اور تاریکی مجھکو اپنے جامہ مین لپیٹے اور بہ غوغاے مسرت بھی رداے خاموشی مین منھ چھپا لے ، اسوقت میری تیری چار آنکھین ہونگی مین تیرے روبرو ہونگا ، اور تو میرے سامنے - اس وقت ہم دونون ملکر تانین اوڑائین گے راگ گائین گے . تمام دنیا مین اس وقت سناٹے کا عالم طاری ہوگا - ہمارے گرد و پیش اگر کسی کی چشم نگران نظر آے گی تو تاریکی کی -

اسوقت ایک گیت مین گاؤنگا ایک راگ تو چھیڑیگا ، اور یونہی دونون کی ترانہ سنجیان یکے با دیگرے مزہ دین گی - اس عالم مین عیش کے ایک بے پایان سمندر کی سطح پر ہم دونون تیرینگے ، روان ہو جائین گے - اور تیری روح سے لافانی خوشی اُمنڈ آے گی - اور جب اسکی لہر مجھے چھیڑے گی ، تو مین دل کے سمندر مین ڈوب جاؤن گا - ہم دونون گائین گے ، تانین اوڑائین گے ، اور جب عمیق تاریکی مجھے ہرطرف سے آکر گھیر لے گی - تو گاتے گاتے باہم دیگر وصل ہو جائین گے -

---

۵ اس کے اول ستایش راگ کا ترجمہ زمانہ مارچ زمانہ اگست و ستمبر سنہ ۱۲ء مین ہدیۂ ناظرین ہو چکا ہے

## راگ نمبر ۲۹

کتنے دنوں سے اس تڑپا دینے والے راگ سے اپنے دل کا خون کرکے تو اسطرح لہرین مار رہا ہے۔

ہان کتنے جگ گذر گئے جب سے یہ راگ چھیڑا ہوا ہے۔ جسنے تیرے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور ایک عالم کو دیوانہ بنا دیا ہے۔

مدتین گذر گئین ہزارون زندگیان صرف ہو گئین اور تو اپنی شش جہت مین پھیلی ہوئی شان و شوکت مین لگاتار راگ گائے جا رہا ہے، جس کا نہ کہین آغاز ہے اور نہ انجام!

یہ نالۂ دلگداز ہمیشہ کس طرح جاری رہ سکتا ہے۔

اے میرے رفیق اے بحر روان کون اشتہا تیرے سینے کے اندر سسکیان بھر رہی ہے! آہ کون خواہش، کون جذبہ سانس لے رہا ہے۔ کس چیز کی آرزو تیرے دلمین تڑپ تڑپ کر نالہ زن ہے۔

اب تجھے یہ دردمند راگ چھیڑتے ہوئے ایک مدت ہو گئی ایک زمانہ گذر گیا اور پھر بھی تجھے چین نہین، اسکی انتہا نظر ہی نہین آتی۔

اے حرمان نصیب، اے آنسوؤن کے بیقرار سمندر مین ساری دنیا کو چھوڑ کر محض تیرے لیے یہان آیا ہون۔

اور آیندہ بھی بارہا مین تیرے پاس آتا رہون گا۔ آنے والے انتہا زمانون اور بے شمار قالبون مین تیرے ہی پاس آؤنگا۔

## راگ نمبر ۳۰

اے بحر روان یہ کون شے ہے جو مجھے تیری طرف کھینچے لیے جا رہی ہے؟

میرے اور تیرے باہمی اتصال کا سر نہانی کیا ہے، کس زمانے مین۔ کس ملک مین اور کس دور دراز ساحل پر مین تجھ سے آشنا ہوا تھا۔ اور تو مجھ سے؟ اس رشتۂ یگانگی مین کونسا راز مستور ہے؟

کس ساز مطربانہ کے دلفریب عالم مین ؟ کس تال کس لے کس سُر کس دھن جلوہ گاہ جاودانی مین - کس ساز روح افزا کی تہ مین - کس ترانۂ دلنشین کی دنیائے روح مین کس زمانہ فرسودہ کے پُر اسرار دور مین اور کس بے نام آہنگ سحر خیز کے بطون مین - ہم دونون نے باہم دیگر آشنائی کا رشتہ قبول کیا تھا

روز ازل سے ہم دونون کا چشمۂ روح اُسی ہستی جاودانی سے نکلکر - جسکا نہ کہین آغاز ہے نہ انجام - مائل روانی ہے

اور اسکے بعد خدا جانے کتنے جنمون مین میرا اور تیرا برابر ساتھ رہا - میرا دل تجھ سے وابستہ تھا ؛ اور تیرا دل مجھ سے -

اور اے بحر روان ، نہین معلوم کتنی مرتبہ ایسا ہوا کہ ہم دونون جدا ہو گئے - مدتون ایک نے دوسرے کی صورت بھی نہ دیکھی -

مگر آج ہم دونون پھر ہم آغوش ہین - وصل کا مزہ لوٹ رہے ہین - یہان صرف تو ہے اور مین ، اور بس "

میرے یار غمگسار تو ہمیشہ ہر طرف تمام عالم کائنات کے بحر بے پایان مین سرمست غوطہ زن رہتا ہے - مگر مین تیرے ترنم کے چشمہ مین روان رہتا ہون -

## نمبر ۱۳

اے کشور ترانہ سنجی کے تاجدار ، مجھے شب کو بیخوابی سے سامنا تھا - مگر تو نے اس عالم مین اپنے آہنگ جنون زا کی خروش افزا موجین ہر طرف دوڑا دین -

یہ شب تاریک کا سمان ، اور بحر امواج کی ترنگون ، کے مانند اس آہنگ جنون زا کے خیال پنہانی کا میری آنکھون پر اسطرح اُچھلنا ؟ آہ

میرا دل اُس پھول کی مانند کانپ رہا ہے ، جو کسی ہیبت اور خشم آگین طوفان کے نذر ہو گیا ہو - بحر مسرت مین غرقاب ، اور سراسیمگیون سے دل افگار ایک وحشت خیز راگ اس تیرگی کے عالم مین اپنی چمک دمک دکھا رہا ہے -

مین تیرا چہرہ نہین دیکھ سکتا ، صرف یہ خبر میرے کانون تک پہونچ گئی ہے ، اور ایک

زمانۂ غیر محدود میرے سینے مین مستور ہے،

سازِ بے صدا کی صد ہا گیتین اس وقت بیدار ہین، اور ہزار ہا ترانون کی جاوُدانی خاموشی کی چشمِ حال بھی کھلی ہوئی ہے۔

اور مین ہر دھن کا پیغام ناگفتہ سُن رہا ہون، ہان مجھے ہر ترانہ کے قلب مستور کا برابر احساس ہو رہا ہے،

## نمبر ۳۲

اے بحرِ بے پایان! جب مین اپنے امید گاہ مین چند چھوٹے چھوٹے چراغون سے جن مین ایک مسرت انگیز صدائے مطربانہ نکل رہی تھی کھیل رہا تھا، اور اُن چراغون کی ضیا بارکرنون مین جب ایک خواب محدود کی چھوٹی چھوٹی تصویرین آویزان کر رہا تھا اسوقت، اے محبوب دلنشین مین تجھے بالکل بھُول گیا تھا۔

واللہ میرے چھوٹے سے بازیگاہ محدود از خواب نے یہ طرفہ تماشہ کر رکھا تھا۔

اوران چراغون کی روشنی مین میرے ہاتھ مین نہایت آہستگی کے ساتھ تیار کئے ہوئے ہاتھ کے پھول تھے، اور مین نہایت شوق سے ان کا نظارہ کر رہا تھا۔

لیکن جب تو نے یک بیک اپنی رُوح کی جاودانی مطربانہ صدا مین نہایت خروش کیساتھ برق وش مجھے پکارا، میرا سرچشمۂ حیات اُبل پڑا میرے بحر زندگی مین طغیانی آگئی۔ تیری آہنگ مطربانہ کی دلسوز ترنگون مین یہ کیفیت پنہان تھی!

دفعتہً میری بازیگاہ درہم و برہم ہوگئی، چراغ بجھ گئے، خاموش ہوگئے اور مین تیرے سینے سے لپٹ کر مست و مدہوش ہوگیا۔ بیخودی چھاگئی۔ اور پھر مجھے دنیا ومافیہا کی خبر نہ رہی۔

## نمبر ۳۳

آفتاب گوشۂ مغرب مین مستور ہونے کو ہے، ابھی شام نہین ہوئی اور تیری سطح پر نور اور تاریکی دونون عالم شوق مین کھیل رہے ہین۔

بادل تیری طرف گھُور گھُور کر فضاے چرخ پر منڈلا رہے ہین اور جادو بھری ہوئین

چپکے چپکے ترانہ سنجی کر رہی ہین -

یہ تاریکی جسکے ساتھ روشنی بھی شامل ہے نہایت تعجب انگیز ہے.

بہشت برین نگاہ حیرت سے اس منظر کا مشاہدہ کر رہا ہے.

اے قلزم ذخار کس خطہ تاریک سے تونے یہ مصیبت کا راگ ایک عجیب وغریب دُھن مین چھیڑا ہے؛

بتا بتا کہ تجھکو کن مسائل عظیم کا ابھی تک جواب نہین ملا ہے ؟

کن منحوس شکوک سے تیرا دل آج زیر بار ہے آج زندگی اور موت سے تونے کونسی گفتگو چھیڑ رکھی ہے ؟

ارے تیرے ساز دل کا کونسا تار ٹوٹ گیا ہے اور یہ کیسا درد اسکی آواز سے ظاہر ہوتا ہے -

یہ جتنا نور ہے جتنی تاریکی ہے، اے بحر روان، تو سب اپنی روح سے نکالکر مجھپر انڈیل دے -

دیکھ دیکھ ان تمام عارضی عکسون مین میرا دل ایک عکس لرزان بنا چاہتا ہے۔ اس مقام پر کون اُمید موجود ہے سچائی کا ظہور کہان ہے ؟

اب یہان کس وسواس کی ہستی ہے، اب کون سا نقش باطل اپنا سکہ جما رہا ہے ؟

نمبر ۳۴

اس عالم سکون مین شام کے وقت بھوری بھوری لہرون پر تیرا راگ آج کس خطہ کی جانب مائل پرواز ہے،

اور کس مقام پر، اور کس دور دراز تاریکی کے عالم سے اسکی صدا میرے کانون مین آرہی ہے، اُف یہ اسنے میرے دل کے ساتھ کیا کر دیا !

معلوم ہوتا ہے کہ کہین آرتی کے وقت سنکھ بج رہا ہے، اور وہ آرتی کیسی خوشبودار عود کی اور اسکے ساتھ ہی ساتھ سکون کامل کے عالم مین بے آرزو مگر پھر بھی اشتیاق صادق سے سراپا معمور تیرا نغمہ اپنی صدا دے رہا ہے !

اے پرستارِ عظیم، آج تو کون سی عبادت مین مشغول ہے۔

تو کس کے سامنے میرے دل کا چراغ لیے ہوے استادہ ہے اور نہ جانے کون کون منتر زبان سے جپ رہا ہے۔

اے میرے مرشد۔ اے میرے ہادی، اے میرے گرو، مجھے بھی بھیک دے مجھے بھی اپنے حلقہ ارادت مین شامل کر، میرا منتر مجھکو بتا اور اپنی پرستش کے بھجون سے میرے کاشانۂ دلکو معمور کر!

(ترجمہ) منوّر لکھنوی

---

# تنہائی

از ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لا

تنہائی شب مین ہے حزین کیا  انجم نہین تیرے ہمنشین کیا

یہ رفعتِ آسمان خاموش  خوابیدہ زمین جہان خاموش

یہ چاند یہ دشت و در یہ کہسار  فطرت ہے تمام نسترن زار

موتی خوشرنگ پیارے پیارے  یعنی ترے آنسوؤن کے تارے

کس شے کی تجھے ہوس ہے اے دل

قدرت تری ہم نفس ہے اے دل

# شطرنج کی بازی

۱

نواب واجد علیشاہ کا زمانہ تھا لکھنؤ عیش و عشرت کے رنگ مین ڈوبا ہوا تھا۔
چھوٹے بڑے امیر و غریب سبھی رنگ رلیان منا رہے تھے۔ کہین نشاط کی محفلین آراستہ
تھین۔ تو کوئی افیون کی پینک کے مزے لیتا تھا۔ زندگی کے ہر ایک شعبہ مین رندی و مستی
کا زور تھا۔ اُمور سیاست مین، شعر و سخن مین، طرز معاشرت مین۔ حرفت و صنعت مین تجارت و
تبادلہ مین، سبھی جگہ نفس پرستی کی دہائی تھی۔ آراکین سلطنت میخواری کے غلام ہو رہے تھے، شعرا
بوسہ و کنار مین مست، اہل خرقہ کلابتو اور چکن بنانے مین۔ اہل سیف تیتر بازی مین، اہل روزگار
سُرمہ و مسی، عطر و تیل کی خرید و فروخت مین غرض سارا ملک نفس پروری کی بیڑیون مین جکڑا
ہوا تھا سب کی آنکھون مین ساغر و جام کا نشہ چھایا ہوا تھا۔ دنیا مین کیا ہو رہا ہے۔ علم و حکمت کی
کن کن ایجادون مین مصروف ہے، بر و بحر پر مغربی اقوام کس طرح حاوی ہوتی جاتی ہے۔
یہ کسی کسی کو خبر نہ تھی۔ بٹیر لڑ رہے ہین۔ تیترون مین پالیان ہو رہی ہین۔ کہین چوسر ہو رہی ہے
پو بارہ کا شور مچا ہوا ہے کہین شطرنج کے معرکے چھڑے ہوئے ہین۔ فوجین زیر و
ہو رہی ہین۔ نواب کا حال اس سے بھی بد تر تھا وہان گتون اور تالون کی ایجاد ہوتی
حظ نفس کے لئے نئے لٹکے، نئے نئے نسخے سوچے جاتے تھے۔ یہانتک کہ فقرا خیرا
کے پیسے پاتے تو روٹیان خریدنے کی بجاے مدک اور چانڈو کے مزے لیتے تھے۔ رئیس زادے حاضر
جوابی اور بذلہ سنجی کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے ارباب نشاط سے تلمذ کرتے تھے، فکر کو جولان
عقل کو رسا اور ذہن کو تیز کرنے کے لیے شطرنج کیمیا سمجھا جاتا تھا۔ اب بھی اس قوم کے لوگ
کہین کہین موجود ہین جو اس دلیل کو بڑے شد و مد سے پیش کرتے ہین۔ اس لیے اگر

مرزا سجاد علی اور میر روشن علی اپنی زندگی کا بیشتر حصہ عقل کو تیز کرنے مین صرف کیا کرتے تھے تو کسی ذی فہم کو اعتراض کرنے کا کوئی موقعہ نہ تھا ہان جہلا انھین جو چاہین سمجھین، دونون صاحبون کے پاس موروثی جاگیرین تھین۔ فکر معاش سے آزاد تھے، آخر اور کرتے ہی کیا' طلوع سحر ہوتے ہی دونون صاحب ناشتہ کرکے بساط پر بیٹھ جاتے۔ مہرے بچھا لیتے اور عقل کو تیز کرنا شروع کر دیتے پھر انھین خبر نہ ہوتی تھی کہ کب دوپہر ہوا۔ کب سہ پہر کب شام، گھر مین سے بار بار آدمی آکر کہتا تھا کھانا تیار ہے۔ یہان سے جواب ملتا تھا چلو آتے ہین دسترخوان بچھاؤ۔ مگر شطرنج کے سامنے قورمے اور پلاؤ کے مزے بھی پھیکے تھے، یہانتک کہ باورچی مجبور ہو کر کھانا کمرے ہی مین رکھ جاتا تھا اور دونون دوست دونون کام ساتھ ساتھ کرکے اپنی باریک نظری کا ثبوت دیتے تھے۔ کبھی کبھی کھانا رکھا ہی رہ جاتا اسکی یاد ہی نہ آتی تھی۔ مرزا سجاد علی کے مکان مین کوئی بڑا بوڑھا نہ تھا اسلیے انھین کے دیوان خانے مین معرکہ آرائیان ہوتی تھین مگر اسکے یہ معنی نہین ہین کہ مرزا کے گھر کے اور لوگ اس مشغلہ سے خوش تھے، ہرگز نہین محلہ مین گھر کے نوکر چاکرون مین۔ مہریون، ماماؤن مین برابر حاسدانہ حرف گیریان ہوتی رہتی تھین۔ بڑا منحوس کھیل ہے گھر کو تباہ کرکے چھوڑتا ہے۔ خدا نہ کرے کہ کسیکو اسکی چاٹ پڑے، آدمی نہ دین کے کام کا رہتا ہے نہ دنیا کے کام کا۔ بس اُسے دھوبی کا کتا سمجھو۔ گھر کا نہ گھاٹ کا۔ بڑا مرض ہے۔ ستم یہ تھا کہ بیگم صاحب بھی آئے دن اس مشغلہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتی رہتی تھین۔ حالانکہ اُنھین اُسکے موقعے مشکل سے ملتے۔ وہ سوتی ہی رہتی تھین کہ ادھر بازی جم جاتی تھی۔ رات کو سو جاتی تھین تب کہین مرزا جی گھر مین آتے تھے۔ ہان جولاہے کا غصہ ڈاڑھی پر اُتارا کرتی تھین۔ نوکرون کو جھڑکیان دیا کرتین۔ کیا میان نے پان مانگے ہین؟ کہدو آکر لیجائین، کیا پاؤن مین مہندی لگی ہوئی ہے۔ کیا کہا ابھی کھانے کی فرصت نہین ہے؟ کھانا لیجا کر سر پر پٹک دو۔ کھائین یا کتون کو کھلائین یہان اُن کے انتظار مین کون بیٹھا رہے گا۔ مگر لطف یہ تھا کہ اُنھین اپنے میان سے اتنی شکایت نہ تھی جتنی میر صاحب سے۔ وہ میر صاحب کو نکھٹو۔ بگاڑو۔ ٹکڑے خور وغیرہ نامون سے یاد کیا کرتی تھین، شاید مرزا جی بھی اپنے بریت کے اظہار مین سارا الزام میر صاحب ہی کے سر

ڈالدیتے تھے۔

ایک دن بیگم صاحبہ کے سر میں درد ہونے لگا تو ماما سے کہا جاکر مرزاجی کو بلالا۔ کسی حکیم کے یہاں سے دوا لادیں۔ دوڑ جلدی کر، سر پھٹا جاتا ہے۔ ماما گئی تو مرزاجی نے کہا چل ابھی آتے ہیں۔ بیگم صاحبہ کو اتنی تاب کہاں کہ ان کے سر میں درد ہو اور میاں شطرنج کھیلنے میں مصروف ہوں۔ چہرہ سُرخ ہوگیا اور ماما سے کہا کہ جاکر کہہ کہ ابھی چلئے ورنہ وہ خود حکیم صاحب کے یہاں چلی جائینگی کچھ ان کے آنکھوں راستہ نہیں دیکھا ہے۔ مرزاجی بڑی دلچسپ بازی کھیل رہے تھے۔ دو ہی کشتوں میں میر صاحب کی مات ہوئی جاتی تھی، بولے کیا ایسا دم لبوں پر ہے ذرا صبر نہیں آتا۔ حکیم صاحب کوئی چھو منتر کر دینگے کہ ان کے آتے ہی آتے درد سر دفع ہوجائے گا۔

میر صاحب نے فرمایا۔ ارے تو جاکر ذرا سن ہی آیئے نہ! عورتیں نازک مزاج ہوتی ہی ہیں۔

مرزا۔ جی ہاں کیوں نہ چلا جاؤں۔ دو کشتوں میں آپ کی مات ہوتی ہے۔

میر۔ جی اس بھروسے نہ رہئے گا وہ چال سوچی ہے کہ آپ کے مہرے دھرے رہیں۔ اور مات ہوجائے پر جایئے سن آیئے، کیوں خواہ مخواہ ذرا سی بات کے لیے ان کا دل دکھائے گا۔

مرزا جی چاہتا ہے اسی بات پہ مات کردوں۔

میر۔ میں کھیلونگا ہی نہیں۔ آپ پہلے جاکر سن آئیں۔

مرزا۔ ارے یار جانا پڑیگا حکیم کے یہاں۔ درد ورد خاک نہیں ہے۔ مجھے دق کرنے کا حیلہ ہے۔

میر۔ کچھ بھی ہو ان کی خاطر تو کرنی ہی پڑے گی۔

مرزا اچھا ایک چال اور چل لوں۔

میر۔ ہرگز نہیں۔ جبتک آپ سن نہ آئنگے۔ میں مہروں کو ہاتھ نہ لگاؤنگا۔

مرزا صاحب مجبور ہوکر اندر گئے تو بیگم صاحب نے کراہتے ہوئے کہا۔ تمہیں نگوڑا شطرنج اتنا پیارا ہے کہ چاہے کوئی مر بھی جائے پر اُٹھنے کا نام نہیں لیتے۔ شطرنج ہے کہ میری

سوکن ہے۔ نوج کوئی تم جیسا نرموہیا ہو۔

مرزا - کیا کرون، میر صاحب مانتے ہی نہ تھے۔ بڑی مشکلون سے گلا چھڑا کر آیا ہون۔

بیگم - کیا جیسے خود نکھٹو ہین ویسی ہی دوسرون کو سمجھتے ہین، اُن کے بھی تو بال بچے ہین کہ سب کا صفایا کر دیا۔

مرزا - بڑا لتی آدمی ہے جب آکر سر پر سوار ہو جاتا ہے۔ تو مجبور ہو کر مجھے بھی کھیلنا ہی پڑتا ہے۔

بیگم - دُتکار کیون نہین دیتے کتے کی طرح -

مرزا سبحان اللہ برابر کے آدمی ہین - عمر مین رتبہ مین مجھسے دو انگل اونچے - ملاحظہ کرنا ہی پڑتا ہے۔

بیگم تو مین ہی دُتکارے دیتی ہون ناراض ہو جائینگے ہو جائین، کون میری روٹیان چلاتے ہین - رانی روٹھین گی اپنا سہاگ لین گی - (ماما سے) عباسی جا شطرنج اُٹھا لا میر صاحب سے کہدینا میان اب نہ کھیلین گے - آپ تشریف لیجائین - اب پھر مُنھ نہ دکھائے گا -

مرزا ہا ئین ہا ئین کہین ایسا غضب نہ کرنا، کیا ذلیل کراؤ گی کیا - ٹھہر عباسی، کمبخت کہان دوڑی جاتی ہے -

بیگم - جانے کیون نہین دیتے - میرا ہی خون پئے جو روکے، اچھا اُسے روک لیا - مجھے روک لو تو جانون یہ کہکر بیگم صاحبہ خود جھلاتی ہوئی دیوان خانہ کی طرف چلین - مرزا جی کا چہرہ فق ہو گیا ہوائیان اُڑنے لگین - بیوی کی منتین کرنے لگے، خدا کے لیے تمھین شہید کربلا کی قسم میری ہی میت دیکھے جو ادہر قدم رکھے - لیکن بیگم صاحبہ نے ایک نہ مانی دیوانخانہ کے دروازہ تک گئین پر یکایک نامحرم کے روبرو بے نقاب جاتے ہوے پیر رک گئے دہین سے اندر کی طرف جھانکا - حسن اتفاق سے کمرہ خالی تھا - میر صاحب نے حسب ضرورت دو چار مہرے تبدیل کر دیئے تھے اور اُسوقت اپنی صفائی جتانے کے لیے باہر چبوترہ پہ چہل قدمی کر رہے تھے پھر کیا تھا - بیگم صاحبہ کو منھ مانگی مراد ملی، اندر پہنچکر بازی الٹ دی

مہرے کچھ تخت کے نیچے پھینکے کچھ باہر تب دروازہ اندر سے بند کر کے کنڈی لگا دی۔ میر صاحب دروازے پر تو تھے ہی۔ مہرے باہر پھینکے جاتے دیکھے۔ پھر چوڑیوں کی جھنکار سنی تو سمجھ گئے بیگم صاحبہ بگڑ گئیں۔ چپکے سے گھر کی راہ لی۔

مرزا نے بیگم صاحبہ سے کہا، تمنے غضب کر دیا۔

**بیگم۔** اب مُوا ادھر آئے تو کھڑے کھڑے نکالدوں۔ گھرہیں چکلہ سمجھ لیا ہے۔ اتنی لو اگر خدا سے لگاتے تو ولی ہو جاتے۔ آپ لوگ تو شطرنج کھیلیں میں یہاں چولھے چکی کی فکر میں سر کھپاؤں لونڈی سمجھ رکھا ہے۔ جاتے ہو حکیم صاحب کے یہاں کہ اب بھی تامل ہے۔

مرزا جی گھر سے نکلے تو حکیم صاحب کے یہاں کے بدلے میر صاحب کے گھر پہونچے اور معذرت آمیز لہجہ میں، بادل پُر درد سارا ماجرا کہہ سنایا۔

میر صاحب ہنسکر بولے، اتنا تو میں اسی وقت سمجھ گیا تھا جب دردسر کا پیغام ماما لائی تھی کہ آج آثار اچھے نہیں ہیں مگر بڑی غصہ ور معلوم ہوتی ہیں۔ اُف! اتنی تمکنت! آپنے انھیں بہت سر چڑھا رکھا ہے۔ یہ مناسب نہیں۔ انھیں اس سے کیا مطلب کہ آپ باہر کیا کرتے ہیں، خانہ داری کا انتظام کرنا انکا کام ہے، مردونکی باتوں میں دخل دینے کا انھیں کیا مجاز! میرے یہاں دیکھیے کبھی کوئی چون بھی نہیں کرتا۔

**مرزا۔** خیر یہ تو بتایئے اب کہاں جماؤ ہوگا۔

**میر۔** اب کیا غم ہے، اتنا بڑا گھر پڑا ہوا ہے۔ بس یہیں جمیگی۔"

**مرزا۔** لیکن بیگم صاحبہ کو کیسے مناؤں گا۔ جب گھر پر بیٹھا رہتا تھا تب تو اتنی خفگی تھی۔ گھر سے چلا آؤں گا تو شاید زندہ نہ چھوڑیں۔

**میر۔** اجی بکنے دیجئے دو چار دن میں خود بخود سیدھی ہو جائینگی۔ ہاں آپ بھی ذرا تن جایئے۔

(۲)

میر صاحب کی بیگم صاحبہ کسی وجہ سے میر صاحب کے گھر سے غائب رہنا ہی پسند کرتی تھیں اسلیے وہ اُن کے مشغلہ تفریح کا مطلق گلہ نہ کرتی تھیں۔ بلکہ کبھی کبھی

انھین جانے مین دیر ہوجاتی، بلکہ اساتے تو سر و دو یہ مستان یاد دلانیدن کے مصداق انھین آگاہ کردیا کرتی تھین ان وجوہ سے میر صاحب کو گمان ہو گیا تھا کہ میری بیگم صاحبہ نہایت خلیق متحمل مزاج اور عفت کیش ہین، لیکن جب ان کے دیوان خانے مین بساط بچھنے لگی، اور میر صاحب کی دائمی موجودگی سے بیگم صاحب کی آزادی مین ہرج واقع ہونے لگا تو انھین بڑی تشویش دامنگیر ہوئی۔ دن کے دن دروازہ پر جھانکنے کو بھی ترس جاتی تھین سوچنے لگین کیونکر یہ بلا سر سے ٹلے؟

ادھر نوکرون مین بھی کانا پھوسی ہونے لگی، اب تک دن بھر پڑے پڑے خراٹے لیتے تھے گھر مین کوئی آئے کوئی جائے ان سے مطلب تھا نہ سروکار۔ مشکل سے دو چار دفعہ بازار جانا پڑتا اب آٹھون پہر کی دہونس ہوگئی، کبھی پان لگانے کا حکم ہوتا۔ کبھی پانی لانے کا کبھی برف لانے کا کبھی تمبا کو بھرنے کا حقہ تو کسی اجلے عاشق کی طرح ہر دم گرم رہتا تھا۔ سب جاجا کر بیگم صاحبہ سے کہتے، حضور میان کا شطرنج تو ہمارے جی کا جنجال ہوگیا۔ دن بھر دوڑتے دوڑتے پیرون مین چھالے پڑے جاتے ہین۔ یہ بھی کوئی کھیل ہے کہ صبح کو بیٹھے تو شام کردی، گھڑی دو گھڑی کھیل لیا چلو چھٹی ہوئی اور پھر حضور تو جانتی ہین کہ کتنا منوس کھیل ہے جسے اسکی چاٹ پڑجاتی ہے کبھی نہین پنپتا۔ گھر پر کوئی نہ کوئی آفت ضرور آتی ہے یہانتک کہ ایک کے پیچھے محلے کے محلے تباہ ہوتے دیکھے گئے ہین۔ محلہ والے ہر دم ہمین لوگون کو ٹوکا کرتے ہین شرم سے گڑجانا پڑتا ہے۔ بیگم صاحبہ کہتین مجھے تو یہ کھیل خود ایک آنکھ نہین بھاتا۔ پر کرون کیا؟ میرا کیا بس ہے؟

محلہ مین جو دوچار بڑے بوڑھے آدمی تھے وہ طرح طرح کی بدگمانیان کرنے لگے۔ اب خیریت نہین ہے۔ جب ہمارے رئیسون کا یہ حال ہے تو ملک کا خدا ہی حافظ ہے۔ یہ سلطنت شطرنج کے ہاتھون تباہ ہوگی۔ لچھن برے ہین۔

ملک مین واویلا مچا ہوا تھا۔ رعایا دن دہاڑے لٹتی تھی پر کوئی اسکی فریاد سننے والا نہ تھا۔ دیہاتون کی ساری دولت لکھنؤ مین کھنچی چلی آتی تھی، اور یہان سامان عیش کے بہم پہنچانے مین صرف ہوجاتی تھی۔ بھانڈ۔ نقال۔ کتھک، ارباب نشاط کی گرم بازاری تھی۔ ساقیون کی دوکانون

پڑا شرفیان برستی تھین۔ رئیس زادے ایک ایک دم کی ایک ایک اشرفی پھینک دیتے تھے۔ مصارف کا یہ حال اور انگریزی کمپنی کا قرضہ روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔ اسکی ادائگی کی کسی کو فکر تھی یہا تک کہ سالانہ خراج بھی نہ ادا ہو سکتا تھا رزیڈنٹ بار بار تاکیدی خطوط لکھتا۔ دھمکیان دیتا۔ مگر یہان لوگون پر نفس پروری کا نشہ سوار تھا۔ کسی کے کانون پر جون نہ رنگتی تھی۔

خیر میر صاحب کے دیوانخانے مین شطرنج ہوتے کئی مہینے گذر گئے نت نئے نئے نقشے حل کئے جاتے نئے نئے قلعے تعمیر ہوتے اور مسمار کئے جاتے کبھی کبھی کھیلتے کھیلتے آپس مین جھڑپ ہو جاتی تو تو مین مین کی نوبت پہنچ جاتی پر یہ شکر رنجیان بہت جلد رفع ہو جاتی تھین کبھی ایسا بھی ہوتا مرزاجی روٹھکر اپنے گھر چلے جاتے میر صاحب بساط اُٹھا کر اپنے گھر مین آبیٹھتے اور قسمین کھاتے کہ اب کبھی شطرنج کے نزدیک نہ جائینگے مگر صبح ہوتے ہی دونون دوست پھر ل بیٹھتے۔

نیند ساری بدمزگیون کو دور کر دیتی تھی۔

ایک دن دونون احباب بیٹھے شطرنج کے دلدل مین غوطے کھا رہے تھے کہ شاہی رسالہ کا ایک سوار وردی پہنے اسلحہ سے لیس میر صاحب کا نام پوچھتا آپہونچا میر صاحب کے ہوش اوڑھ گئے اوسان خطا ہو گئے خدا جانے کیا بلا سر پر آئی۔ گھر کے دروازے بند کر لیے اور نوکرون سے کہا کہدو گھر مین نہین ہین،

سوار نے پوچھا، گھر مین نہین ہین تو کہان ہین، کہین چھپے بیٹھے ہونگے!

خدمتگار۔ یہ مین نہین جانتا۔ گھر مین سے یہی جواب ملا ہے۔ کیا کام ہے؟

سوار۔ کام تجھے کیا بتاؤن حضور مین طلبی ہے۔ شاید فوج کے لیے کچھ سپاہی مانگے گئے ہین۔ جاگیردار ہین کہ مذاق ہے۔

خدمتگار۔ اچھا تو تشریف لیجایئے۔ کہدیا جائے گا۔

سوار۔ کہنے سننے کی بات نہین ہے۔ مین کل فوراً آؤن گا، اور تلاش کر کے لیجاؤن گا۔ اپنے ہمراہ حاضر کرنے کا حکم ہوا ہے۔

سوار تو چلا گیا۔ میر صاحب کی روح فنا ہو گئی۔ کانپتے ہوئے مرزاجی سے بولے، اب کیا ہوگا؟

مرزا "بڑی مصیبت ہے کہیں میر صاحب کی طلبی بھی نہ ہو"

میر "کمبخت کل پھر آنے کو کہہ گیا ہے"

مرزا "قہر آسمانی ہے اور کیا۔ کہیں سپاہیوں کی مانگ ہوئی تو بن موت مرے، یہاں تو جنگ کا نام سنتے ہی تپ چڑھ آتی ہے۔

میر "یہاں تو آج سے دانہ پانی حرام سمجھئے۔

مرزا "بس یہی تدبیر ہے کہ اُس سے ملئے ہی نہیں، دونوں آدمی غائب ہو جائیں سارا شہر چھانتا پھرے۔ کل سے گومتی پار کسی ویرانے میں نقشہ جمے۔ وہاں کسے خبر ہو گی حضرت آکر اپنا سا منھ لیکر لوٹ جائیں گے۔

میر "بس بس آپ کو خوب سوجھی۔ واللہ کل سے گومتی پار کی ٹھہرے"!

ادھر بیگم صاحبہ سوار سے کہہ رہی تھیں تمنے خوب بہروپ بھرا، اُسنے جواب دیا۔ ایسے گاؤدیوں کو تو چٹکیوں پر نچاتا ہوں۔ انکی ساری عقل اور ہمت تو شطرنج نے چر لی، اب دیکھ لینا جو کبھی بھول کر بھی گھر رہے، صبح کا گیا پہر رات کو آئیگا۔

(۵)

اُس دن سے دونوں دوست منھ اندھیرے گھر سے نکل کھڑے ہوتے اور بغل میں ایک چھوٹی سی دری دبائے ڈبے میں گلوریاں بھرے، گومتی پار ایک پرانی ویران مسجد میں جا بیٹھتے جو شاید عہد مغلیہ کی یادگار تھی۔ راستہ میں چلم تمباکو، مدریلے لیتے، اور مسجد میں پہونچ۔ دری بچھی۔ حقہ بھر کر بساط پر جا بیٹھتے۔ پھر انھیں دین و دنیا کی فکر نہ رہتی تھی۔ "کشت، شہ، پیٹ لیا" ان الفاظ کے سوا ان کے منھ سے اور کوئی کلمہ نہ نکلتا۔ کوئی جالکش بھی اتنے استغراق کی حالت میں نہ بیٹھتا ہوگا دوپہر کو جب بھوک معلوم ہوتی تو دونوں حضرت گلیوں میں ہوتے ہوئے کسی نانبائی کی دوکان پر کھانا کھا لیتے، اور ایک چلم حقہ پی کر پھر مو شطرنج بازی کبھی کبھی تو انھیں کھانے کی سدھ بھی نہ رہتی تھی۔

ادھر ملک میں سیاسی پیچیدگیاں روز بروز پیچیدہ تر ہوتی جاتی تھیں کمپنی کی فوجیں لکھنؤ کی طرف بڑھی چلی آتی تھیں شہر میں ہلچل مچا ہوا تھا۔ لوگ اپنے اپنے بال بچوں کو لیکر دیہاتوں

مین بھاگے جار ہے تھے۔ پر ہمارے دونون شطرنج باز دوستون کو غم وزد اور غم کالا سے کوئی واسطہ نہ تھا وہ گھر سے چلتے تو گلیون مین ہو جاتے کہ کہین کسیکی نگاہ نہ پڑ جائے محلے والون کو بھی ان کی صورت نہ دکھائی دیتی تھی، یہانتک کہ انگریزی فوجین لکھنو کے قریب پہنچ گئین۔

ایک دن دونون حباب بیٹھے بازی کھیل رہے تھے، میر صاحب کی بازی کچھ کمزور تھی مرزا صاحب انکو کشت پر کشت دے رہے تھے کہ دفعتاً کمپنی کی فوج سامنے کی سڑک پر سے آتی ہوئی دکھائی دی، کمپنی نے لکھنو پر تصرف کرنیکا فیصلہ کر لیا تھا، قرض کی علت مین سلطنت ہضم کر لینا چاہتی تھی وہی مہاجنی چال تھی جس سے آج ساری کمزور قومین پا بہ زنجیر ہو رہی ہین۔

میر صاحب۔ "انگریزی فوجین آرہی ہین۔"

مرزا۔ "آنے دیجئے، کشت بچائیے۔ یہ کشت"!

میر۔ ذرا دیکھنا چاہیے، آڑ سے دیکھین، کیسے قوی ہیکل جوان ہین۔ دیکھکر سینہ تھرا تا ہے۔

مرزا۔ دیکھ لیجئے گا، کیا جلدی ہے۔ پھر کشت۔

میر۔ توپ خانہ بھی ہے، کوئی پانچہزار آدمی ہونگے، سرخ چہرہ جیسے لال بندر۔

مرزا۔ جناب حیلے نہ کیجیے یہ کشت،

میر۔ آپ بھی عجیب آدمی ہین، خیال تو کیجیے شہر کا محاصرہ ہو گیا تو گھر کیسے چلین گے۔

مرزا۔ جب گھر چلنے کا وقت آئے گا تو دیکھی جائیگی۔ یہ کشت اور مات،

فوج نکلگئی یارون نے دوسری بازی بچھادی۔ مرزا جی بولے آج کھانے کی کیسی رہیگی؟

میر۔ آج روزہ ہے کیا آپ کو زیادہ بھوکھ لگی ہے۔

مرزا۔ جی نہین، شہر مین نہ معلوم کیا ہو رہا ہوگا؟

میر۔ شہر مین کچھ نہ ہو رہا ہوگا۔ لوگ کھانے سے فارغ ہو کر آرام کر رہے ہونگے، حضور جہانعالم بھی استراحت فرماتے ہونگے، یا شاید ساغر کا دور چل رہا ہو۔

ابکی دونون دوست کھیلنے بیٹھے تو تین بج گئے، ابکی مرزا جی کی بازی کمزور تھی، اس اثنا مین

فوج کی واپسی کی آہٹ ملی، نواب واجد علیشاہ معزول کر دیئے گئے تھے اور فوج انھیں گرفتار کئے لیے جاتی تھی، شہر میں کوئی ہنگامہ نہوا، نہ کشت و خون ہیا، تک کہ کسی جانباز نے ایک قطرہ خون بھی نہ بہایا، نواب گھر سے اس طرح رخصت ہوتے جیسے لڑکی روتی ہٹتی سسرال جاتی ہے، بیگمیں روئیں، نواب روئے، مامائیں مغلانیاں روئیں اور بس سلطنت کا خاتمہ ہو گیا ازل سے کسی ملک میں کسی بادشاہ کی معزولی اتنی صلح آمیز اتنی بے ضرر نہوئی ہوگی، کم از کم تاریخ میں اسکی نظیر نہیں، یہ وہ اہنسا نہ تھی جسپر ملائک خوش ہوتے ہیں، یہ وہ پست ہمتی، وہ نامردی تھی جسپر دیویاں روتی ہیں، لکھنو کا فرمانروا قیدی بنا چلا جاتا تھا، اور لکھنو عیش کی نیند میں مست تھا - یہ سیاسی زوال کی انتہائی حد تھی -

مرزا نے کہا - حضور عالی کو ظالموں نے قید کر لیا ہے -

میر - ہوگا - آپ کوئی قاضی ہیں - یہ لیجیے شہ -

مرزا - حضرت ذرا ٹھہریے، اسوقت بازی کی طرف طبیعت نہیں مائل ہوتی حضور عالی خون کے آنسو روتے جاتے ہونگے، لکھنو کا چراغ آج گل ہو گیا،

میر رویا ہی چاہیں، یہ عیش قید فرنگ میں کہاں میسر - یہ شہ!

مرزا - کسی کے دن ہمیشہ برابر نہیں جاتے - کتنی سخت مصیبت ہے، بلائے آسمانی -

میر - ہاں ہے ہی، پھر کشت - بس دوسری کشت میں مات ہے، بچ نہیں سکتے -

مرزا - آپ بڑے بے درد ہیں واللہ ایسا حادثہ جانکاہ دیکھکر آپ کو صدمہ نہیں ہوتا - ہائے حضور جانعالم اب کمال کا کوئی قدردان نرہا، لکھنو بھی ویران ہو گیا -

میر - پہلے اپنے بادشاہ کی جان بچائیے پھر حضور پرنور کا ماتم کیجیے گا - یہ کشت اور مات - لانا ہاتھ

نواب کو لیے ہوئے فوج سامنے سے نکل گئی، ان کے جاتے ہی مرزا جی نے نئی بازی بچھادی ہار کی چوٹ بری ہوتی ہے، میر صاحب نے کہا آئیے نواب صاحب کی حالت زار پر ایک مرثیہ کہہ ڈالیں، لیکن مرزا جی کی وفاداری اور اطاعت شعاری اپنی ہار کے ساتھ غائب ہو گئی تھی - وہ شکست کا انتقام لینے کے لیے بے صبر ہو رہے تھے،

— ۴ —

شام ہوگئی مسجد کے کھنڈر مین چمگادڑون نے اذان دینا شروع کیا، ابابیلین اپنے اپنے گھونسلون سے چمٹ کر نماز مغرب ادا کرنے لگین، پر دونون کھلاڑی بازی پر ڈٹے ہوئے تھے، گویا دو خون کے پیاسے سورما موت کی بازی کھیل رہے ہون۔ مرزا جی متواتر تین بازیان ہار چکے تھے اور اس چوتھی بازی کا رنگ بھی اچھا نہ تھا وہ بار بار جیتنے کا مستقل ارادہ کرکے خوب سنبھل سنبھل کر، طبیعت پر خوب زور دے دیکر کھیلتے تھے لیکن ایک نہ ایک چال ایسی خراب پڑ جاتی تھی کہ ساری بازی بگڑ جاتی، ادھر میر صاحب غزلین پڑھتے تھے ٹھمریان گاتے تھے چٹکیان لیتے تھے، آوازے کستے تھے، ضلع اور جگت مین کمال دکھاتے تھے ایسے خوش تھے گویا کوئی دفینہ ہاتھ آگیا ہے، مرزا صاحب ان کی یہ خوش فعلیان سن سن کر جھنجھلاتے تھے اور بار بار تیوری چڑھا کر کہتے آپ چال نہ تبدیل کیا کیجیے۔ کیا کہ چال چلے اور فوراً بدل دی جو کچھ کرنا ہو ایکبار خوب غور کرکے کیجیے۔ جناب آپ میرے مہرے پر انگلی کیون رکھے رہتے ہین مہرے کو بے لاگ چھوڑ دیا کیجیے، جبتک دل مین چال کا فیصلہ نہ ہو جائے مہرہ کو ہاتھ نہ لگایا کیجیے، حضرت آپ ایک ایک چال آدھ آدھ گھنٹے مین کیون چلتے ہین۔ اسکی سند نہین جسکی ایک چال مین پانچ منٹ سے زیادہ لگین اسکی مات سمجھی جائے، پھر آپنے چال بدلی؟ مہرہ وہین رکھدیجیے۔

میر صاحب کا فرزی پٹا جاتا تھا، بولے مین نے چال چلی کب تھی؟

مرزا۔ آپ کی چال ہو چکی ہے۔ خیریت اسی مین ہے کہ مہرہ اسی گھر مین رکھدیجیے،

میر۔ اس گھر مین کیون رکھون؟ مین نے مہرے کو ہاتھ سے چھوڑا کب تھا؟

مرزا۔ آپ قیامت تک مہرے کو نہ چھوڑین تو کیا چال ہی نہوگی۔ فرزی پٹتے دیکھا تو دھاندلی کرنے لگے۔

میر۔ دھاندلی آپ کرتے ہین ہار جیت تقدیر سے ہوتی ہے، دھاندلی کرنے سے کوئی نہین جیتا۔

مرزا۔ یہ بازی آپ کی مات ہوگئی۔

میر۔ میری مات کیون ہونے لگی؟

مرزا - تو آپ مہربان اُسی گھر مین رکھدیجے جہان پہلے رکھا تھا۔
میر - وہان کیون رکھون، نہین رکھتا۔
مرزا - آپ کو رکھنا پڑیگا۔
میر - ہرگز نہین -
مرزا - رکھین گے تو آپ کے فرشتے - آپکی حقیقت ہی کیا ہے -

بات بڑھ گئی - دونون اپنی ٹیک کے دھنی تھے، نہ یہ دبتا تھا نہ وہ - تکرار مین لا محالہ غیر متعلق باتین ہونے لگتی ہین جنکا منشا ذلیل اور خفیف کرنا ہوتا ہے، مرزا جی نے فرمایا، اگر خاندان مین کسی نے شطرنج کھیلا ہوتا تو آپ آئین اور قاعدے سے واقف ہوتے، وہ ہمیشہ گھانس چھیلا کئے آپ کیا کھاکر شطرنج کھیلئے گا - ریاست شے دیگر ہے، جاگیر ملجانے سے کوئی رئیس نہین ہو جاتا -

میر - گھانس آپکے ابا جان چھیلتے ہونگے، یہان تو شطرنج کھیلتے پیڑھیان اور پشتین گذر گئین۔

مرزا - اجی جایئے، نواب غازی الدین کے یہان باورچی گری کرتے کرتے عمر گذر گئی - اس طفیل مین جاگیر پاگئے، آج رئیس بننے کا شوق چرایا ہے، رئیس بننا دل لگی نہین ہی -

میر - کیون اپنے بزرگون کے منھ مین کالکھ لگارہے ہو - وہی باورچی رہے ہونگے ہمارے بزرگ تو نواب کے دسترخوان پر بیٹھتے تھے ہم نوالہ وہم پیالہ تھے -

مرزا - بیحیاؤن کو شرم بھی نہین آتی،

میر - زبان سنبھالیے ورنہ برا ہوگا - یہان ایسی باتین سننے کے عادی نہین ہین، کسی نے آنکھ دکھائی اور ہمنے دیا تلا ہوا ہاتھ - بھنڈار کھلگیا ہے،

مرزا - آپ ہمارے حوصلے دیکھین گے تو سنبھل جایئے - تقدیر آزمائی ہو جائے ادھر یا اودھر -

میر - ہان ہان آجاؤ تمسے دبتا کون ہے -

دونون دوستون نے کمر سے تلوارین نکال لین - او نے والے بھی کٹار خنجر

پیش قبض شیر بچہ باندھتے تھے، دونون عیش کے بندے تھے مگر بے غیرت نہ تھے۔ قومی دلیری ان مین عنقا تھی مگر ذاتی دلیری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ان کے سیاسی جذبات فنا ہو گئے تھے۔ بادشاہ کے لیے سلطنت کے لیے قوم کے لیے کیون مرین؟ کیون اپنی میٹھی نیند مین خلل ڈالین مگر انفرادی جذبات مین مطلق خوف نہ تھا بلکہ وہ قوی تر ہو گئے تھے۔ دونون نے پیترے بدلے لکڑی اور گتکہ کھیلے ہوئے تھے تلوارین چمکین۔ چھپا چھپ کی آواز آئی، اور دونون زخم کھا کر گر پڑے، دونون نے وہین تڑپ تڑپ کر جان دیدی، اپنے بادشاہ کے لیے جن کی آنکھون سے ایک بوند آنسو کی نہ گری۔ انھین دونون آدمیون نے شطرنج کے وزیر کے لیے اپنی گردنین کٹا دین۔

اندھیرا ہو گیا تھا بازی بچھی ہوئی تھی دونون بادشاہ اپنے اپنے تخت پر رونق افروز تھے ان پر حسرت چھائی ہوئی تھی۔ گویا مقتولین کی موت کا ماتم کر رہے ہین۔

چارون طرف سناٹے کا عالم تھا۔ کھنڈر کی بوسیدہ دیوارین اور خستہ حال کنگرے اور سر بسجود مینار ان لاشون کو دیکھتے تھے اور انسانی زندگی کی بے ثباتی پر افسوس کرتے تھے جسمین سنگ و خشت کا ثبات بھی نہین۔

پریم چند

---

# جذبات صفی

جوانی یاد کر کے آنکھ مین آنسو بھر آتے ہین — طلوع صبح پیری ہی ستارے جھلملاتے ہین
نگار شوخ اے عہد جوانی بے وفا ظالم — ذرا تو بھی تو سن تیرا ہی افسانہ سناتے ہین
مری اختر شماری پر ستارونکو یہ کیا سوجھی — کبھی آنکھین چراتے ہین کبھی آنکھین دکھاتے ہین
نہ دانہ خاک مین ملتا نہ پاتا اوج سر سبزی — ابھرتے ہین وہی اک دن جو اپنے کو دباتے ہین
نہ پوچھ اے ہمنشین مجھسے مرے آثار ہستی کو — بہت کچھ مٹ چکے باقی ہین جو کچھ مٹتے جاتے ہین
مری حسرت بھری نظرین کہانتک جائزہ دینگی — دم آخر صفی ارمان دل یاد آتے جاتے ہین

(صفی)

مسٹر مانٹیگو کی قبل از وقت وفات نے سارے ہندوستان کو ایک ماتمکدہ بنا رکھا ہے. مرحوم نے اپنی ہمدردی اور خلوص سے اہل ہند کے دلون کو اس حد تک تسخیر کر لیا تھا کہ یکایک یہ باور نہین ہوتا تھا کہ ان کے دیرینہ تعلقات اور رسم الفت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا برطانوی مدبران مین سے شاید ہی کسی شخص نے مسٹر مانٹیگو کے برابر اپنے آپکو ہندوستان کی محبت اور شکریہ کا مستحق ثابت کیا ہو، یہی وجہ ہے کہ آج ہندوستان کا ذرہ ذرہ مرحوم کی وفات پر ایک دل دردمند کی طرح وقفِ ماتم ہے۔

آپ کی ذہانت اور قابلیت کا اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ صرف ۲۶ برس کی عمر مین آپ پارلیمنٹ کی ممبری کے لئے منتخب ہوئے اور فوراً ہی مسٹر ایسکویتھ نے آپ کو اپنا پارلیمنٹری پرائیوٹ سکریٹری مقرر کیا چند ہی سال بعد جبکہ آپ کی عمر صرف اکتیس سال کی تھی سنہ ۱۹۱۰ء مین آپ نائب وزیر ہند کے ذمہ دار عہدے پر ممتاز کئے گئے، لارڈ مارلے اسوقت وزیر ہند تھے - لارڈ موصوف کی وسیع الخیالی اور بلند نظری کا چرچا تو ہر چہار طرف تھا ہی مگر ان کی ان خوبیون نے مسٹر مانٹیگو کے دل پر بھی اپنا پورا اثر جما دیا اور آپ کی پہلی بجٹ اسپیچ ہی نے اہل ہند کو یقین دلا دیا کہ ان کے ملک کی حکومت کی باگ ایک ایسے شخص کے ہاتھون مین ہے جو اسکا اہل ہے، آپ کی تقریرین اسبات کا بین ثبوت ہین کہ آپ ہندوستان کے قومی جذبات سے ہمدردی رکھتے تھے اور کسی مسئلہ پر محض سرسری نظر ڈالکر کوئی فیصلہ نہین کرنا چاہتے تھے بلکہ تحقیق اور انصاف آپ کا دستور تھا، اور جو قوم آپ کے سپرد کی گئی تھی اسکی بہبودی آپ کو بہت زیادہ مد نظر تھی جب آپ نائب وزیر ہند

ہی کی کرسی پر زینت افروز تھے، اسوقت آپ کے دل مین یہ خیال پیدا ہوا کہ ہندوستان کی سیر کرکے معاملات ہند کے متعلق معلومات مین اضافہ کیا جائے۔ چنانچہ آپ ۱۹۱۲ء مین ہندوستان تشریف لائے اور ہندوستان کے ملکی مسائل کے متعلق جو دلچسپی آپنے ظاہر فرمائی اس سے اہل ہند آپ کے گرویدہ ہوگئے اور ۱۹۱۴ء مین جب آپنے اپنی خدمات دوسرے محکمہ کے سپرد کین اور آپ کو انڈیا آفس چھوڑنا پڑا، اس دوران مین بھی آپ نے اپنے فرائض اس حسن و خوبی سے انجام دیئے کہ سیاسی حلقہ مین آپ خاص عزت و توقیر کی نگاہون سے دیکھے جانے لگے اور زمانہ جنگ مین وزیر اسلحہ کا ذمہ دار عہدہ آپ کے سپرد کیا گیا۔

۱۹۱۷ء مین جبکہ مسٹر لائڈ جارج کی وزارت قائم ہوئی تو مسٹر مانٹیگو وزیر ہند مقرر کئے گئے اور اس عہدے پر ۱۹۲۲ء تک قائم رہے، اس پانچ سال کے عرصہ مین مسٹر مانٹیگو نے جو نام اور شہرت بحیثیت ایک قابل مدبر کے پیدا کر لیا تھا اسکا اندازہ آہون کی اس طوفان سے ہو سکتا ہے جو آپ کی وفات نے ہندوستان مین برپا کر رکھا ہے، ہندوستان کے آئین کو ناکارہ و بیکار آپ پہلے ہی سے قرار دے چکے تھے، اور اب تہ دل سے چاہتے تھے کہ نظام حکومت مین ایسی تبدیلی پیدا کیجاوے کہ سیاست ہند کی مشین بجائے اسکے کہ ایک زنگ آلودہ پرزون کا ڈھیر ہو ایک چلتی پھرتی متحرک شے دکھلائی دے، چنانچہ سب سے پہلا کام جو آپنے ہندوستان کی حکومت اپنے ہاتھ مین لینے کے بعد کیا وہ ۲۰ اگست ۱۹۱۷ء کا اعلان تھا جسکا منشا یہ تھا کہ برطانوی حکومت کی پالیسی حکومت ہند کیطرف سے کہ آہستہ آہستہ ہندوستان مین ذمہ دار حکومت قائم کیجاوے گو اس پالیسی پر غور و خوض مسٹر آسٹن چمبرلین کے زمانہ ہی سے ہو رہا تھا اور اعلان مذکور کے مدارج ایک حد تک طے ہو چکے تھے لیکن اسکو موجودہ شکل و صورت عطا کرنے کا سہرا مسٹر مانٹیگو کے سر رہا، اس اعلان نے ہندوستان کی ملکی جد و جہد مین ایک روح تازہ پیدا کر دی، انگو اصلاحات بعد از جنگ کا مطالبہ اہل ہند پہلے ہی سے زور و شور کے ساتھ کر رہے تھے اور لکھنو کانگریس ان اصلاحات کو خاص تجاویز کی شکل مین پبلک کے سامنے پہلے ہی سے پیش کر چکی تھی، ان مطالبات کا اثر بلحاظ تبدیلی اختیارات کتنا ہی کیون نہو آئینی حیثیت سے انکی کوئی

اصولی تبدیلی شامل نہ تھی، اور یہ ظاہر ہے کہ آخر کار کانگریسی مطالبات پر بھی کسی وقت اضافہ کرنا ہی پڑتا، اِس لحاظ سے ۱۷ء کا اعلان ہندوستان کے لیے ایک نیک فال تھا اور اسکے لیے مسٹر مانٹیگو اہل ہند کے شکریہ کے پورے طور پر مستحق تھے،

اس اعلان کا قابل افسوس پہلو بھی تھا جسنے اہل ہند کے دلون مین ایک گونہ بیچینی پیدا کر رکھی تھی مگر اسکے لیے ہم مسٹر مانٹیگو ہی پر الزام نہین دے سکتے مسٹر مانٹیگو آخر کار اُسی جماعت کے ممبر تھے جو آئین ہند مین درستی کے قائل ہی نہین اور نہ اس کا ہاتھ کبھی اصلاح کی طرف اُٹھتا ہے. اس جماعت کا دل بھی تو مسٹر مانٹیگو کو اپنے ہاتھ مین لیے رہنا ضروری تھا. اعلان مذکورہ کے بعد آپ ہندوستان تشریف لائے اور اصلاحات کے متعلق تمام رایون کو اکٹھا کرکے آپنے لارڈ چمسفورڈ کیساتھ اصلاحی اسکیم کی رپورٹ شایع کی وہ رپورٹ باوجود اپنی خامیون کے ہندوستان کی آئینی تاریخ مین ایک شاندار باب رہے گی تنگ خیال فرقہ کا لحاظ کرتے ہوئے اور اپنی رائے کے مطابق شان حکومت کے قیام و استحکام کا خیال رکھتے ہوئے آپ نے ہندوستانی جذبات کے مطابق اصلاحی تبدیلی پیدا کرنے کی انتہائی کوشش کی، اس رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ اصلاحات ہند مین مرحوم کو کسقدر گہری دلچسپی تھی - اور کس تندہی اور جانفشانی سے انھون نے اس مشن کو پورا کیا ان تجاویز کو جو آپ نے مذکورہ بالا رپورٹ مین پیش کی ہین. گورنمنٹ آف ایکٹ کی شکل مین لانے اور ان کو ہندوستان مین واقعی طور پر قابل عمل بنانیکے لیے جس حسن و خوبی کیساتھ آپنے پارلیمنٹ مین کام کیا اس سے ظاہر ہے کہ آپ اعلےٰ پیمانہ کے مدبر تھے اور لبرل پارٹی کے ان سربرآوردہ ارکان مین سے تھے جو اپنی آزاد خیالی محض زبان ہی تک محدود نہین رکھتے بلکہ اسکو عمل مین لانے کی ان تھک کوششین کرنے پر آمادہ رہتے ہین۔

مارچ ۲۲ء مین اہل ہند کی بدقسمتی سے آپکا شاندار عہد حکومت اختتام کو پہنچگیا آپکے عہدۂ وزارت سے مستعفی ہونیکے واقعات اہل ہند کے دلونمین ابھی تازہ ہین،

یہان ان کے اعادہ کی ضرورت نہین ، وزارت کی متحدہ ذمہ داری کے اصول کو ضرر پہونچانے کے الزام پر آپ کو وزارت سے علیحدہ ہونے پر مجبور کیا گیا اور اسطرح پر ایک ایسے عہد و حکومت کا خاتمہ کر دیا گیا جو ہندوستان و انگلستان دونون کے لیے باعث فخر تھا ہندوستان کے ساتھ منصفانہ برتاؤ روا رکھنے مین آپ کو نہ صرف اہل ہند کی طمانیت ہی مدنظر تھی بلکہ سلطنت برطانیہ کے استحکام کا راز پوشیدہ تھا - آپ نے اپنے عہدے سے مستعفی ہونے کے بعد ایک تقریر مین فرمایا تھا کہ "مجھے یقین ہے کہ جو پالیسی مین نے ہندوستان کے ساتھ روا رکھی ہے وہ صرف مناسب ہی نہین بلکہ ہندوستان کی بہتری کے لیے ضروری ہے اور مجھے اعتقاد کامل ہے کہ وہ پالیسی کامیاب ہونا چاہیے اور مجھے افسوس ہے کہ اس پالیسی کے ساتھ مجھے کوئی مزید تعلق باقی نہ رہیگا"!

معمولی طور پر یہ امید کیجا سکتی تھی کہ ہندوستان کے ساتھ آپ کی ہمدردی اور نیک نفسی کی گل فشانیان عرصہ تک قایم رہین گی، وفات کے وقت آپ کی عمر صرف ۴۵ سال کی تھی، اس عمر مین اکثر بڑے بڑے لیڈرون کی پبلک لائف کی ابتدا بھی نہین ہوئی، لارڈ مارلے سابق وزیر ہند جنکے انتقال کو ابھی دو سال بھی نہین ہوئے اس عمر مین پارلیمنٹ کے ممبر پہلی مرتبہ منتخب ہوئے تھے - انگلستان مین بہ نسبت ہندوستان کے عام طور پر دماغی کام کرنیوالون کی عمرین زیادہ ہوا کرتی ہین - اور جس عمر مین ہندوستان مین انسان عام طور پر محنت اور جفاکشی کا سلسلہ چھوڑنے پر آمادہ ہوتا ہے اس عمر مین انگریز عام طور پر انتہائی دماغی محنت برداشت کرنے کے عادی ہوا کرتے ہین - اس خیال سے یہ ہرگز نہین کہا جا سکتا تھا کہ مرحوم کی پبلک زندگی کا پیمانہ لبریز ہے بلکہ گذشتہ سے کہین زیادہ مفید اور شاندار کارنامون کی امید کیجا سکتی تھی مگر ہندوستان کی کم نصیبی کہ اسکا سچا دوست اس عمر مین صرف چار روز کی علالت کے بعد صیاد اجل کا شکار ہو گیا خدا ان کی مغفرت کرے اور ان کے پس ماندگان کو صبر عطا فرمائیے۔

انّنت پرشاد نگم

## کلیات شعلہ[۱]

منشی کرشن گوپال صاحب ورمابی اے رئیس علی گڑھ کلیات شعلہ کے جامع ہین، آپ نے اس مجموعہ مین شعلہ مرحوم کا، ہر قسم کا کلام جمع کر دیا ہے، شروع مین ایک زبردست دیباچہ لکھا ہے جسمین نہایت خوبی سے حضرت شعلہ کی محاسن شاعری اور حالات زندگی پر روشنی ڈالی ہے دیباچہ کے ساتھ شعلہ مرحوم کی تصویر بھی ہے۔

شعلہ مرحوم، منشی ہرگوپال تفتہ کے شاگرد تھے اور کبھی کبھی حضرت غالب مرحوم کی خدمت مین حاضری کا بھی شرف حاصل کر چکے تھے۔ طبیعت مین ندرت آفرینی زیادہ تھی، کلام مین کہین کہین غالب مرحوم کی جھلک نظر آتی ہے۔ ترکیبین بھی بعض بعض ایسی استعمال کرجاتے ہین جو کلام غالب کے لیے مخصوص سمجھی جاتی ہین، مثلاً

الجھکر رہگیین ساری رگین طرز طپیدہ مین  لپٹ کر تیغ پھندا پڑ گیا بسمل کی گردن مین

کلام عموماً صاف اور دلکش ہے ہر غزل مین دو تین شعر ایسے ہوتے ہین کہ پوری غزل کا لطف آجاتا ہے۔ مثلاً

مین وہ کشت نامرادی ہون زمانہ مین کہ ہے  برق خرمن سوز کا مشتاق ہر دانہ مرا

بگاڑ رشک عدو کا داغ ناحق جان مضطر مین  تجھی پر کاش مرجاتے جو مرنا تھا مقدر مین

مرنا قبول جوش جنون مین مگر مجھے  لپٹا رہے گا مردے کی صورت کفن مین کو

آخر تو انکسار و ندامت مین فرق ہے  میری طرح سے غیر کی گردن بھی خم سہی

کیا زیست دور وزہ کے لیے آئے عدم سے  اس جینے مین مرنے کا بھی سامان نہین ہوتا

---

[۱] ملنے کا پتہ منشی کرشن گوپال ورمابی اے رئیس علیگڈھ قیمت معمولی اڈیشن عہ خاص اڈیشن عہ۱۱ ۔

خونبہا لینا اگر چاہے کشاکش سے نہ ڈر / لاکھ جھٹکے اے اجل پر دامن قاتل پکڑ

مرگ کو بھی وصل کہتے ہیں تو اسکا کیا علاج / اے غم فرقت مجھے مرنے کے بھی قابل نہ چھوڑ

ادساقی بدمست یہ کیسا ہے تغافل / ہم بھی ہیں تری بزم میں تھوڑی سی ادہر بھی

کلام کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شعلہ مرحوم تشبیہات و استعارات کے بھی دلدادہ تھے، شعرا متاخرین عموماً اور شعرا لکھنو خصوصاً اس صنعت کو جان شاعری سمجھتے تھے۔ چنانچہ جناب شعلہ بھی اس ہمہ گیر اثر سے کورے نہ بچے۔ جن غزلوں یا شعروں میں اُستاد کا اتباع کیا ہے فصاحت و بلاغت کے موتی لٹا دیے ہیں لیکن جہاں تشبیہات اور بیجا بلند پروازیوں پر طبیعت آئی ہے، لطافت شعری سلام کر کے رخصت ہو گئی ہے۔ مثلاً

دو ابروؤں کے بیچ میں قشقہ نہیں کھنچا / کافر نے جلائی در کعبہ پہ مگر شمع

پروانہ کے لیے بھی اگر حکم قتل ہو / پیدا مثال شمع ہو سر پر زبان تیغ

پردہ داری میں تمہارے کتنے رخنے پڑ گئے / پردۂ کمخواب جالی کا دوپٹہ ہو گیا

جب اشک سوئے چرخ چہارم نکل گئے / تھا قہقہہ کہ حضرت عیسےٰ پھسل گئے

کلام میں کہیں کہیں لفظی غلطیاں بھی رہ گئی ہیں۔ مثلاً

دم ذبح نہ پوچھو گرمیٔ بیتابیٔ بسمل / کبھی گردن تھی خنجر پر کہیں خنجر تھا گردن پر

جناب شعلہ نے 'ذبح' کی ح کو متحرک لکھا ہے، حالانکہ ساکن ہونا چاہیے۔

تلاش فکر لاحاصل سعی ہے / بہار عشق رنگ بیخودی ہے

سعی، بسکون عین درست ہے، لیکن اس قسم کی غلطیاں بہت ہی کم ہیں اور خوبیاں بہت زیادہ، جن کے مقابلے میں معمولی فروگذاشتوں کو کوئی وقعت نہ دیجا سکتی۔ اس کلیات میں قومی و مذہبی نظمیں اور مثنویاں شامل ہیں جو بلحاظ ادب و شاعری کچھ قبیح نہیں لیکن بلحاظ مفہوم کسی خاص وقت، یا کسی خاص فرقے سے تعلق رکھتی ہیں۔

اس کتاب کے تین حصہ ہیں پہلے حصے میں مذہبی نظمیں درج ہیں دوسرے حصے میں عاشقانہ غزلیں، اور ہوتی نظمیں درج ہیں تیسرے حصے میں قومی قصائد و نظمیں شامل ہیں ہر سہ حصہ کی مجموعہ ضخامت ۱۵۴۳ صفحہ کاغذ عمدہ، کتابت وطباعت دیدہ زیب۔

# مکاتیب امیر مینائی

امیر مینائی مرحوم کے خطوط کا دوسرا اڈیشن، مکاتیب امیر مینائی، کے نام سے دائرہ ادبیہ لکھنو نے شایع کیا ہے اشاعت اول مین یہ بات نہ تھی جو اشاعت جدید مین ہے۔ اسلئے کہ اسکی ترتیب و تدوین مین مولوی محبوب علی صاحب ناظم دائرہ ادبیہ کی تہذیب و خوش سلیقگی خاص طور پر شریک ہے بعض خطوط اور اصلاح کے نمونے، بڑھا دیئے گئے ہین، جس سے مکتوبات کی رونق دوبالا ہو گئی ہے۔

شروع مین جناب ثاقب (پروفیسر وکٹوریہ کالج گوالیار) نے امیر مینائی مرحوم کی سوانح عمری تحریر فرمائی ہے، اور موصوف کی شاعری پر ایک مبسوط تبصرہ کیا ہے۔ اسی سلسلہ مین داغ اور امیر کی شاعری پر بحث بھی کی ہے، اور دونون استادون کی شاعری کا سنجیدہ طریقہ سے تقابل کیا ہے، لیکن اس تقابل مین کہین بھی امیر مرحوم کی بیجا مدح سرائی یا داغ مرحوم کی اہانت کی جھلک نظر نہین آتی یہی وہ موقع ہے جہان شاگرد اپنے استاد کی طرفداری پر مجبور ہو جاتا ہے، مگر جناب ثاقب کی روشن خیالی نے انھین اس الزام سے بچالیا۔

اصلاحین خصوصیت سے قابل دید ہین جنکا مطالعہ دلدادگان شاعری کے لیے بہت ضروری ہے،

دنیائے ادب مین امیر مرحوم عموماً ایک شاعر کی حیثیت سے مشہور ہین لیکن خطوط کا مطالعہ بتاتا ہے کہ آپ ایک شاعر ہی نہ تھے بلکہ دنیائے ادب کے مائہ ناز انشاپرداز بھی تھے۔ یعنی نظم کی طرح نثر مین بھی درجۂ استادی حاصل تھا مولانا حسرت موہانی نے ذیل کی عبارت کے متعلق لکھا ہے کہ شاعرانہ نثر کی یہ پسندیدہ مثال ملاحظہ طلب ہے:

"اب جو تمنے اپنی ملاقات سے مسرور کرنے کا وعدہ کیا ہے، خدا تمہارے وعدہ کو پورا کرے جو تمہارا وعدہ ہے وہی میری تمنا ہے، اور اپنی تمنا کو پورا ہوتے مین نے بہت کم دیکھا ہے۔ اسلئے اس وعدے سے دلکو پوری خوشی نہین ہوسکتی"!

امیر مینائی مرحوم کے خطوط مین صرف انشا پردازی ہی کی شان نہین بلکہ ان مین

شعر و شاعری کے بعض اہم مسائل کی تحقیق و تنقید بھی موجود ہے جن کا مطالعہ ذوق شعر و سخن کے لیے بہت مفید ہے۔

آخر میں مشاہیر کی تقریظیں جو مکاتیب امیر مینائی کے پہلے اڈیشن پر لکھی گئی تھیں شامل کر دی گئی ہیں، جن میں مولانا حالی، مولانا شبلی، حضرت محسن کاکوروی، مولانا حسرت موہانی کے تبصرے خصوصیت سے قابل قدر ہیں، مولانا حسرت موہانی کے تبصرے کے بعد مکتوبات امیر پر کسی تنقید کی ضرورت نہیں رہتی آپ نے داغ اور امیر کی شاعری پر ایسا مدلل تبصرہ کیا ہے کہ باید و شاید۔

دائرہ ادبیہ لکھنؤ مستحق شکریہ ہے کہ اُسنے ایسے گرانبہا ادبی موتیوں کو نہایت عمدگی سے رشتہ اشاعت میں پرو کر بزم ادب میں نمایاں کر دیا اور ادائے شکریہ کا صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ قدر دانان اُردو، مکاتیب امیر مینائی کی قدر دانی فرما کر دائرہ ادبیہ کا حوصلہ بڑھائیں، کتابت و طباعت عمدہ، کاغذ معمولی، حجم ۴۰۴ صفحہ قیمت عہ/

ملنے کا پتہ، دائرہ ادبیہ لکھنؤ

## جولیس سیزر

شیکسپیر کے مشہور و معروف تاریخی ڈرامے کا اردو ترجمہ ہے اسکے مترجم جناب سید تفضل حسین صاحب ہیں۔

جناب مترجم نے ترجمہ کو سلیس اور بامحاورہ بنانیکی خاص کوشش کی ہے اور انصاف یہ ہے کہ اس کوشش میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں شروع میں جناب ہاشمی صاحب فریدآبادی کا مقدمہ اور آخر میں مترجم صاحب کیطرف سے ایک ضمیمہ شامل ہے اس ضمیمے میں ان اشخاص کی مختصر سوانحمری دیگئی ہے جو اس ڈرامے سے متعلق ہیں

کاغذ عمدہ کتابت و طباعت دیدہ زیب حجم ۱۲۴ صفحہ قیمت عہ/

ملنے کا پتہ۔ سید تفضل حسین صاحب ناظر مدارس درجہ اول، ضلع کریم نگر۔ حیدرآباد دکن

"اعظمی"

# ادبی رسالے

**درویش** (دہلی) ہمارے دوست ملا محمد الواحدی اُردو کی بڑی خدمت کر رہے ہین اور خوشی کی بات
ہے کہ خواجہ حسن نظامی صاحب کے فیض صحبت سے آپ درویش کے نام سے بڑی
تقطیع کا ایک دلچسپ پندرہ روزہ رسالہ دھوم دھام کے ساتھ شایع کر رہے ہین۔
آپکے دیگر رسالون کی طرح یرچہ بھی حضرت خواجہ صاحب کے زیر سرپرستی شایع ہوتا ہے اس
رسالہ مین ہر قسم کے ادبی مذہبی سیاسی مضامین ہوتے ہین۔ اور خواجہ صاحب
موصوف کا روزنامچہ بھی ہر نمبر کے ساتھ بالتزام شایع ہوتا ہے یہ روزنامچہ بجاے خود بہت
دلچسپ ہوتا ہے اور اس سے دین و دنیا دونون کے متعلق ناظرین بہت سے سبق
حاصل کر سکتے ہین۔ اس اعتبار سے اگر اس رسالے کو ہمارے مکرم خواجہ صاحب کا
خانگی بلیٹن کہا جاے تو کسی حد تک بیجا نہ ہوگا۔ اسکی قیمت سالانہ صرف عا۸ ہے۔ واحدی
صاحب کے زیر اہتمام رسالہ نظام المشائخ بھی برابر نکل رہا ہے۔
خواجہ حسن نظامی صاحب کو مختلف مذاہب کے پیرون کو اپنے حلقۂ مریدی مین داخل کرنے
کا ید طولا حاصل ہے ہر مذہب کی دلچسپی کے لیے آپ کے یہان کچھ نہ کچھ مسالہ موجود رہتا ہے۔
چنانچہ حال مین آپ کے "زیر مصلحت" لمنسا نظامی صاحب کے ملکیت اور لقائی نقشبندی
صاحب کے اڈیٹری مین سکھون ہندو مسلمانون عیسائیون کے لیے بھی **گروسیوک**
کے نام سے ایک مشترکہ رسالہ نکلنا شروع ہوا ہے۔ صرف آریہ سماجی حضرات کو خواجہ
صاحب نے اپنے دائرہ فیض سے خارج کر رکھا ہے باقی سب فرقون کی روحانی
تعلیم و تسکین کا انتظام فرما رہے ہین۔ اس رسالہ مین انواع و اقسام کے مضامین چھپتے

ہین نظمین بھی درج ہوتی ہین ستمبر کے پرچہ مین مہاراجہ کشن پرشاد صاحب کی ایک نظم خوب ہے ٹیٹل رنگین دیدہ زیب - رسالہ کی لکھائی چھپائی مین خواجہ صاحب کی نفاست پسند طبیعت کی جھلک موجود ہے، شایقین منیجر رسالہ گر دسیوک تراہا بہرام خان دہلی سے طلب فرمائین - قیمت ۶؎ سالانہ -

**سوز وساز** ان رسالون کے علاوہ ایک اور قابل قدر ادبی رسالہ سوز وساز نامی بھی ہمارے خواجہ صاحب کے ظل حمایت مین شایع ہوتا ہے - اسکے مرتب ملک الکلام حضرت قوی امروہوی ہین - اس رسالہ مین "ذکر معبود کے ساتھ" یاد بت طناز بھی ہے" اور مذہبی مضامین کے ساتھ ساتھ ہر قسم کے دلچسپ نظم ونثر مضامین شائع ہوتے ہین جولائی گذشتہ سے حضرت خواجہ صاحب کا رسالہ "پیر بھائی" بھی اسمین شامل کر دیا گیا ہے - یہ بھی بڑی تقطیع کے ۴۸ صفحات پر شائع ہورہا ہے - لکھائی چھپائی دیدہ زیب قیمت سالانہ للعہ شایقین ملک الکلام بک ڈپو دہلی سے طلب فرمائین -

**محسن الملک** یہ علمی، ادبی رسالہ بڑی تقطیع کے چار جز پر ماہ بماہ ریاست بھوپال سے شایع ہوتا ہے اسکے اڈیٹر جناب حامد سعید صاحب حامد بھوپالی ہین ٹائیٹل پر نواب جنرل حافظ محمد عبید اللہ خان صاحب بہادر فردوس مکان کی شبیہ مبارک ثبت ہے - قیمت سالانہ صہ ہمکو امید ہے کہ ریاست بھوپال کی علمی ترقی کے لیے یہ رسالہ بہت مفید ثابت ہوگا -

**ہند کاشتکار** یہ زرعی رسالہ ہر مہینے کوٹ مرزا غلام محی الدین بیگ ڈاکخانہ خانقاہ دوگران ضلع شیخوپورہ پنجاب سے شایع ہوتا ہے - اسکے اڈیٹر مرزا سلطان احمد بیگ صاحب ہین اسمین کاشتکاری اور زمینداری کے متعلق مفید معلومات شایع ہوتی رہتی ہین - قیمت سالانہ ۶؎ مذکورۂ بالا پتہ پر درخواست خریداری ارسال کیجیے -

# رازِ کامیابی

(۱)

اک خسرو دلاور عقل اپنی کھو رہا تھا
جنگ آزمائیون مین ناکام ہو رہا تھا
سر پر تھا تاج زرین دل مین تھا غم کا طوفان
بستر پر پڑ گیا وہ جی ہار کر پریشان

(۲)

کار اہم کا سودا سر مین یہ تھا سمایا
اک دھوم فتح کی ہو خوشحال ہو رعایا
تدبیرین کین ہزارون لیکن نہ کچھ بن آئی
درد و الم سے دل پر افسردگی سی چھائی

(۳)

ڈوبا تھا رنج و غم مین مایوس چپ پڑا تھا
درد نہان کی زندہ تصویر تھا سراپا
تھا فکر مین کرون کیا کیونکر مہم یہ سر ہو
دل نے کہا ہٹاؤ ممکن نہین کہ ور ہو

(۴)

عزم جدل سے جس دم باز آیا وہ دلاور
ناگاہ ایک مکڑی چھت سے گری زمین پر
باریک سوت کی اک انٹی چھپا کے لائی
تار شعاعی منہ سے اپنے اگلتی آئی

(۵)

جالا وہ تن رہی تھی سقف محل مین پنہان
سطح زمین تک آئی گرتی ہوئی ہراسان
آئی نظر جو اسکو افتاد حیرت افزا
سوچا کہ دیکھون مکڑی کرتی ہی کیا تماشا

(۶)

مشکل تھی راہ اسکی سیدھی فضا مین اوپر
تار نظر سے بڑھکر باریک اور سبک تر
جانا تھا دور اس کو رکھتی تھی عزم گھر کا
پکڑے ہوے تھی محکم باریک سوت اپنا

(۷)

آیا نہ یہ سمجھ مین اس خسرو جہان کے
جائے گی گھر کو واپس کسطرح وہ یہان سے
حب وطن تھی شامل مکڑی کے آب و گل مین
تھا جوش ولولون کا اٹھنے سے ایک دل مین

(۸)

لو اڑ نکلتی چلی وہ اونچی ہوئی فضا مین
تار نشان سے لپٹی لٹکی ہوئی ہوا مین
وہ چھوٹ کر وہان سے گرتی چلی زمین پر
آئی سرکتی نیچے جس جا تھی پھر وہین پر

(۹)

دم لیکے دوڑی سیدھی پھر خط زرفشاں پر
کرنے کا اپنے شکوہ لائی نہ وہ زباں پر
اوپر گئی ہوا مین اتنا کہ پھر گری وہ
تیورا کے کوئی ساعت بیدم پڑی رہی وہ

(۱۰)

آیا جو ہوش اُسکو دیوانہ وار دوڑی
جھکتی سنبھلتی رُکتی باحال زار دوڑی
پوشیدہ دل مین اُسکے تھا راز بیقراری
دو ہاتھ اور اونچی مکڑی گئی تمہاری

(۱۱)

وہ اضطراب اُس کا وہ سوز دل کا انداز
آئی زمین کی جانب گرتی ہوئی فسوں ساز
پھر جھومتی چلی وہ جانبازیاں دکھاتی
خلوت کو اپنے تکتی لہرائی تلملاتی

(۱۲)

جا کر فضا مین اونچی خم کھا کے پھر جھکی وہ
ٹھہری نہ ایک لحہ پھر دوڑی پھر گری وہ
خائف ہوئی نہ وہ لیکن گو منہ کی اُس نے کھائی
تھا جوش ولولونکا یا جذب کہربائی

(۱۳)

چھ بار گرتی آئی اس طرح جب فضا مین
اور جذب مرکزی سے حیران ہوئی دغا مین
پکڑی زمین اُس نے، سمجھایا یہ شاہ ذی جاہ
"مہمان ہے کوئی دم کی، مرجائے گی"، کہ ناگاہ

(۱۴)

لیکر پھریری دوڑی اک بار پھر ہوا پر
ہمت سے اپنی پہونچی جالے کے وہ قریں تر
اُٹھ بیٹھا شاہ محزوں چلایا "ہاں خبردار"
"کیا وقت ہے یہ نازک اے ننھی جان بیزار"

(۱۵)

ننھا سا جسم تولے جھولے پہ چرخ کھاتی
اوج ہوا پہ پہونچی وہ پینگ کو بڑھاتی
کرتب دکھا رہی تھی اک خط نقرئی پہ
یا کھیلتی تھی پتلی تار نظر پہ بڑھکر

(۱۶)

اونچی ہوئی یہانتک وہ رہرو ہوائی
لے دے کے رہگئی بس اک ہاتھ اونچائی
سنبھلی سنبھل کے تاکا ڈوری کو اک نظر مین
شوخی سے دوڑ کر پھر داخل ہوئی وہ گھر مین

(۱۷)

اتنی سی جان اُسکی وہ اُسکا بول بالا
ننھی ننھی آنکھین وہ رنگ کالا کالا
ہر بار اُس کا تکنا وہ فتح کی خوشی مین
وہ یاس سے ہراساں ہونا نہ اپنے جی مین

(۱۸)

شاباش و آفرین ہے! "ر" چلا اُٹھا شہنشاہ
"ہاری زمین تجھ سے بازی تو لیگئی واہ"
تصویر ہے مجسم تو غیرت و حیا کی
ہمت کی ولولون کی جذبات جان فزا کی

(۱۹)

فطرت کی لاڈلی ہے محنت کی تو ہے عادی
لائی غضب کی دلین تو طاقت ارادی
کیا مین نہ پاسکونگا عزت جو تونے پائی
لے فتح ہو مبارک کی تونے رہنمائی

(۲۰)

آمادہ کرکے دل کو ہشیار پھر ہوا وہ
دشمن پہ حملہ آور اک بار پھر ہوا وہ
تلوارین جگمگائین بادل سی فوج چھائی
دریا بہا لہو کا ایسی ہوئی لڑائی

(۲۱)

تھا شور الامان کا اک حشر تھا عالم
غازی کھڑا تھا تنہا لہرا رہا تھا پرچم
دلمین جو بات ٹھانی آخر وہ کر دکھائی
تھا اُسکو فتح کرنا یون اُسنے فتح پائی

(۲۲)

لو ختم ہو چکی اب تم سن چکے کہانی
مانو تو اک نصیحت تم کو بھی ہے سکھانی
محنت سے پیارے لڑکو ہرگز نہ جی چرانا
تقدیر مسکرا کر گاتی ہے یہ ترانا

(۲۳)

بیکار وقت کھونا گر خو رہی تمہاری
لائے گی رنگ اک دن تن پروری تمہاری
"مجھ سے نہ ہو سکے گا" ہین بزدلی کی باتین
نادانی و حماقت اور کاہلی کی گھاتین

(۲۴)

کار اہم کا کرنا آسان دل مین سمجھو
جائین لڑا دو اپنی جب عزم دلمین کر لو
ہونا نہ تم ہراسان دشواریان ہین اول
اسرار فتح کی ہین ناکامیان ہین اول

(ترجمہ) سید راحت حسین۔ بی۔ال
چھپرہ

(۹)

دم لیکے دوڑی سیدھی پھر خط زرفشاں پر
گرنے کا اپنے شکوہ لائی نہ وہ زباں پر
اوپر گئی ہوا میں اتنا کہ پھر گری وہ
تیورا کے کوئی ساعت بیدم پڑی رہی وہ

(۱۰)
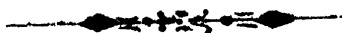
آیا جو ہوش اُسکو دیوانہ وار دوڑی
جھکتی سنبھلتی رُکتی باحال زار دوڑی
پوشیدہ دل میں اُسکے تھا راز بیقراری
وہ ہاتھ اور اونچی مکڑی گئی تمہاری

(۱۱)

وہ اضطراب اُس کا وہ سوز دل کا انداز
آئی زمیں کی جانب گرتی ہوئی فسوں ساز
پھر جھولتی چلی وہ جانبازیاں دکھاتی
خلوت کو اپنے تکتی لہراتی تلملاتی

(۱۲)

جاکر فضا میں اونچی خم کھا کے پھر جھکی وہ
ٹھہری نہ ایک لمحہ پھر دوڑی پھر گری وہ
خائف ہوئی نہ ولیکن گو منہ کی اُس نے کھائی
تھا جوش ولولوں کا یا جذب کہربائی

(۱۳)

چھ بار گرتی آئی اس طرح جب فضا میں
اور جذب مرکزی سے حیران ہوئی دغا میں
پکڑی زمیں اُس نے، سمجھایا یہ شاہ ذی جاہ
"مہمان ہے کوئی دم کی، مرجائے گی" کہ ناگاہ

(۱۴)

لیکر پھریری دوڑی اک بار پھر ہوا پر
ہمت سے اپنی پہونچی جالے کے وہ قریں تر
اُٹھ بیٹھا شاہ محزوں چلایا "ہاں خبردار"
"کیا وقت ہے یہ نازک اے ننھی جان بیزار"

(۱۵)

ننھا سا جسم تولے جھولے پہ چرخ کھاتی
اوج ہوا پہ پہونچی وہ پینگ کو بڑھاتی
کرتب دکھا رہی تھی اک خط نقرئی پر
یا کھیلتی تھی پتلی تار نظر پہ بڑھکر

(۱۶)

اونچی ہوئی یہانتک وہ رہرو ہوائی
لے دے کے رہ گئی بس اک ہاتھ اور چڑھائی
سنبھلی سنبھل کے تاکا ڈوری کو اک نظر میں
شوخی سے دوڑکر پھر داخل ہوئی وہ گھر میں

(۱۷)

اتنی سی جان اُسکی وہ اُسکا بول بالا
وہ ننھی ننھی آنکھیں وہ رنگ کالا کالا
ہر بار اُس کا تکنا وہ فتح کی خوشی میں
وہ یاس سے ہراساں ہونا نہ اپنے جی میں

(۱۸)

شاباش و آفرین ہے! "چلا اٹھا شہنشاہ
"ہاری زمین تجھ سے بازی تو لیگئی واہ"
تصویر ہے مجسم تو غیرت و حیا کی
ہمت کی دونون کی جذبات جان فزا کی

(۱۹)

فطرت کی لاڈلی ہے محنت کی تو ہے عادی
لائی غضب کی دلمین تو طاقت ارادی
کیا مین نہ پا سکونگا عزت جو تونے پائی
لے فتح ہو مبارک کی تونے رہنمائی

(۲۰)

آمادہ کرکے دل کو ہشیار پھر ہوا وہ
دشمن پہ حملہ آور اک بار پھر ہوا وہ
تلوارین جگمگائین بادل سی فوج چھائی
دریا بہا لہو کا ایسی ہوئی لڑائی

(۲۱)

تھا شور الامان کا اک حشر کا تھا عالم
غازی کھڑا تھا تنہا لہرا رہا تھا پرچم
دلمین جو بات ٹھانی آخر وہ کر دکھائی
تھا اسکو فتح کرنا یون اسنے فتح پائی

(۲۲)

لو ختم ہو چکی اب تم سن چکے کہانی
مانو تو اک نصیحت تم کو بھی ہے سکھانی
محنت سے پیارے لڑکو ہرگز نہ جی چرانا
تقدیر مسکرا کر گاتی ہے یہ ترانا

(۲۳)

بیکار وقت کھونا گر خو رہی تمہاری
لائے گی زنگ اکدن تن پروری تمہاری
"مجھ سے نہ ہو سکیگا" ہین بزدلی کی باتین
نادانی و حماقت اور کاہلی کی گھاتین

(۲۴)

کار اہم کا کرنا آسان دل مین سمجھو
جانین لڑا دو اپنی جب عزم دلمین کر لو
ہونا نہ تم ہراسان دشواریان ہین اول
اسرار فتح کی ہین ناکامیان ہین اول

(ترجمہ) سید راحت حسین۔ بی۔ ال
چھپرہ

# سب سے اچھا دیش ہمارا

یہی تو ہے آنکھون کا تارا　　یہی تو ہے ہر دل کا پیارا
سب ملکون کا راج دُلارا　　بلکہ یہی دنیا کا سہارا
سب سے اچھا دیش ہمارا

ہری بھری ہے وادی ساری　　کھیل رہی ہے گنگا پیاری
زیب بدن ہے دھانی ساری　　دیکھو تو جمنا کا دھارا
سب سے اچھا دیش ہمارا

کوہ ہمالہ کا وہ منظر　　عقل جہان ہو جائے ششدر
حسن کی مورت چرخ کا ہمسر　　کیسا اونچا کتنا پیارا
سب سے اچھا دیش ہمارا

جگہ جگہ ہین چشمے جاری　　چلتی ہے کیا باد بہاری
شام یہان کی کیسی پیاری　　صبح کا ہے کیا خوب نظارا
سب سے اچھا دیش ہمارا

تال مین پانی صاف بھرا ہے　　جسمین کنول کا پھول کھلا ہے
گایون کا اک جھنڈ کھڑا ہے　　گوالے کا یہ گیت ہے پیارا
سب سے اچھا دیش ہمارا *

کالی کالی گھٹا گھر آئی　　ساون کا پیغام یہ لائی
کھیتون مین ہریالی چھائی　　اسی سے ہے ہم سب کا گزارا
سب سے اچھا دیش ہمارا

رم جھم رم جھم برسے پانی — ہوائیں ہے نغموں کی روانی
کوئل کی ہے کوک سہانی — چلاکر یہ مور پکارا
سب سے اچھّا دیش ہمارا

رومی اور افغانی آئے — چینی اور جاپانی آئے
عربی اور ایرانی آئے — سب کے دل کو ہے یہ پیارا
سب سے اچھّا دیش ہمارا

یورپ ہے انگشت بدندان — دیکھ کے ایسا عیش کا سامان
اس زرخیزی پر ہے حیران — رشک سے ہے دل پارا پارا
سب سے اچھّا دیش ہمارا

ہائے یہ کیا دل میں ہے سمائی — لڑتے ہیں کیوں بھائی بھائی
ملک کی کرتے مل کے بھلائی — جس سے ہوتا اپنا گذارا
سب سے اچھّا دیش ہمارا

لڑتے ہیں باہم گھر والے — دیکھ رہے ہیں برابر والے
ہنستے ہیں سب باہر والے — عاقل کو کافی ہے اشارا
سب سے اچھّا دیش ہمارا

آؤ روحی منگل گائیں — اپنے دیش کی خیر منائیں
آپس کے جھگڑے کو مٹائیں — رکھے اسے خوشی پالن ہارا
سب سے اچھّا دیش ہمارا

محمد زبیر روحی

# بزم سخن

۱۰ نومبر ۱۹۲۲ء کو ہندو بورڈنگ ہاؤس الہ آباد مین باہتمام بابو سری نرائن نگم بی اے ایک بزم مشاعرہ منعقد ہوئی تھی جسکے صدر ہمارے صوبہ کے مشہور محب وطن بابو ایشور سرن صاحب تھے معززین شہر اور نواب چھتاری صاحب وزیر تعلیم کی شرکت سے مشاعرہ کی رونق دوبالا ہوگئی تھی۔ مقامی شعرا مین جناب ناصری حضرت آمد، مولانا فاخر صاحب بیخود اور شعراء بیرونجات مین مولانا حسرت موہانی، جناب مرزا جعفر علیخانصاحب اثر لکھنوی اور حضرت احسن شمسی ناظم حلقۂ ادبیہ کانپور خصوصیت سے قابل ذکر ہین۔ چند غزلین حاضر ہین ناظرین لطف اندوز ہون۔

مولانا حسرت موہانی

یونہین مائل ہے سر اُس در کی جبین سائی کا — شوق محتاج نہین حوصلہ افزائی کا

آج کل حسن رخ یار کی بیتابی کو — ضد یہ ہے نام نہ لے کوئی شکیبائی کا

یہ بھی احسان ہے انکا کہ مجھے کرکے تباہ — دیکھنے آئے تماشا مری رسوائی کا

رنج دوری سے ہوا عیش تصوّر جو بہم — ہوگیا اور ہی عالم شب تنہائی کا

ان سے ارباب نظر کی ہے یہ خواہش حسرت
اُٹھ رہے کوئی دقیقہ نہ خود آرائی کا

جناب مرزا جعفر علیخانصاحب اثر لکھنوی

ذوق کامل ہو اگر چشم تماشائی کا — اک کرشمہ ہے یہ وہم اُسکی خودآرائی کا

اسلئے مائل کثرت ہوئی وحدت تیری — یہ نہ سمجھے کوئی پابند ہے یکتائی کا

دیدۂ انجم و گل نے بھی نہ دیکھا ابتک — دل سے بہتر کوئی جلوہ تری رعنائی کا

عشق کے ساتھ بڑھی لذت درد جگری — کام کرتا رہا آزار مسیحائی کا

بیخودی شوق کی تھی جب یہ چمن آرا خیال
عالم وصل تھا عالم شب تنہائی کا

بے محابا جو الٹ دے کوئی چہرہ سے نقاب
بھری محفل پہ گمان ہو ابھی تنہائی کا

جل اُٹھے داغ سویدا جو وہ جلوہ دکھلائے
شوق رہجائے ہر اک آنکھ کو بینائی کا

اک فقط مین ہی نہین کشتۂ انداز خمار
گل ہے خمیازہ کش ابتک تری انگڑائی کا

نگہ ناز نے دنیا ہی وہ برہم کردی
سلسلہ قطع ہوا دل سے شکیبائی کا

لخت دل جو نہ مژہ سے سر دامن ٹپکا
نگہ عشق مین وہ داغ ہے رسوائی کا

سو آچکی نیند اب انگڑائیان لینے والے
مر گیا جاگنے والا شب تنہائی کا

زردی رخ پہ فدا ہوتی تھی رہ رہ کے بہار
قابل سیر تھا عالم ترے سودائی کا

تنگ صحرائے جنون عرصۂ ہستی کوتاہ
رہ گیا شوق اثر بادیہ پیمائی کا

جناب احسن سُنبھلی ناظم حلقۂ ادبیہ کانپور

عکس ہے منظر کثرت تری یکتائی کا
مین شناسا ہون ترے ذوقِ خودآرائی کا

آہ، مین اور یہ منظر شب تنہائی کا
ہر ستارے مین ہے عالم تری رعنائی کا

حسن! ہر چند کہ شیدا ہے خودآرائی کا
مگر انداز کہان چشم تماشائی کا

جان لینا کہ غم عشق کی دنیا ہے وہی
موت کرتی ہو جہان کام مسیحائی کا

گھٹ گئی قوتِ دل، بڑھ گیا احساس الم
ناتوانی مین بھی ہے زور توانائی کا

صبح محشر ہی سہی، صبح تمنا نہ سہی
اُٹھ تو جائے کہین پردہ شب تنہائی کا

دل تو دل روح مین بھی ایک تڑپ پیدا ہی
درس دیتا ہون زمانے کو شکیبائی کا

ناتوانی دلِ محروم تمنا کی نہ پوچھ
خواب دیکھا تھا کبھی اس نے توانائی کا

کثرت آرائی نیرنگِ تماشا کیون ہے
مجھکو اقرار ہے ظالم تری یکتائی کا

اب یہ معلوم ہوا، غم ہے فریبِ احساس
آج سے نام نہ لینگے کبھی دانائی کا

زور تخئیل ہوا نذرِ تکلف احسن
ہو گیا فرض ادا قافیہ پیمائی کا

جناب حافظ اشرف علی صاحب حافظ رکن حلقۂ ادبیہ کانپور

پردہ در کھلتا تھا انھین اپنی خود آرائی کا — نام بدنام ہوا چشم تماشائی کا
آئینہ پیش نظر ہے تری رعنائی کا — شوق ہے بیخودی دل کو خود آرائی کا
شام ہی سے ہے بری دل کی طرح یہ بھی اداس — منھ تو دیکھے کوئی میری شب تنہائی کا
ہوگئی جنبش لب صرف تبسم ہو کر — یہ بھی اعجاز ہے ظالم تری گویائی کا
درد نے اُٹھکے تڑپنے کا سہارا تو دیا — بھیجی لائی بھی پیغام شکیبائی کا
ہائے کیا چیز ہے برباد تمنا ہونا — وہ بھی سنتے ہین فسانہ مری رسوائی کا
جلوۂ دوست سے پرنور ہے کاشانۂ دل — آج چمکا ہے ستارا شب تنہائی کا

اک تبسم ہی سہی نالۂ حافظ کا جواب
شکریہ آپ کی اس حوصلہ افزائی کا

# بقیہ انتخاب مشاعرہ کانپور

جناب وفا کانپوری

کیجئے بے پردہ پہلے حسن محشر خیز کو — پھر تہ و بالا نظام ہر دو عالم کیجئے
ہے وہی پہلی سی شوخی پھر مزاج حسن مین — از سر نو عشق کے اجزا فراہم کیجئے

جناب مولوی فصیح اللہ صاحب فائق

کون کہتا ہے میرے مرنے کا ماتم کیجئے — آپ کے دشمن کو غم ہو آپ کیون غم کیجئے
دیکھنا ذوق گرفتاری کہ آزادی سے مین — اُن سے کہتا ہون دراز لفون کو برہم کیجئے
لطف جب ہے گریۂ غم ہو تبسم آفرین — ان گلون کو دیکھکر تقلید شبنم کیجئے
بیکسی تو دیکھئے پہلو مین اب دل ہے نہ غم — دل کا ماتم کیجئے یا غم کا ماتم کیجئے

کیا تماشا ہے کہ ہر ذرہ مین ہے اک برق طور
یون نہ اپنے حسن کو رسوائے عالم کیجئے

# पुस्तकें

**अमरसिंह राठौड़** जिसने १ लाख के बदले ७ दरबारियों के सिर काटे १।।)

**यशवन्तसिंह राठौड़** हिन्दुओं के परम हितैषी का चरित्र १।।)

**पूरन मल भक्त** जिसके तमाशों को लाखों लालायित रहते हैं वही उपन्यास में १।।)

**तांतिया भील** जिसके लिये सरकार ने "तांतिया पुलिस" बनाई थी उसी डाकू का १।।)

**नवचरित्र** - शकुन्तला, कादम्बरी, दमयंती आदि स्त्री शिक्षा के अमूल्य ६ चरित्र १।।)

**ताजीरात हिन्द** - भारत व्यापी दंड की दफ़ाओं का खुलासा इसी में है ३)

**पृथ्वीराज चौहान** १७ बार मोहम्मद गोरी का भारत पर आक्रमण संयोगिता हरण देश द्रोही जयचन्द की पराजय सब वृतान्त इस में है ३)

**हिन्दी उर्दू कोष** - हिन्दी उर्दू की डिकसनरी ।।)

**विदूषक** - हंसते २ लोट पोट कर देने वाले चुटकुलों का संग्रह ।।।)

**हंसोड़** - हंसते २ पेट में बल डाल देने वाली मित्रों के सुनाने योग्य कहानियां ।।।)

**डल्ला** - इलव देश की संसार प्रसिद्ध महा प्रपंचनी धूर्ता स्त्री डल्ला का चरित्र है ।।)

**स्त्री चरित्र और पुरुष चरित्र** १।।)

५) कीमत अधिक की मंगाने वालों को डाकव्यय माफ़

**मैस्मरेज़िम शिक्षक** - बिना उस्ताद के सिखाने वाली १।।)

**शिवोक्त बृहत्साबर तंत्र** - कलियुग में सिद्ध होने के मंत्र १।।)

**कौतुक रत्नाकर** - आश्चर्यजनक बाज़ीगरी के खेल सिखाने वाली पुस्तक ३)

**जादू विद्या** - अंगरेजी ढंग के जादू के खेल जो अंग्रेज़ आदि करते हैं १)

**श्याम रहस्य तंत्र** - महामाया कालिका का तंत्र पंचांग सब भाषा टी० ३)

**भैरवी चक्र** सर्व सिद्धि को देने वाला शास्त्रों का परम योग्य यह विधान भाषा टीका सहित है ।।।)

**यक्षिणी साधन** - कामेश्वरी रतिप्रिया कर्ण पिशाचनी आदि भाषा टीका ।=)

**उल्लू कल्प** भूमीगत धन देखना रात्री में अन्तर ध्यान होना आदि साधन इसी ग्रंथ में हैं ।।।)

**बालचिकित्सा** - बालकों को होने वाले रोगों की चिकित्सा तथा उनसे बचने का ।)

**ग़ज़ल संग्रह** चुनी हुई उत्तम ग़ज़लों का संग्रह है ।।।)

**भजन संग्रह** - सूरदास तुलसीदास और नये २ चुने हुये भजनों का संग्रह है ।।•)

**गोरिलहामा** - विलायत के प्रसिद्ध डाकू का हाल जासूसी उपन्यास ।।।)

**बिलास कुमारी** - वीर क्षत्राणी का पढ़ने योग्य उपन्यास ३)

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔